جمادی الاول و جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ　　جنوری ۲۰۲۱ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

لڑیں ہند کے مشرکوں سے بہم
چھڑائیں جہنم سے گردن کو ہم

”اس امت میں سندھ و ہند کی طرف (لشکروں کی) روانگی ہوگی (اور ان کے لیے جہنم سے آزادی کے پروانے ہیں)!“
[مفہومِ حدیث – مسندِ احمد]

فتح شام کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خطاب

حضرت باہلیؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ ملک شام میں داخل ہوئے تو انہوں نے جابیہ شہر میں کھڑے ہو کر بیان میں ارشاد فرمایا:

’’امابعد! قرآن سیکھو اس سے تمہارا تعارف ہوگا اور قرآن پر عمل کرو اس سے تم قرآن والوں میں ہو جاؤ گے اور کسی حق دار کا درجہ اتنا بڑا نہیں ہو سکتا کہ اس کی بات مان کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے...... اس بات کا یقین رکھو کہ حق بات کہنے سے اور کسی بڑے کو نصیحت کرنے سے نہ تو موت قریب آتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا رزق دور ہوتا ہے...... اس بات کو جان لو کہ بندے اور اس کی روزی کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے، اگر بندہ صبر سے کام لیتا ہے تو اس کی روزی خود اس کے پاس آجاتی ہے اور اگر بے سوچے سمجھے روزی کمانے میں گھس جاتا ہے (حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا) تو وہ اس پردے کو توپھاڑ لیتا ہے لیکن اپنے مقدر سے زیادہ نہیں پاسکتا..... گھوڑوں کو سدھاؤ، تیر چلانا سیکھو، مسواک کیا کرو، موٹا جھوٹا استعمال کرو عجمیوں کی عادتیں اختیار کرنے سے اور ظالم جابر لوگوں کے پڑوس سے بچو...... اس سے بھی بچو کہ تمہارے درمیان صلیب بلند کی جائے یا تم اس دسترخوان پر بیٹھو جس پر شراب پی جائے...... جب تم عجمیوں کے علاقہ میں پہنچ جاؤ اور ان سے معاہدہ کرلو تو پھر کمائی کے ایسے کام اختیار کرنے سے بچو جن کی وجہ سے تمہیں وہاں ہی رہنا پڑ جائے اور ملک عرب میں واپس نہ آسکو کیونکہ تمہیں اپنے علاقہ میں عنقریب واپس آنا ہے اور ذلت وخواری کو اپنی گردن میں ڈالنے سے بچو‘‘۔

(حیاۃ الصحابہؓ ج ۳، ص ۴۵۴، ۴۵۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سابقہ نوائے افغان جہاد
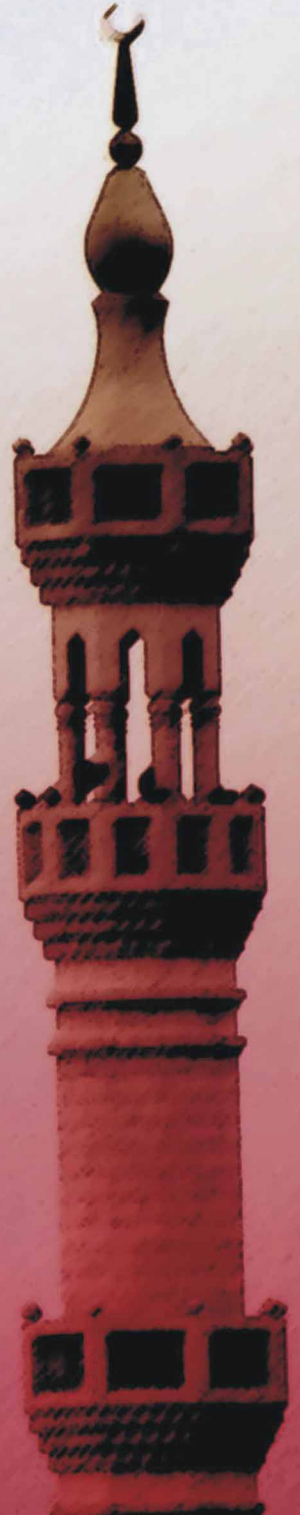
نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۴، شمارہ نمبر: ۱

جمادی الاول و جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ | جنوری ۲۰۲۱ء

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا چودھواں سال!

افغانستان
کشمیر
پاکستان
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
بنگلہ دیش
ہندوستان
برما

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جس نے ایک دن اللہ کے راستے میں پہرے داری کی اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان سات خندقیں بنا دیں گے اور ہر خندق سات آسمان و زمین جیسی ہوگی۔‘‘

(طبرانی)

اس شمارے میں

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email)

پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Channel
www.nawai.io/Bot

قیمت: اس مجلے کی قیمت آپ کی دعا......
اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلانا ہے!

قارئینِ کرام!

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّصغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّین مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّصغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور ان کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے......اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

لڑیں ہند کے مشرکوں سے بہم!

امریکہ پسپا ہو چکا ہے۔ تاریخ کو ابھی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ امریکی 'گورباچوف' کون کہلائے گا، شاید بعض مؤرخ اس صلیبی جنگ کا آغاز کرنے والے بش کو ہی 'گورباچوف' کہیں[1]، ورنہ اوبامہ یا ٹرمپ کا مقابلہ تو 'کانٹے دار' ہے ہی اور بائیڈن کے لیے اللّٰہ کے نئے لشکری 'کورونا وائرس' اور کورونا وائرس کا بھی نو دریافت شدہ جرثومہ ہی کافی ہے جو پچھلی قسم سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے پھیل رہا ہے۔ صلیبیوں یا صلیب بردار صلیبی قائدین کی تاریخ ہے کہ اگر وہ خود مسلمانوں سے میدانِ جنگ میں ہار جاتے ہیں تو وہ اپنی جنگ کسی اور صلیبی لشکر یا کسی اور 'مسلم دشمن' قوت کے سپرد کر دیتے ہیں، پھر اپنی سازشوں، فکری و عسکری جنگی کمک اور مال کے ذریعے ان مسلم دشمن قوتوں کی یا تو سرپرستی کرتے ہیں یا مدد۔

اہلِ فکر و نظر واقف ہیں کہ دنیا کے جدید نظام یا نیو ورلڈ آرڈر میں پالیسیاں اور حکمتِ عملیاں چہروں کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتیں۔ یہ پالیسیاں اور حکمتِ عملیاں 'صلیب و صہیون' کے 'بڑوں' نے ایک بار طے کر دی ہیں، ان 'بڑوں' کا ہاتھ درپردہ ہے جبکہ دنیا شطرنج کی بساط کو ہی 'اصل' جان کر بادشاہ و ملکہ اور سپہ سالار و مذہبی قائدین کو نظام چلانے والا سمجھ رہی ہے[2]۔ آج ملکوں کی معیشت، عسکریت اور سیاست کنٹرول کرنے والے اصل ہاتھوں کو ہمارے یہاں 'اسٹیبلشمنٹ' اور امریکہ وغیرہ میں 'ڈیپ سٹیٹ' کہتے ہیں۔ یہ ڈیپ سٹیٹ کے ہرکارے اور جدید نظام کی صورت میں ایک نیا 'الٰہ' تراشنے والے، اپنے 'خدا' کے باطل ہونے کو خوب جانتے ہیں اور انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ انہوں نے ہار جانا ہے، عظیم مثال ابلیسِ لعین کی غزوۂ بدر سے یہ کہہ کر فرار ہے کہ 'إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ[3]' یعنی 'میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے'۔

نظامِ دجّالی کا عصرِ حاضر میں سب سے بڑا محافظ اور اس نظام کو چلانے والا 'امریکہ' ایک جان توڑ، انیس سالہ جنگ کے بعد زخموں اور تھکاوٹ سے چُور ہو چکا ہے اور عصرِ حاضر کی 'اسلامی ریاست'، 'اِمارتِ اسلامیہ افغانستان' کو تسلیم کر کے مشرقِ عالَم کے اس حصے جسے برِّ صغیر و خراسان کہا جاتا ہے، سے فرار ہو رہا ہے۔ خراسان و برِّ صغیر کا جغرافیہ تو آپس میں ملا ہوا ہی ہے، اس کی تاریخ بھی ما قبلِ اسلام سے بعد از اسلام اور آج تک جڑی ہوئی ہے اور دینِ اسلام نے جغرافیہ، تاریخ اور قوم و وطن سے بھی بڑی نسبت یعنی 'دینِ اسلام' ہی کے ذریعے ان کو 'بنیانٌ مرصوص' کی مانند جوڑ رکھا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے خطّۂ برِّ صغیر و خراسان، امتِ مسلمہ کا سب سے بڑا حصہ ہے، مسلمانانِ عالَم کی نصف آبادی یہیں صدیوں سے آباد ہے۔ یہ خطہ اسلام کی عظمت کا نشان رہا ہے، یہاں سے علم و فن، دعوت و جہاد اور تبلیغ و تزکیے سے متعلق بڑی بڑی شخصیات اور عظیم تحریکیں برآمد ہوتی رہی ہیں۔ امپیریل

---

[1] امریکی سی آئی اے کے 'بن لادن یونٹ' کے سابق سربراہ 'مائیکل ایف. شوئیر' نے الجزیرہ ٹی وی کی نائن الیون پر تشکیل دی گئی ایک دستاویزی فلم '9/11 Decade' میں کہا تھا کہ ''بنیادی طور پر (نائن الیون کی صورت میں) ہوا یہ تھا کہ اسامہ بن لادن نے کہا '(ذلت و شکست کی کھائی میں) چھلانگ لگاؤ!' اور مسٹر بش اور مسٹر چینی نے بس اتنا پوچھا 'کتنی اونچی (گہری) چھلانگ لگائیں؟'۔''

[2] یہودیوں کے تشکیل کردہ 'The Protocols of the Elders of Zion' کو ہم کوئی 'الہامی' چیز قرار نہیں دے رہے کہ نظامِ عالَم ان کے مطابق چل رہا ہے، بلکہ یہ ایک منصوبہ ہے جو ظاہراً مجموعی طور پر کامیاب ہو رہا ہے اور 'کارسازِ اصلی' وحدہٗ لاشریک کی مشیت یہی ہے کہ حزب الشیطان والے اپنے منصوبوں کے مطابق اپنے کاموں کی انجام دہی کرتے رہیں، کہ 'نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ خرچ تو کریں گے، مگر پھر یہ سب کچھ ان کے لیے حسرت کا سبب بن جائے گا، اور آخر کار یہ مغلوب ہو جائیں گے'۔

[3] سورۃ الانفال: ۴۸

ازم کی صورت برطانیہ (اور دیگر یورپی ریاستیں بھی جو اس خطے میں برطانیہ کے مقابل اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکیں) یہاں آیا اور (ہند و عرب، افریقہ، اور امریکہ و آسٹریلیا پر محیط) 'برطانیۂ عظمیٰ' سے ایک دو جزیروں پر مبنی 'سلطنتِ متحدہ' (یونائیٹڈ کنگ ڈم) بن کر لندن لوٹا۔ اشتراکیت کے نام پر 'سوویت روس' یہیں گُودا اور اس کی لاش کو ماسکو پہنچایا گیا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی قوت اور چہرہ 'امریکہ' اپنے چھپل حواریوں سمیت یہیں کمزوری کا شکار ہوا، اور مسخ ہو کر بھاگ رہا ہے، اسی جنگ کے نتیجے میں آج 'نیٹو' کے وجود پر سوالیہ نشان اٹھائے جا رہے ہیں!

یہ پہلا مرحلہ تھا، اس میں اسلام و اہلِ اسلام غالب ہوئے اور یہ فتح و غلبہ ملتِ اسلامیہ کے لیے بہت بڑی کامیابی ہے۔

لیکن! کفرِ اعظم نے، نظامِ دجّالی نے، ابھی دم نہیں توڑا، بلکہ وہ آج بھی نہایت مضبوط و قوی حیثیت میں موجود ہے اور اس نظام کو چلانے والوں نے مقامی قوتوں کو اس نظام کو برقرار رکھنے یا اہلِ اسلام سے جنگ جاری رکھنے کے لیے ذمہ داری سونپی ہے۔ پندرہویں صدی ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی میں جاری کفر و اسلام کی جنگ اب اگلے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ افریقہ کے مغرب میں یعنی الجزائر تا مالی، فرانس اس جنگ کا سرغنہ ہے۔ شمال مشرقی افریقہ کے حکمران اور مقتدر قوتیں اسرائیل کے در پر سر بسجود ہیں اور قاہرہ و خرطوم کے معاملات تل ابیب سے چل رہے ہیں۔ مشرقی افریقہ میں جنگ کی ذمہ داری امریکی 'افریکام' کی زیرِ نگرانی 'افریقی یونین' کے پاس ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کی صورت بدیسی 'عرب یہودی'، امریکہ و اسرائیل کے سامنے رکوع و سجود کی حالت میں موجود ہیں اور انہوں نے اسلام کی سرکوبی کے لیے 'التحالف الإسلامي العسكري لمحاربة الإرهاب' نامی ایک اتحاد تشکیل دے رکھا ہے جس کی ڈوریں براہِ راست پنٹاگان (Pentagon) سے ہلائی جاتی ہیں اور اسلامی نام کے اس صلیبی اتحاد کا سپہ سالار جنرل (ر) راحیل شریف ہے، حرمین شریفین سے چند میل کے فاصلے پر یہودی و عیسائی فوجی اپنی عسکری بیسیں بسائے ہوئے ہیں۔ فلسطین پر یہودِ نامسعود براہِ راست قابض ہیں۔ ارضِ شام پر قدیم و جدید فکر کے صلیبی اور ان کے اتحادی اپنی سیاسی بساط بچھائے ہوئے ہیں۔

برِّ صغیر میں کفر کی خدمت گار اور اسلام و اہلِ اسلام کی قدیم دشمن قوت 'بھارت' موجود ہے۔ تقسیمِ ہند کے وقت، عالمی قوتوں نے بہت سے اختیارات اور بہت سی مستقبل کی تخریب کے لیے 'ہندوؤں' کا انتخاب کیا تھا اور ان ہندوؤں کی اسلام اور اہلِ اسلام سے دشمنی محض اس 'انتخاب' کے سبب نہیں بلکہ وہ خود کو ایک قدیم تہذیب اور مسلمانوں کو اس کا غارت گر جان کر اہلِ اسلام کے دشمن ہیں[1] اور اس خطے میں ہر قسم کی بالادستی کے خواہاں ہیں۔ مذہبِ 'ہندوتوا' میں ہر انسان یا ہر ذی روح اپنی 'فطرت' پر پیدا ہوا ہے اور اس 'فطرت' میں مقامی ادیان 'ہندومت'، 'جین مت'، 'بدھ مت' اور فوائد سمیٹنے کے لیے 'سکھ مت' کو شامل کرتے ہیں جبکہ اسلام کو 'اجنبی، بے گانہ، غیر اور غاصب و شدت پسند' مذہب اور اسلامیانِ برِّ صغیر کو 'گُھس بیٹھیے' قرار دیتے ہیں[2]۔ بھارت کے مستقبل کا چہرہ 'ہندوتوا' ہی ہے چاہے مرکز میں 'بھارتیا جنتا پارٹی' کا اقتدار برقرار رہے یا نہ رہے۔ بھارت کو چلانے

---

[1] اور ہم اہلِ اسلام اس تہذیب کے غارت گر ہیں بھی، بحمد اللہ!

[2] فی الحال 'گُھس بیٹھیے' کہہ کر صرف بھارت میں بستے اہلِ ایمان کو مطعون کیا جا رہا ہے، لیکن 'قدیم بھارتی روایات' کے مطابق:

"یہ برِّ عظیم (برِّ صغیر) سمندر (بحرِ ہند) سے لے کر ہمالیہ تک بھارت ہے اور یہاں کے باسی بھارت کی اولاد ہیں۔" (بحوالہ عارف محمد خان، گورنر ریاستِ کیرالا، In Search of India's Soul – Al Jazeera)۔

اس قدیم روایت کی تعبیر و تشریح بھارت میں بستے بعض مسلمان جو چاہیں کریں لیکن، ہندوتوا، آر ایس ایس، بی جے پی اور مودی کے مطابق یہی تعبیر و تشریح ہے کہ بھارت کا مذہب 'ہندومت' ہے اور اس کے مطابق آج کا پاکستان و بنگلہ دیش بھی بھارت ہی ہے۔ اسی لیے نسلاً بھارتی / ہندوستانی مسلمانوں (جو یا تو خود یا ان کے......[باقی حاشیہ اگلے صفحے پر]

والی ذہنیت 'مودی' ہی رہے گی چاہے کرسی پر کوئی بھی براجمان ہو۔ 'ہندوتوا' فکر و نظریہ، اسلام اور اہلِ اسلام کا خالی خولی مخالف نہیں ہے بلکہ یہ ایک زمانے سے ہندوستان میں فکری و عسکری تیاری میں مگن تھا، کچھ کچھ وار بھی ماضی میں کرتا رہا اور آج مقتدر و حاکم بھی ہے۔

بابری مسجد کی شہادت، احمد آباد و گجرات میں قتلِ عام، مظفر نگر کے فسادات، لَو جہاد، گاؤ کُشی کے بدلے مسلم کُشی، گھر واپسی، آسام و بنگال میں این آر سی، پورے ہندوستان میں این آر سی اور سی اے بی، دِلّی فسادات، مسلم وائرس (کورونا وائرس) اور سب سے بڑھ کر کشمیر میں دفعہ ۳۷۰ کا خاتمہ اور قریباً ایک کروڑ مسلم آبادی پر لاک ڈاؤن اور کرفیو کا نفاذ، یہ سب ہندوتوا کے چند مظاہر ہیں۔

نریندر مودی جس زمانے میں گجرات کا وزیرِ اعلیٰ تھا تو اس زمانے میں اس کا کسی کے ساتھ ٹی وی پر ایک مباحثہ ہے[1]۔ مباحثے میں مودی کا مقابل اسلام کے 'امن پسند' ہونے کی بات کرتا ہے[2] تو مودی جواباً کہتا ہے:

> "اسلام دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے: دار الاسلام اور دار الحرب۔ جہاں اسلام حاکم و غالب ہو تو وہ دار الاسلام اور اس کے علاوہ دنیا دار الحرب ہے، حرب یعنی جنگ (اس لیے اسلام امن کا مذہب نہیں دہشت گردی کا مذہب ہے)!"[3]

پورے ہندوستان میں آج یہی 'مودی' فکر ہے جو غالب ہے، یہی ہندوتوا ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کو جبراً ہندو بنانے کے راستے پر گامزن ہے، جو نہ مانے تو اس کو تلواروں اور خنجروں سے کاٹ دینے کے درپے ہے۔ ہمارے خطے میں جنگ کی ٹھیکیداری اسی ہندوتوا کے علم بردار بھارت کے پاس ہے، اسے امریکہ کی آشیر باد بھی حاصل ہے، کھربوں ڈالروں کے دفاعی و معاشی معاہدے بھی اسی کا ایک جزو ہیں۔

محمد بن قاسم، محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری، اورنگ زیب عالم گیر، سراج الدولہ، ٹیپو سلطان، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، سید تیتو میر، حاجی شریعت اللہ، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، حافظ ضامن شہید، شیخ الہند محمود حسن (رحمۃ اللہ علیہم)، یہ سب اسی جہادِ ہند و سندھ کے نام ہیں جس جہادِ ہند کی تکمیل آخر الزمان میں اس شان سے ہونا ہے جس شان سے مخبر صادق، نبیٔ مہربان (علیہ اَلف صلاۃ و سلام) نے فتح و ظفر، جنت کے حصول اور جہنم سے آزادی کی بشارتیں دی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

> "میرے جگری دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان کیا اور فرمایا: 'اس امت میں سِندھ و ہند کی طرف (لشکروں کی) روانگی ہو گی'، اگر مجھے ایسی کسی مہم میں شرکت کا موقع

[بقیہ حاشیہ]...... آباواجداد ہندو، بدھ یا جین مت کے پیروکار تھے) کے لیے گھر واپسی کی مہم وجود رکھتی ہے اور یہاں کے اکثر مسلمانوں کی نسلوں کو 'گُھس بیٹھیے' کہا جا رہا ہے۔ فی المستقبل پورے برِّ صغیر کے مسلمانوں کو 'گُھس بیٹھیے' کہا جائے گا اور شدت پسند ہندوتو آج بھی یہ نعرہ پورے برِّ صغیر کے لیے بلند کر رہے ہیں!

[1] یہ مباحثہ یوٹیوب پر ڈھونڈا اور دیکھا جا سکتا ہے۔

[2] اسلام امن کا دین ہے لیکن امن اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ منسلک ہے۔

[3] مودی کی اس تعریف سے کسی درجے میں اتفاق بھی کیا جا سکتا ہے۔ اسلام تو غالب ہونے کے لیے آیا ہے۔ جہاں اسلام غالب ہوتا ہے اسے دار الاسلام کہتے ہیں اور جہاں اسلام کے غلبے کے لیے جہاد و قتال کے میدان گرم کیے جاتے ہیں تو اسے دار الحرب ہی کہا جاتا ہے اور برِّ صغیر کو تو قائدِ اسلامیانِ برِّ صغیر مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اسلام کے یہاں مغلوب ہو جانے اور انگریزی و ہندو نظام کے غالب آ جانے کے سبب ہی اپنے شہرۂ آفاق فتوے میں دو صدیاں قبل دار الحرب قرار دیا تھا۔
مودی کا یہ بیان ہم اہلِ ایمان کے لیے خود دین کی دعوت اور دین کی تعبیرِ اصلی لیے ہوئے ہے کہ مودی بھی جانتا ہے کہ اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے اور جس خطے میں اسلام غالب نہ ہو تو وہاں میادینِ جنگ گرم کر کے وہاں کے باسیوں کو حکومتِ اسلامیہ کے ماتحت کیا جاتا ہے۔

ملا اور میں (اس میں شریک ہو کر) شہید ہو گیا تو ٹھیک، اگر (غازی بن کر) واپس لوٹ آیا تو میں ایک آزاد ابو ہریرہ ہوں گا جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہو گا۔''[1]

آیئے فکر و اعلام، سوچ و نظریے، زبان و قلم اور تلوار و کلاشن کوف سے اسلام کے دفاع کی خاطر، بابری مسجد کی تقدیس کی خاطر، کشمیری بہنوں کے آنچل کی حفاظت کی خاطر، ہندوستان میں کٹتے مسلمانوں کی حفاظت کی خاطر، اسلام آباد تا سری نگر، سری نگر تا دِلّی اور دِلّی تا ڈھاکہ اور ڈھاکہ تا رنگون، پورے برِّ صغیر کو پھر سے اسلام کا گہوارہ بنانے کی خاطر، غزوۂ ہند کے لشکروں میں شامل ہوتے ہیں۔ 'نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر' نفاذِ شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا اَلف صلاۃ وسلام) کی خاطر لشکرِ عیسیٰؑ و مہدیؓ کا حصہ بنتے ہیں۔

لڑیں ہِند کے مشرکوں سے بہم
چھڑائیں جہنم سے گردن کو ہم
کریں جنگ تہذیبِ دجّال سے
ملیں جا کے عیسیٰؑ کے لشکر سے ہم

أللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

---

[1] مسندِ احمد

اہل اللہ اور مشائخ کی صحبت کے برکات وفوائد

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں کہ ہوا کے رُخ بھی بدل گئے
ترا ہاتھ ہاتھ میں آگیا تو چراغ راہ کے جل گئے

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور تقویٰ کی راہ آسان ہونے کا نسخہ کاملین کی صحبت اختیار کرنا ہے۔

کاملین کی صحبت کتنی ہو؟

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ کاملین کی صحبت میں اس اہتمام سے رہو کہ اخلاق واعمالِ حسنہ تمہارے اندر جذب ہو جائیں۔

”خَالِطُوْهُمْ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ.“

”باب مخالطہ اختیار کیا تاکہ معلوم ہو کہ طالب اور شیخ دونوں ہی کی طرف سے افادہ اور استفادہ کے لیے مصاحبت کا اہتمام ہو اور طالب مرشد کے کمالات کو جذب کر سکے۔“

یہاں تک جذب کرلوں کاش تیرے حسنِ کامل کو
تجھی کو سب پکار اُٹھیں گزر جاؤں جدھر ہو کر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ .“

”ہر آدمی اپنے گہرے دوست کے دین پر ہو جاتا ہے، اس لیے غور کرلے ہر ایک کہ ہم کس سے دوستی کرتے ہیں۔“

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہر آدمی اپنے دوست کے دین پر کیوں ہو جاتا ہے؟ اس کی تفہیم اور توضیح کے لیے حق تعالیٰ کا ارشاد كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ نقل فرما کر الامام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے:

” مُجَالَسَةُ الْحَرِيْصِ وَمُخَالَطَتُهٗ تُحَرِّكُ الْحِرْصَ ، وَ مُجَالَسَةُ الزَّاهِدِ وَمُخَالَطَتُهٗ تَزْهَدُ فِي الدُّنْيَا لِاَنَّ الطِّبَاعَ مَجْبُوْلَةٌ عَلَى التَّشَبُّهِ وَالْاِقْتِدَاءِ بَلِ الطَّبْعُ يَسْرِقُ مِنَ الطَّبْعِ مِنْ حَيْثُ لَا يَدْرِيْ بِذَا.“

”مجالست حریص کی حرص کو اُبھارتی ہے اور زاہد کی مجالست دنیا کی بے رغبتی پیدا کرتی ہے کیوں کہ انسان کی طبیعت نقل اور اقتدا کے فطری تقاضے پر پیدا کی گئی ہے بلکہ طبیعت دوسری طبیعت کے عادات اور خصائل کو غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر چوری کر لیتی ہے۔“

اہل اللہ کی صحبت فرضِ عین ہے

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تزکیہ فعلِ متعدی ہے فعلِ لازم نہیں جو خود اپنے فاعل سے تمام ہو۔ پس تزکیہ کوئی بھی اپنے نفس کا خود نہیں کر سکتا جب تک کہ کوئی تزکیہ کرنے والا نہ ہو۔ فعل متعدی فاعل اور مفعول بہٖ دونوں کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا اہل اللہ کی صحبت فرضِ عین ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ امداد الفتاویٰ، جلد ۵، صفحہ ۱۳۹، باب السلوک میں حسب ذیل ہے:

سوال: میری عمر چوبیس سال ہے۔ میں ایک حامل شریعت واقفِ طریقت بزرگ سے بیعت ہوں اور اصلاحِ نفس کے لیے ان کی خدمت میں جایا کرتا ہوں۔ میرے والد صاحب منع کرتے ہیں۔ کیا اس صورت میں ان کی خدمت میں جانے سے باپ کی یہ نافرمانی گناہ ہے اور باپ حق پر ہے یا خطا پر؟

جواب: منجیاتِ قلبیہ کی تحصیل اور مہلکاتِ قلبیہ کا ازالہ واجب ہے اور تجربہ سے اس کا طریق حضرات کاملین مکملین کی صحبت اور ان کی تعلیم پر عمل کرنا ثابت ہوا ہے، اس لیے بحکم مقدمۃ الواجب واجب یہ بھی ضروری ہے اور ترک واجب میں والدین کی اطاعت واجب نہیں۔ قال علیہ السلام:

”لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ .“

البتہ اگر اس مرشد میں خدانخواستہ کوئی شرعی فساد ہے تو اس کی صحبت سے بچنا واجب ہے۔

اہل اللہ کی نظر کے برکات

اللہ والوں کی نظر میں برکت اور کرامت اور تاثیر کے متعلق حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب عرض کیا ’یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! جعفر کی اولاد کو نظر لگ جاتی ہے‘۔ أَفَاَسْتَرْقِيْ لَهُمْ ، قَالَ: نَعَمْ؛ فَإِنَّهٗ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدَرِ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نظر برحق ہے، تو جب بُری نظر لگ سکتی ہے تو اللہ والوں کی اچھی نظر کیسے نہ لگے گی؟! اکبرؔ الٰہ آبادی نے خوب فرمایا ہے

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی
نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہے

حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”وَضِدُّ ہٰذَا الْعَیْنِ نَظَرُ الْعَارِفِیْنَ فَإِنَّہٗ مِنْ حَیْثُ التَّاثِیْرِ الْإِکْسِیْرِ یَجْعَلُ الْکَافِرَ مُؤْمِنًا وَالْفَاسِقَ صَالِحًا وَّالْجَاہِلَ عَالِمًا وَالْکَلْبَ إِنْسَانًا وَّہٰذَا لِأَنَّہُمْ مَنْظُوْرُوْنَ بِنَظَرِ الْجَمَالِ وَالْأَغْیَارَ تَحْتَ اَسْتَارِ نَظَرِ الْجَلَالِ.“

”جب بُری نظر لگ سکتی ہے تو عارفین، اللہ والوں کی نظر کیسی تاثیر والی ہو گی جو کافر کو مؤمن، فاسق کو ولی، جاہل کو عالم، کتّے کو انسان بناتی ہے کیوں کہ یہ حضرات حق تعالیٰ کی نظرِ جمال کے منظورِ نظر ہیں اور اغیار نظرِ جلال کے پردوں کے نیچے محجوب ہیں۔“

اہل اللہ کی صحبتیں جنت کے باغ ہیں

حدیث پاک میں ہے جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو کچھ کھا پی لیا کرو:

”إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا.“

”جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو خوشہ چینی کر لیا کرو۔“

حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أَیْ إِذَا مَرَرْتُمْ بِجَمَاعَۃٍ یَّذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی فَاذْکُرُوا اللّٰہَ أَنْتُمْ أَیْضًا مُوَافَقَۃً لَّہُمْ فَإِنَّہُمْ فِیْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ.“

یعنی جب گزرو تم ایسی جماعت کے ساتھ جو اللہ کا ذکر کرتے ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ ذکر میں مشغول ہو جاؤ تا کہ ان کی موافقت کا شرف حاصل ہو کیوں کہ وہ جنت کے باغوں میں ہیں۔

صحبتِ اہل اللہ کے منکرین علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

وَمِنْ ہُنَا نَہٰی أَبْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی الْمُرِیْدِیْنَ عَنْ مُوَالَاۃِ الْمُنْکِرِیْنَ لِأَنَّ ظُلْمَۃَ الْإِنْکَارِ الْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَحَاکِیْ ظُلْمَۃَ الْکُفْرِ وَ رُبَّمَا تَرَاکَمَتْ فَسَدَّتْ طَرِیْقَ الْإِیْمَانِ، وَمَنْ یَّفْعَلْ ذَالِکَ فَلَیْسَ مِنْ وَّلَا یَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ شَیْءٍ مُعْتَدٍ بِہٖ اِذْ لَیْسَ فِیْہِ نُوْرِیَّۃٌ صَافِیَۃٌ یُنَاسَبُ بِہَا الْحَضْرَۃُ الْاِلٰہِیَّۃُ ”لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ“ کی تفسیر کے بعد من باب الاشارات فی الآیات کے ذیل میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ جو لوگ منکرین ہیں اللہ والوں کے فیوض اور برکات کے، ان کی صحبت میں بیٹھنے سے بھی مشائخ اپنے مریدین کو منع کرتے ہیں کیوں کہ یہ ظلمتِ انکار نہایت شدید ہے کہ بسا اوقات یہ ظلمت تہہ بہ تہہ جمتی ہوئی ورطۂ حیرت میں غرق کر دیتی ہے اور ایمان کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو حق تعالیٰ کی بارگاہِ قرب سے کوئی حصہ معتد بہ نہیں حاصل ہوتا کیوں کہ یہ منکرین اس نورِ صاف سے محروم ہوتے ہیں جس کی قدرِ مشترک سے بارگاہِ حق سے ارواح کو مناسبت حاصل ہوتی ہے۔

صراطِ مستقیم اور اہل اللہ کی رفاقت

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کے بعد صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ سے ضالین تک کی آیات صراطِ مستقیم کی تفسیر اور بیان ہے، اور انعام والوں کی نشاندہی دوسری آیت میں فرمائی گئی کہ وہ منعم علیہم انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ۝

یہ آخری جملہ بھی بتاتا ہے کہ ان حضرات سے حسنِ رفاقت حاصل کرو۔ اگرچہ جملہ خبریہ ہے لیکن ہر جملہ خبریہ میں جملہ انشائیہ بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ بابا فرید عطار رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا تھا کہ

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نہ شد آگاہِ عشق

بدونِ رفیق و راہ بر جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں قدم رکھا تمام عمر گزر گئی مگر عشقِ حق کی حقیقت سے آگاہ ہی نہ ہوئی۔

اس شعر میں لفظ رفیق اسی آیت سے لیا ہے۔ اللہ والوں کے الفاظ الہامی ہوتے ہیں۔

حسنِ رفاقت مطلوب ہے

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا سے ان حضرات کا بہترین رفیق ہونا بیان ہوا لیکن ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ ان کا نفع کامل ان ہی کو حاصل ہو گا جو ان سے دوستی اور رفاقت میں اخلاص اور جمال رکھتے ہیں یعنی حسنِ رفاقت کا تعلق رکھتے ہیں جس کو اتباع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وَاتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہماری طرف متوجہ ہیں، ہمارے درباری ہیں ان کی اتباع کرو۔ معلوم ہوا کہ تعلق صرف محبت کا کافی نہیں، اتباع کا مطلوب ہے۔ حضرت مرشدنا و مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اتباع کی عجیب برکت ہے کہ اصل تو متبوع اور حسنِ رفاقت کے اہل انبیا علیہم السلام ہیں مگر ان کی اتباع کی برکت سے ان ہی کی ذاتِ مقدسہ پر صدیقین اور شہدا و صالحین کو بھی عطف کر دیا گیا ہے۔ اتباع کی شان اور اس کے برکات دیکھو کہ معصومین پر غیر معصومین کو عطف کیا گیا اور پھر پورے مجموعہ کے لیے وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا کا حکم لگایا گیا ہے کہ یہ تمام حضرات بڑے اچھے رفیق ہیں۔ سبحان اللہ! معطوف کا قواعدِ نحو سے ایک ہی حکم ہوتا ہے۔ پس منعم علیہم کا صدق ہر ایک پر الگ الگ ہو سکتا ہے۔ عشق اور محبت اور اتباع کا یہ انعام ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے

ع اب مرا نام بھی آئے گا ترے نام کے ساتھ

منعم علیہم صراطِ مستقیم کے بدل الکل ہیں

تفسیر بیان القرآن میں حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی حاشیہ میں روح المعانی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ صراطِ مستقیم ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے مبدل منہ ہے اور صراط الذین انعمت علیہم بدل الکل ہے اور بدل کی ترکیب میں مقصود بدل ہی ہوتا ہے۔ پس انعام

والوں کا راستہ ہی اصل مقصود ہوا جس پر چلنے کے لیے ان کے ساتھ حسنِ رفاقت کی ضرورت ہے، کیوں کہ حدیث مبارک میں ہے کہ اَلرَّجُلُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ تو ان حضرات سے خُلّت اور دوستی اور محبت کا مطلوب ہونا بھی ثابت ہوا۔

ہمارے حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ایک بزرگ سے کسی عالم نے دریافت کیا کہ صحبتِ اہل اللہ کیوں ضروری ہے؟ کیا کتابیں کافی نہیں؟ تو فرمایا کہ آپ صحابی کیوں نہیں ہیں؟ کہا صحابی کے لیے نبی کی صحبت ضروری ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ تابعی بن جایئے۔ کہا کہ تابعی کے لیے صحابی کی صحبت کی ضرورت ہے۔ فرمایا اچھا تبع تابعی بن جایئے۔ کہا اس کے لیے تو تابعی کی صحبت ضروری ہے۔ پھر ان عالم صاحب نے کہا کہ حضرت! ہم سمجھ گئے، جزاک اللہ کہ

؎ چشم باز کردی مرا باجانِ جاں ہمراز کردی

صحبت کے برکات کی حسّی مثالیں

۱) حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم سے احقر نے عرض کیا کہ دیسی آم کی قلم جب لنگڑے آم سے لگاتے ہیں تو وہ دیسی آم بھی اس کی صحبت کے فیض سے لنگڑا آم بن جاتا ہے۔ اسی طرح دیسی دل اللہ والے دل کی صحبت سے اللہ والا بن جاتا ہے۔ مسکرا کر فرمایا کہ لنگڑا دل اور بگڑا دل جب اللہ والے دل سے پیوند رکھا جاتا ہے تو اس کے برکاتِ صحبت سے وہ بگڑا دل بن جاتا ہے یعنی نہ یہ کہ وہ صرف صالح بن جاتا ہے بلکہ مصلح بھی بن جاتا ہے۔ ۲) دوسری مثال تِل کی ہے۔ تل جب گلاب کی صحبت سے فیض پا کر گلِ روغن بن جاتا ہے تو تل کے تیل کا نام بدل جاتا ہے اور دام بھی بدل جاتا ہے۔ اب اس کو روغنِ گل کہتے ہیں۔ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روغنِ گل روغنِ کنجد نماند آفتابے دید او جامد نماند ترجمہ:۔ تل کا تیل اب روغنِ گل ہو گیا۔ برف نے آفتاب دیکھا وہ پانی ہو گیا اب جامد نہ رہا، اس کو اب برف نہ کہو۔

صحبت کے باوجود نفع نہ ہونے کی وجہ

ہمارے حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صحبت کے ساتھ مجاہدہ بھی ضروری ہے۔ دیکھو تل کو اگر مجاہدہ نہ کرایا جائے اور رگڑ رگڑ کر اس کی بھوسی نہ چھڑائی جاوے تو گلاب کے پھول کی خوشبو اس کے اندر جذب نہ ہو گی۔ پس سالک کو التزامِ ذکر اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اطلاع و اتباع کا تمام مجاہدہ برداشت کرنا ہو گا۔ مجاہدہ سے جذبِ فیض کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جتنا قوی مجاہدہ ہو گا اتنا ہی جذبِ فیض قوی ہو گا۔ اَلْمُشَاہَدَۃُ بِقَدْرِ الْمُجَاہَدَۃِ اور ہوائی جہاز کی مثال دی کہ دیکھو کتنا قوی مجاہدہ ہے؟ جان اور مال دونوں کا مجاہدہ ہے، مگر پھر کتنی جلدی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ تیسری مثال یہ دی کہ جس زمین پر محنت کی جاتی ہے مالی اور باغباں تربیت کرتا ہے، وہاں کیسے کیسے پھول پیدا ہوتے ہیں، اور جس زمین پر محنت نہ کی جاوے کوئی اس کا مربّی اور مالی نہ ہو تو وہاں گندگی اور کانٹے اور غیر مفید گھاس پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دل کی زمین کا حال ہے، جس نے اپنے دل کی زمین کو کسی اللہ والے کے سپرد کر دیا اس کی تربیت کے فیض سے محبتِ الٰہیہ اور خشیتِ الٰہیہ اور تقویٰ کے کیسے کیسے پھول اور خوش نما پودے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں

میں رہتا ہوں دن رات جنت میں گویا
مرے باغِ دل میں وہ گلکاریاں ہیں

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

فرمایا کہ دو عالم ہمارے پاس ہوں، ایک تربیت اور صحبت یافتہ ہو دوسرا صحبت یافتہ نہ ہو، پانچ منٹ میں ہم خود بتادیں گے کہ یہ صحبت یافتہ ہے اور یہ صحبت یافتہ نہیں۔ بدون تربیت یافتہ مولوی کے ہر لفظ میں، آنکھوں کے تیور میں، کندھوں کے نشیب و فراز میں، رفتار میں، گفتار میں کبرِ نفس کے آثار ہوں گے، اور جس نے نفس کو صحبتِ اہل اللہ کے ذریعے مٹایا ہے اس کی ہر بات، ہر ادا میں عبدیت، فنائیت اور تواضع کے آثار ہوں گے۔

حضرت مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت والا احقر سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عَالم بدون اصلاح و تربیت کے نفس کا کُتّا ہوتا ہے، لیکن یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ عابد جب سلوک طے کرتا ہے تو اللہ اللہ کا ذکر کرنے سے صاحب نور ہو جاتا ہے اور عالم جب سلوک طے کرتا ہے تو اللہ اللہ کا ذکر کرتے کرتے نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔ علم کا نور اور ذکر کا نور دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مولانا عبد اللہ صاحب شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے تو حضرت کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سب طلبہ کو جمع کر کے نصیحت کی اور فرمایا کہ 'دیکھو خواہ کتنی بار ختم بخاری شریف کر لو مگر جب تک اللہ والوں کی جوتیاں نہ سیدھی کرو گے اور ان کی صحبت نہ اختیار کرو گے حقیقت اور روحِ علم سے محروم رہو گے'، اور جوش میں فرمایا 'اللہ والوں کی جوتیوں کی خاک کے ذرّات سلاطینِ دنیا کے تاجوں کے موتی سے افضل ہیں'۔

علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''رسالہ قشیریہ'' میں ضرورت صحبتِ اہل اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ مرید پر واجب ہے کہ شیخ سے ادبِ تعلیم و تربیت حاصل کرلے۔ اگر اس کا کوئی شیخ نہیں تو کبھی فلاح نہ پائے گا۔ اس کا راہ بر شیطان ہو گا۔ یعنی اس کے کہنے پر چلے گا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو درخت خود رو ہوتا ہے وہ پتے تو لاتا ہے مگر پھل نہیں لاتا۔ یہی حال اس کا ہوتا ہے جس کا

کوئی شیخ نہیں ہوتا۔ پس رفتہ رفتہ وہ اپنی خواہشِ نفسانی کا غلام بن جائے گا اور اس کو اس غلامی سے کبھی خلاصی نہیں ہو سکتی۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

یہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ اپنی کتاب "مالابد منہ" میں فرماتے ہیں "نورِ باطن صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جُست" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ باطن بزرگوں کے سینوں سے حاصل کرنا چاہیے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

فرمایا: سو برس کی اخلاص والی عبادت سے اہل اللہ کی ایک ساعت کی صحبت کیوں افضل ہے؟ اس لیے کہ اخلاص ملتا ہی ان حضرات کی صحبت کی برکت سے ہے۔ تو سو برس کی عبادت اخلاص والی کہاں سے ملے گی؟ انہی حضرات کی صحبت کی برکت سے تو ملے گی۔

حضرت خواجہ معصوم باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قربِ خاص جس کا نام نسبت ہے، یہ چیز اس عالمِ اسباب میں حضرات صوفیا ہی کے طریق پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ چناں چہ ان بزرگوں نے حق تعالیٰ کی محبت میں نہ اپنے کو دیکھا اور نہ غیر کو بلکہ سب سے یک لخت خالی ہو گئے (اور جس سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے ہیں اور جس سے بغض رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رکھتے ہیں) اور جب تک نسبت مع اللہ قلب میں خوب راسخ نہ ہو جائے مرشد سے دوری اور جدائی اختیار نہ کرے ورنہ نسبت مع اللہ میں کمزوری پیدا ہو جاوے گی اور اس کمزوری کے سبب معصیت اور گناہ کا ارتکاب ہو گا جس سے دل تاریک اور اندھیرا ہو جاوے گا۔

علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی محبت اور صحبت سے بڑھ کر کوئی تدبیر مؤثر نہیں۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اِک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اور اپنے دعویٰ کی دلیل میں علامہ موصوف نے یہ حدیث پیش فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ."

"اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کی محبت کا اور آپ کے عاشقین کی محبت کا اور اس عمل کا جو آپ کی محبت سے قریب کرنے والا ہو۔"

علامہ موصوف نے فرمایا کہ اللہ والوں کی محبت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال سے مقدم فرما کر یہ تعلیم بھی ہم کو فرما دی کہ اعمال کی توفیق اور ہمت اہل اللہ ہی کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

حق تعالیٰ کی عنایات کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو جاوے اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہے۔ بے عنایاتِ حق پر خاصانِ حق کی عنایات کا عطف، عطف تفسیری اور عطف بیانی ہے۔ مولانا نے عنایاتِ حق جو عالمِ غیب سے متعلق غیر محسوس اور غیر مبصر نظری ہے اس پر خاصانِ حق کو عطف فرما کر اس نظری کو بدیہی اور مبصر بنا دیا۔ کیا علوم ہیں! عالمِ غیب کو مولانا نے عالمِ شہادت بنا دیا۔ یعنی جس بندے پر دیکھو کہ اہل اللہ کی عنایاتِ خاصّہ ہیں تو سمجھ لو کہ اس پر عنایاتِ حق مبذول ہیں۔ اور اگر روئے زمین کے تمام اہل اللہ کسی مرد کو مردود کر دیں تو سمجھ لو کہ یہ شخص خطرے میں ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے والد ماجد نے ہم کو تحریر فرمایا کہ "ملّائے خشک وناہموار نہ باشی"۔ یعنی اے بیٹے! خشک مُلّا اور بدون تربیت نہ رہنا۔ شیخ نے اس نصیحت کے بعد باضابطہ تعلق مرشد سے قائم کر کے اپنی تربیت و اصلاح کا اہتمام فرمایا۔

حضرت مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

محدثِ عظیم شارح مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ مرید اپنے شیخ کو کبھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اگرچہ اپنی عبادت کی مقدار زیادہ پائے، اور جو اعتراض کرے گا اپنے شیخ پر کبھی فلاح نہ پائے گا۔ شیخ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ نے یہ تشریح حدیث "کَأَنَّھُمْ تَقَالُّوْہَا" اِلٰی "فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ" کے ذیل میں ارقام فرمائی ہے۔ عبارتِ مذکورہ سے اہل اللہ کی صحبت کے حقوق کا اہتمام ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ رومی رحمۃ اللہ علیہ

خُم کہ از دریا درو را ہے شود
پیشِ او جیحونہا زانو زند

جس مٹکے کو سمندر سے تعلق خفیہ حاصل ہو اس کے سامنے بڑے بڑے دریا شاگرد ہو جاتے ہیں کیوں کہ اس مٹکے کا پانی خشک نہ ہو گا اور دریا خشک ہو سکتے ہیں۔

ارشادِ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اسی حقیقت کو حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ وہ عالم جو اہل اللہ کی صحبت میں تکمیلِ سلوک کر کے صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے اور عالم ظاہر غیر صاحبِ نسبت کے علوم میں فرق کی ایسی مثال ہے جیسے ایک حوض کا پانی ہے جو خشک ہو جاتا ہے اور ایک اس چشمہ کا پانی جس کے اندر نیچے

تک گہرا کھودا گیا اور سَوتا نکل آیا تو اس کا پانی کبھی ختم نہ ہو گا۔ پس یہ دوسری مثال عالم صاحب نسبت کے علم کی مثال ہے اور اوّل مثال عالم ظاہر کے علم کی ہے

قطرۂ علمے کہ دادی تو ز پیش
متصل گرداں بدریا ہائے خویش

يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ اہْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنٰی

اے خدا! آپ نے جو علم کا قطرہ جلال الدین رومی کی جان میں عطا فرمایا ہے اس قطرۂ علم کو اپنے غیر محدود دریائے علم سے متصل فرما دیجیے۔ اے فریاد سننے والے فریاد کرنے والوں کی فریاد کے! مجھ کو ہدایت دیجیے اور ہدایت پر قائم بھی رکھیے۔ ہم کو اپنے علم پر کوئی بھی فخر نہیں اور نہ ہم علم کے سبب آپ کی عنایات سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔یعنی اگر آپ کا کرم شاملِ حال نہ ہو تو علم ہوتے ہوئے بے عملی میں اہلِ علم مبتلا ہو جاتا ہے۔

تربیت اور صحبتِ اہل اللہ کی تفہیم کے لیے دو عجیب مثالیں

آملہ کے دو دانے درخت سے گرے۔ ایک حلوائی نے ایک دانے سے گزارش کی کیا آپ کو مربّہ بنادوں؟ آملہ نے سوال کیا کہ مربّہ کیسے بناتے ہو؟ حلوائی نے کہا کہ ہم آپ کے جسم کو سوئی سے چھچو چھچو کر آپ کے اندر سے کسیلا پانی نکال دیں گے۔ پھر پانی میں جوش دیں گے، یہاں تک کہ آپ کا ذرّہ ذرّہ پک کر نرم ہو جاوے گا۔ پھر شیرہ میں ڈال دیں گے اور آپ کو مرتبان میں سجا کر رکھا جاوے گا اور حکما آپ کو چاندی کے ورق میں لپیٹ کر مریضوں کو کھلائیں گے۔ مفتی اعظم اور وزیر اعظم بھی کھائیں گے۔ جن کا دل کمزور ہو گا دل کی طاقت کے لیے آپ کو تجویز کیا جائے گا۔ آپ مقویٔ قلب ہوں گے۔ یہ سن کر ایک آملہ نے اپنی تربیت سپرد کر دی۔ دوسرے نے ازراہِ تکبر انکار کیا اور کہا یہ مجاہدہ ہم سے برداشت نہ ہو گا۔ تربیت یافتہ آملہ مربۂ آملہ بن کر ایک روپے کا ایک بکے گا اور انسانوں کے دلوں کو طاقت کے لیے عزت سے استعمال ہو گا۔ دوسرا بے تربیت یافتہ سورج کی شعاعوں سے خشک اور سیاہ رو ہو کر جھاڑو سے اکٹھا ہو کر بوروں میں ٹھونس کر بنیوں کے یہاں پھینک دیا جائے گا۔ صورت اور سیرت دونوں مسخ ہوں گی۔ بہت قیمت لگے گی تو گھٹیا دام سے تر پھلا کے نام سے بکے گا اور کسی کو قبض ہو گا یا قبض سے انجراتِ ردیہ اعضائے رئیسہ کی طرف صعود کریں گے تو اس کندۂ ناتراش بے تربیت آملہ کا سفوف کھلا دیا جائے گا اور آنتوں سے پاخانہ دھکیلنے کی خدمت سپرد ہو گی۔ لوگوں کا قبض دفع کرنے کی خدمت مثل جمعدار سپرد کر دی جائے گی۔ یہ ہے استغنا عن اہل الحق اور تکبر کا انجام۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

اسی طرح دوسری مثال بھی عجیب ہے۔ چمن میں صبح صبح نسیم سحری باغوں کی کلیوں کو تھپیڑوں کا مجاہدہ کرا کے ان کی سیل (مہر) توڑ دیتی ہے اور وہ شگفتہ ہو کر اپنی اندرونی خوشبو کی امانت کو اندرونِ چمن اور بیرونِ چمن پھیلا کر خرامانِ چمن کو مست و سرشار کرتی ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اپنے اس شعر میں خوب بیان فرمایا ہے

بوئے گُل سے یہ نسیمِ سحری کہتی ہے
حجرۂ غنچہ میں کیا کرتی ہے آ سیر کو چل

احقر کا بھی اس مضمون پر شعر ہے

غنچہ سہتا ہے چمن میں سختئ بادِ سحر
اس کے دامن میں عطا ہوتی ہے پھولوں کی مہک

اس حقیقت پر احقر کے چند اشعار فارسی میں جو معارفِ مثنوی میں طبع ہوئے ہیں

بوئے خوش از غنچہ کے آمد بروں
تا نہ شد پیشِ نسیمے سرنگوں

کلی سے اچھی خوشبو کب ظاہر ہوئی جب تک بادِ نسیم کے سامنے زانوئے استفادہ نہ رکھا۔

جانِ توچو غنچہ اے طالب بداں
اندرونش دردِ حق دارد نہاں

اے طالب! تیری جان مثل کلی اپنے اندر دردِ حق کی خوشبو پوشیدہ رکھتی ہے۔

چوں بگیری صحبت اہلِ نظر
غنچہ بکشاید نسیم آں سحر

تو جب اہل نظر کی صحبت اختیار کرے گا تو یہ صحبت تیری روح کی کلی کو شگفتہ کر دے گی، اس کی صحبت مثل نسیمِ سحری ہے۔

گر نگیری از تغافل راہ بر
کے شوی از غنچہ تو گلہائے تر

اور اگر غفلت سے کسی راہ بر کو نہ پکڑا تو تیری کلی کیسے گلِ تر ہو گی۔

غنچہ را ایں کرّ و فر در انجمن
ہست از فیض نسیمے در چمن

اے مخاطب! اگر انجمن میں تو کسی کلی کو خلعتِ گل میں آراستہ اس کا کرّوفر مشاہدہ کرتا ہے تو یقین کرلے کہ چمن میں نسیم سحری کا فیض اس کو پہنچا ہے۔

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تہجد کی نماز کے بعد جب خاص قربِ حق کی خوشبو اپنی جان میں محسوس کرتے تھے تو یہ شعر خاص وجہ سے گنگناتے تھے

صحبتِ اہل اللہ سے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات

از: ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ

فرمایا کہ محبتِ حق پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ محبت والوں کے پاس بیٹھنا شروع کر دے

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الحال بصورت طلا شد

فرمایا کہ اصل چیز اصلاح کے لیے صحبت ہے اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو کچھ ملا صحبت ہی سے ملا۔

فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت سے اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر نظر ہونے لگتی ہے، یہ بھی کافی ہے اور مفتاحِ طریق ہے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور محب بننا چاہتے ہو تو اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو، ظاہراً بھی باطناً بھی، اور اللہ اللہ کرو اور کبھی کبھی اللہ والوں کی صحبت میں جایا کرو اور ان کی غیر موجودگی میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔

فرمایا کہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان حضرات نے اپنے کو جتنا مٹایا خدا تعالیٰ نے ان کو اتنا ہی چمکایا۔ تواضع میں جذب و کشش کی خاصیت ہے۔ متواضع کی طرف قلوب کو خود انجذاب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ صحیح تواضع ہو، تصنع اور بناوٹ نہ ہو۔ اہل اللہ کے اندر کشف و کرامت سے زیادہ جو چیز دلکش و دلرُبا ہوتی ہے وہ ان کے تواضع کے واقعات ہیں۔

بے شک تواضع سے وہ رفعت حاصل ہوتی ہے جو تصنع سے کبھی بھی نہیں ہوتی۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلهِ رَفَعَهُ اللهُ!

فرمایا کہ اصلاح کا کوئی منتہیٰ نہیں ہے، اس لیے جب ایسا خیال ہو کہ اب میری اصلاح ہو چکی ہے اور اس پر اطمینان بھی ہو تو یہ غلط ہے۔

فرمایا کہ اللہ والوں کی صحبت سے نفع ہونے کے چار وجوہ ہیں:

۱) ان کی صحبت میں برکت ہے، جو ان کو راضی رکھتا ہے اور جس کی طرف ان کے قلوب متوجہ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر فضل فرما ہی دیتا ہے۔

۲) ان کی مجلس میں ایسے ملفوظات ہوتے ہیں جن سے نفس کے رذائل کا علم ہوتا ہے۔

۳) آنے والوں کے لیے یہ حضرات ان کی اصلاح کی دعائیں کرتے ہیں۔

۴) انسان کی طبیعت میں نقلِ اخلاق و اعمال کا خاصّہ ہے جس کے سبب بزرگوں کے پاس رہنے سے عشقِ حق اور خوفِ خدا ان کے دل سے طالب کے دل میں خود بخود منتقل ہونے لگتا ہے اور ان کے اعمالِ صالحہ کی نقل کی توفیق بھی ہونے لگتی ہے۔

فرمایا کہ شیخ کے پاس رہ کر مشغول رہنے میں اور دور رہ کر مشغول رہنے میں ایسا فرق ہے جیسے مریض ایک تو طبیب کے پاس رہ کر علاج کراوے اور دوسرے محض خط و کتابت کے ذریعے

بادِ نسیم آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زُلفِ یار ہے

حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس خوشبوئے قربِ خاص کو اس طرح بیان فرمایا ہے

بوئے آں دلبر چوں پرّاں می شود
ایں زباں ہا جملہ حیراں می شود

اس محبوبِ حقیقی کی خوشبو اُڑ کر میری روح میں محسوس ہوتی ہے تو اس کی لذت کیف آفریں کے بیان کے لیے مجھے تمام زبانیں قاصر نظر آتی ہیں۔

اور حقیقت ہے کہ لطف غیر محدود کو زبانِ محدود کیسے تعبیر کر سکتی ہے؟ حضرت اصغر گونڈوی استادِ جگر نے بھی اس مقام کو خوب تعبیر کیا ہے

ترے جلوؤں کے آگے ہمتِ شرح و بیاں رکھ دی
زبانِ بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے قبل نفس کی شرارت سے یہ حال تھا

ہے شوق و ضبطِ شوق میں دن رات کشمکش
میں دل کو دل ہے مجھ کو پریشاں کیے ہوئے

پھر فیضانِ صحبت کے بعد کیا حال ہوا؟ خود حضرت خواجہ صاحب نے اپنا یہ حال اس طرح فرمایا ہے

نقشِ بتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق
آنکھوں کو آنکھیں دل کو مرے دل بنادیا
آہ کو سوزِ دل سے کیا نرم آپ نے
نا آشنائے درد کو بسمل بنا دیا
مجذوبؔ در سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

ایک سبق آموز واقعہ

ایک پٹرول کی ٹنکی والا ٹرک کا ڈرائیور پٹرول پمپ سے چند گیلن پٹرول خرید رہا تھا۔ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا دیکھو بیس ہزار گیلن پٹرول اس کی پیٹھ پر ہے، مگر اس کے انجن میں پٹرول نہ ہونے کے سبب یہ ٹرک چل نہیں سکتا اور چند گیلن پٹرول کا استفادہ کر رہا ہے۔ اسی طرح علوم کی کثرت کا حال ہے، جب تک دل میں خشیت اور محبت کا پٹرول نہ ہو اپنے علوم پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ اسی محبت اور خشیت کا پٹرول لینے کے لیے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں گئے تھے۔

علاج کراوے۔ ظاہر ہے کہ نفع میں زمین و آسمان کا فرق ہو گا۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ مولویوں کو کیا ہوا کہ جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ تو خود لکھے پڑھے ہیں۔ وہاں کیا چیز ہے جس کے لیے جاتے ہیں، وہ کون سی بات ہے جو کتابوں میں نہیں ہے؟ فرمایا کہ اس کو ایک مثال سے سمجھو۔ ایک شخص کے پاس تمام مٹھائیوں کی فہرست ہے، مگر اس نے چکھی نہیں۔ ایک وہ شخص ہے کہ نام ایک مٹھائی کا بھی نہیں جانتا، مگر ہاتھ میں سب لیے ہوئے کھا رہا ہے۔ اب بتاؤ کون محتاج ہے کس کا؟

فرمایا گناہوں کی عادت چھوڑنے کے تین گر ہیں:

۱) خود ہمت کرے۔

۲) حق تعالیٰ سے ہمت طلب کرے۔

۳) خاصانِ حق سے ہمت کی دعا کرائے۔

احقر اختر عرض کرتا ہے تیسرے جزو کے متعلق روح المعانی میں ایک عبارت ملی ہے جو اہلِ علم کے لیے قابلِ توجہ ہے۔ صَلِّ عَلَيْهِمْ کی تفسیریوں کی ہے: أَيْ بِإِمْدَادِ الْهِمَّةِ وَ فَيْضَانِ أَنْوَارِ الصُّحْبَةِ، حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کے لیے ہمت کی دعا کا حکم دیا ہے۔ پس خاصانِ خدا کی دعا کا مقام واضح ہو گیا۔

اہل اللہ کی صحبت میں برکت اور ان کی مجلس میں نزولِ رحمت پر تو تجربہ ومشاہدہ تواتر سے ثابت ہے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں رقم طراز ہیں:

”وَفِيْهِ اسْتِحْبَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ حُضُوْرِ الصَّالِحِيْنَ فَإِنَّ عِنْدَ ذِكْرِهِمْ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ فَضْلًا عَنْ وُجُوْدِهِمْ وَحُضُوْرِهِمْ.“

”جب اللہ والوں کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے تو خود ان کی صحبت اور مجلس میں کس قدر رحمت برستی ہو گی!“

صحبت کے اثرات اکبر الٰہ آبادی کے کلام سے

یکے ذی العلم در اسکول روزے
فتاد از جانب پیل بدستم
بد و گفتم کہ کفری یا بلائی
کہ پیشِ اعتقادات تو پستم
بگفتا مسلم مقبول بودم
ولے یک عرصہ با ملحد نشستم
جمالِ نیچری در من اثر کرد
وگرنہ من ہما شیخم کہ ہستم

فیضِ مرشد کا ثبوت (قرآنِ پاک کی روشنی میں)

مشائخ کی تربیت کو مریدین کی تکمیل میں کس قدر دخلِ عظیم ہے اس کے متعلق مسائل السلوک تفسیر بیان القرآن میں ملاحظہ ہو:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ

”اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاؤ۔“

مسائل السلوک:

”اِسْنَادُ الْاِخْرَاجِ إِلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَعَ كَوْنِ الْمُخْرِجِ الْحَقِيْقِيِّ هُوَ اللّٰهُ أَقْوٰى دَلِيْلٍ عَلٰى أَنَّ لِلشَّيْخِ مَدْخَلًا عَظِيْمًا فِيْ تَكْمِيْلِ الْمُرِيْدِ.“

”ظلمات سے نور کی طرف نکالنے والا مخرجِ حقیقی تو صرف اللہ تعالیٰ شانہٗ ہیں لیکن اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی طرف اس اخراج کی نسبت کرنا نہایت قوی دلیل ہے اس بات کی کہ مرید کی تکمیل میں شیخ اور مرشد کو عظیم دخل ہے۔“

(مضمونِ ہٰذا ماخوذ از: ’کشکولِ معرفت‘)

☆☆☆☆☆

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت عثمانؓ کی انگوٹھی پر کیا عبارت نقش تھی؟

حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ انہوں نے پورے صدقِ نیت سے اپنی انگوٹھی پر یہ جملہ نقش کرایا تھا:

”اللّٰهم احيني سعيداً وامتني شهيداً“

”اے اللہ! مجھے سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرما۔“

پھر ابنِ عباسؓ نے فرمایا:

”خدا کی قسم انہیں سعادت کی زندگی بھی ملی، اور شہادت کی موت بھی!“

(مستدرک حاکم، ص ۱۰۶، ج ۳، کتاب معرفۃ الصحابہؓ، حیدر آباد)

جو تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلندی دیتے ہیں!

راغب اصفہانی تواضع کے معنیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تواضع اس مرتبے کے لیے اپنے دل سے راضی ہونے کو کہتے ہیں جو انسان کے استحقاق سے کم ہو۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (سورۃ الشعراء:۲۱۵)

''اور جو مومن تمہارے پیچھے چلیں، ان کے لیے انکساری کے ساتھ اپنی شفقت کا بازو جھکا دو۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اس آیت میں ہر قسم کے حاکم شامل ہیں، لہٰذا ہر حاکم و امیر کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے ماتحت افراد کے ساتھ تواضع اور نرمی کا مظاہرہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'تواضع آدمی کو رفعت بخشتی ہے، لہٰذا تواضع اختیار کرو تاکہ اللہ تمہیں بلند کردیں'۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''صدقہ دینا مال میں کمی نہیں کرتا اور جو شخص کسی کی خطا معاف کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے نیز جو شخص اللہ کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کردیتا ہے۔''

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو ذلت و پستی کو قبول کرتے ہوئے تواضع اختیار کرے۔''

المناویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تواضع یہ نہیں، کہ کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر اور پست کردے یا تواضع اختیار کرنے سے حق دار اپنے حق سے محروم ہوجائے، بلکہ تواضع یہ ہے کہ مومنین کے لیے اپنے کندھوں کو جھکایا جائے اور ان کے ساتھ نرمی اور اچھے اخلاق کا برتاؤ کیا جائے۔''

امارت اور مسئولیت انسان میں غرور اور بڑائی پیدا کرتی ہے، لہٰذا امیر کو چاہیے کہ تواضع و عاجزی اختیار کرے اور اگر امیر اس حالت میں تواضع اختیار کرے، تو حقیقت میں یہی تواضع ہے، تواضع سب سے زیادہ امیر کے لیے لازم ہے، کیونکہ لوگوں کی نظریں اس کی طرف ہوتی ہیں اور اس کے مامورین اسی پر مجتمع رہتے ہیں، اگر امرا مومنین کے ساتھ بد اخلاقی اور سخت برتاؤ رکھیں، تو لوگ ان کے سامنے اپنی حاجات نہیں لے جائیں گے، جس کی وجہ سے مشکلات پیدا ہوں گی اور جب مشکلات پیدا ہو جائیں گی تو اپنے ماتحت افراد کے ساتھ بھی امیر کا گزارا کرنا مشکل ہو جائے گا اور ان کا اتحاد ٹوٹ جائے گا۔

ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تواضع دو قسم کی ہے، ایک اچھی تواضع اور دوسری بری تواضع ہوتی ہے، اچھی تواضع یہ ہے کہ اپنے آپ کو لوگوں سے بہتر نہ سمجھیں اور بری تواضع یہ ہے کہ مال دار شخص کے سامنے صرف اس وجہ سے تواضع اختیار کی جائے تاکہ اس سے دنیا حاصل کرے۔''

تواضع کے فوائد

1. جب امیر اپنی رعیت کے ساتھ تواضع اختیار کرتا ہے، تو رعیت کے دلوں میں امیر کے لیے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔
2. جو شخص تواضع اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔
3. تواضع کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوتی ہے۔
4. تواضع کے ذریعے مال اور عمر میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

تواضع اور سلف صالحین

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کو ایسی حالت میں دیکھا کہ آپؓ نے پانی کا مشکیزہ اپنے کاندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے آپؓ سے کہا 'اے امیر المومنین! آپ کے ساتھ یہ مناسب نہیں لگتا'۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا 'جب میرے پاس لوگوں کے وفود اس حالت کے ساتھ آئے جو سمع و طاعت کرنے والے تھے، تو میرا نفس تھوڑا بڑھ گیا، لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ اس نفس کو دوبارہ توڑوں'۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا 'تم سب افضل ترین عبادت سے غافل ہو اور وہ عبادت تواضع ہے'۔

ایک رات امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ کی مجلس میں لوگ کچھ اہم باتوں کی وجہ سے بیٹھے تھے تو کمرے کا چراغ کمزور پڑ گیا یعنی بجھنے کے قریب ہو گیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اُٹھ کر اس چراغ کو درست کردیا۔ لوگوں میں سے ایک نے کہا 'اے امیر المومنین! کیا ہم اس کام کے لیے

کافی نہیں؟'، یعنی کے ہم اس چراغ کو ٹھیک کر سکتے تھے! آپؒ نے جواب دیا 'مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا جب میں اُٹھا تو عمر بن عبد العزیز تھا اور جب واپس بیٹھا تب بھی عمر بن عبد العزیز تھا'۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں 'جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال، خوبصورتی، اچھا لباس اور علم عطا کیا جاتا ہے اور وہ تواضع اختیار نہ کرے تو قیامت کے دن یہ ساری نعمتیں اس شخص کے لیے بھاری بھرکم بوجھ ثابت ہوں گی'۔

التواضع والخمول کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے تواضع کا معنٰی اس طرح بیان کیا ہے کہ 'تواضع یہ ہے کہ جب تم اپنے گھر سے نکلو اور جس مسلمان سے سامنا ہو جائے تو وہ تمہیں اپنے سے بہتر نظر آئے'۔

حضرت عمر بن قیس فرماتے ہیں، تین چیزیں تواضع کے لیے اہم امور ہیں:

1. پہلا یہ کہ کسی سے سامنا ہو جائے تو اس کو سب سے پہلے سلام کہے۔
2. دوسرا یہ کہ مال دار اور جاہ و جلال والوں کی نسبت غریب لوگوں کے ساتھ بیٹھنے پر راضی ہو
3. اور تیسرا یہ کہ دینی معاملے میں ریا اور تعریف کو ناپسند کرے۔

(وما علینا إلّا البلاغ المبین!)

بقیہ: قبولیتِ جہاد کی شرائط

یہاں سے فساد شروع ہوتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں تک بات جاتی ہے۔ تو یہ سارا فساد ہے۔ اس سارے فساد سے اپنے آپ کو روکنا ہے، تمام اہلِ ایمان سے یکساں محبت رکھنی ہے۔ وہ کسی تنظیم سے، کسی مجموعے سے، کسی محاذ پر کسی بھی نام سے کام کر رہے ہیں...... جب تک شریعت کے مطابق جہاد میں ہیں تب تک تو وہ لائقِ محبت ہیں۔ تب تک وہ ہمارے بھائی ہیں اور اگر ان میں سے کوئی بندہ میرے ساتھ بیٹھے، میرے مجموعے میں موجود میرے امیر سے، میرے مسئول سے بھی زیادہ صالح ہے تو وہ زیادہ لائقِ محبت ہے میرے اپنے مجموعے میں بیٹھے ہوئے فرد سے۔ یہ کوئی پیمانے نہیں ہیں کسی سے محبت کرنے کے کہ یہ میرے مجموعے کا ہے، یہ میری تنظیم کا ہے اور وہ دوسرے کے مجموعے کا ہے اور وہ دوسرے کی تنظیم کا ہے۔ یہ اختلافات توڑتے ہیں امت کو۔ یہ اختلافات توڑتے ہیں مجاہدین کو۔ تو پیارو! ایک دیوار بننا ہے۔ یہ پانچ شرائط ہیں کہ جو شریعت نے بتائی ہیں کہ کسی کو اپنا جہاد قبول کرانا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے ہی دیکھ لے کہ اس میں سے میرے اندر کون سی شرط کو پورا کرنے میں کمی ہے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

دنیا طلبی کا بحران

''اس مغربی تہذیب و اقتدار کے دور میں دنیا طلبی اور شکم پُری کا جو طوفان آیا ہے، اس کے لیے بحران و ہذیان سے کم الفاظ کفایت نہیں کرتے، مال و دولت کی ایک نہ مٹنے والی بھوک اور ایک نہ بجھنے والی پیاس ہے، جس کو جوع البقر کہیے یا استسقا کا مرض، ہر طرف ''ھل من مّزید'' کی صدا بلند ہے، زندگی کی ہَوَس اتنی بڑھ گئی ہے، اور معیار اتنا بلند ہو گیا ہے کہ مسافرِ طمع کو کسی منزل پر قرار اور طائرِ حرص کا کسی بام بلند پر بھی آشیانہ نہیں، دولت اور عزت و جاہ کی کوئی بڑی سی بڑی مقدار اور اونچی سی اونچی سطح تشفی کے لیے کافی نہیں۔

مغربی تہذیب و اقتدار کے اس دور میں درحقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا، نہ کوئی اور ذوقِ لطیف کام کر رہا ہے، بالشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وُسعت گھیر لی ہے، عالم خیال میں کتابیں تصنیف کرنے والے، خوش فکر مصنّفین جو چاہیں لکھیں، عملی زندگی میں اس وقت صرف ایک قوّتِ مُحرّکہ اور ایک زندہ حقیقت پائی جاتی ہے اور وہ پیٹ ہے یا جیب ہے......

......کسی زمانہ کے ذوق اور رُجحانِ عام اور حقیقی مسئلۂ زندگی کا صحیح اندازہ ان کتابوں سے نہیں ہوتا جو اس زمانہ میں تصنیف کی جاتی ہیں (اگرچہ عام ذوق و رجحان کے اثرات سے کتابیں بھی محفوظ نہیں ہوتیں اور وہ کئی کئی پردوں سے بھی جھلکتا ہے) لیکن بعض اوقات یہ مصنّفین اپنے انفرادی ذوق یا قوم کی کسی مختصر جماعت کے رجحان کے نمائندے ہوتے ہیں، اور بعض اوقات واقعات کے بجائے اپنی خواہشات کو واقعات کے طور پر پیش کرتے ہیں، زمانہ کے ذوق اور رجحان کا حقیقی اندازہ روز مرّہ کی زندگی، بے تکلف گفتگو، مجالس کے موضوعِ سُخن اور لوگوں سے ملنے کے بعد ہوتا ہے بقول اکبر مرحوم

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے''

(مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ

اسی طرح چوتھی صفت پھر آتی ہے...... وَيَاسَرَ الشَّرِيكَ......اور اپنے ساتھیوں کے لیے راحت کا باعث بنے، آسانی کا باعث بنے، یسر کا باعث بنے، تو یہ چوتھی شرط ہے اور یہ بلاشبہ میدان جہاد کے داخلے کا سب سے بڑا دروازہ ہے۔ اگر اس شرط کو پورا نہ کیا جائے، ساتھیوں کی راحت کا خیال نہ رکھا جائے...... ہم جس نبی ﷺ کے امتی ہیں وہ اتنی احتیاط سکھاتے ہیں اس مسئلے پر...... یعنی یہ ایک ایسا ادب ہے جس کی کم جگہ پر میں نے پابندی ہوتے ہوئے دیکھی ہے۔ کہ ساتھی سو رہے ہوں تو ان کی نیند کا اتنا خیال رکھنا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت مقداد بن اسودؓ مسلم کی حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ ہم سو رہے تھے رسول اکرم ﷺ نے اپنے گھر میں ٹھہرایا ہوا تھا۔ فاقے کے عالم میں تھے، کسی صحابی کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ کوئی اپنے گھر نہیں لے جا سکا تو رسول اکرم ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ کہتے ہیں کہ اتنی شدید بھوک کے عالم میں تھے کہ بھوک کی شدت سے ہماری دیکھنے اور سننے کی صلاحیت ختم ہو گئی تھی۔ اتنے دنوں سے فاقے کی حالت میں تھے۔ میں اور میرے دو ساتھی تھے، کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آپ کو ایک ایک صحابی کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا کہ کوئی ہمیں کھانے کو دے۔ سب اتنی تنگی میں تھے کہ وہ جو اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے چاہے وہ خود تنگی میں ہوں وہ بھی کچھ نہیں دے سکے ان کو۔ تو بالآخر رسول اکرم ﷺ کے پاس گئے اور رسول اکرم ﷺ کے گھر میں ایک بکری تھی جو دودھ دیا کرتی تھی۔ تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے گھر ٹھہرایا اور بکری کے دودھ کو سب میں برابر روز تقسیم کیا جاتا۔ تو کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب رات کو داخل ہوتے تو یوں سلام کرتے کہ جو سو رہا ہو وہ جاگے نہ اس سلام کی آواز سے اور جو جاگ رہا ہو وہ سن لے۔ یعنی اتنی درمیانی آواز میں سلام ہوتا کہ جو جاگ رہا ہو وہ سن لے اور جو سو رہا ہو اس کی نیند خراب نہ ہو۔

تو یہ چھوٹی سی چیز ہے ناں، کسی کی راحت کا (خیال رکھنا)، یہ کسی کے دل کی نرمی کی، اہلِ ایمان کے لیے محبت و شفقت پر دلالت کرتی ہے کہ میں اتنا حساس ہوں، تکلیف سے ان کو اتنا بچانا چاہتا ہوں کہ ان کی نیند تک خراب نہ ہو اور سلام تک کرتے ہوئے میں اس کا پاس کرتا ہوں۔ تو بھائیو! یہ وہ آسانی کی مطلوبہ سطح ہے کہ اپنے ساتھیوں کے لیے میں اتنا نرم ہوں کہ کوئی سختی، لڑنا، جھگڑنا گالم گلوچ تو بہت دور کی بات ہے...... یہ تو وہ درجہ ہے جو ہونا ہی نہیں چاہیے۔ کبھی یہ توقع ہی نہیں ہونی چاہیے کسی مجاہد سے۔ اس کا اتنا احساس ہو کہ وہ کسی کی نیند تک خراب کرنا گوارا نہ کرے، ان کو کوئی ادنیٰ سی تکلیف دینا، کوئی ایسی بات جو فی نفسہ جائز ہو لیکن ساتھی کو اس سے تکلیف ہوتی ہو تو اس بات سے بھی گریز کریں چاہے وہ فی نفسہ جائز ہو۔

بعض مذاق ایسے ہوتے ہیں جو درست بھی ہوں، لیکن بعض ساتھی حساس ہیں وہ اجتماعی محفل میں ایسے مذاق نہیں برداشت کر سکتے، کیوں نہیں میں اپنی زبان کو روک لیتا؟ کیوں اس کے چہرے کی ناگواری سے تکلیف میرے دل پر نہیں گزرتی؟ اسی طرح سونے کا مسئلہ ہے، میں کیوں اپنے لیے اچھا بستر چنوں اور ساتھیوں کے لیے برا بستر چنوں؟ کھانے کے اندر بھی اپنے لیے اچھی بوٹی دیکھوں اور ساتھیوں کے لیے جو بچا کھچا ہے وہ دیکھوں، تو یہ چھوٹی چھوٹی جگہیں ہوتی ہیں جہاں سے آپس میں محبتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مجاہدین کا مرکز جو ہے وہ پھر وہ مرکز بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ اللہ کو کون سے مجاہد محبوب ہیں؟ اللہ کو وہ مجاہد محبوب ہیں جو اللہ کے رستے میں یوں لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔ تو یہ دیوار آپس کی تنگیوں اور رنجشوں کے ساتھ نہیں بنتی۔ یہ دیوار تو تب بنتی ہے جب دل ایک دوسرے کے لیے اتنے نرم ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ اتنی محبت ہو۔ رباط کے ماحول میں جب یہ والی محبتیں پیدا ہوتی ہیں تو تب ہی یہ ممکن ہے کہ جب عین گولوں کے بیچ میں کچھ ساتھی زخمی ہوں تو آپ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس کو اٹھا کے لے آئیں۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہوتا ہے کہ جب جان دینے کا مرحلہ آئے تو آپ کا سینہ آپ کے ساتھی سے پہلے گولیوں کے سامنے آئے۔

تو پیارے بھائیو! یہ مطلوبہ سطح ہے اگر جہاد مقبول کرانا ہے۔ عند اللہ ساتھیوں کی راحت کا بہانہ ڈھونڈیں۔ ایسے طریقے سوچیں کہ جن سے ساتھیوں کو راحت ملے۔ اور ہمارے سامنے کتنے شہدا ساتھی ایسے گزرے ہیں جو مجسم نمونہ تھے ساتھیوں کے لیے نرمی کا، کہ جو جس مرکز میں ہوتے تھے وہاں کسی کو کپڑے دھونے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ مثلاً عثمان شہیدؒ (برادر مولانا سعید اللہ خان شہیدؒ)...... وہ رات کو کسی وقت اٹھ کر کپڑے دھو کے فارغ بھی ہو جاتا تھا، حتیٰ کہ سردیوں میں بھی۔ صبح ہوتی تو ساتھی حیران ہوتے تھے کہ یہ کیا ہوا کہ سب کے کپڑے دھلے ہوئے لٹک رہے ہیں۔ تو عثمان شہیدؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی مرکز میں ہوتا تو وہاں کھانا پکانے کے لیے بھی اس سے لڑنا پڑتا تھا۔ کپڑے دھونے کے لیے بھی اس سے لڑنا پڑتا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے اس سے ریس لگانی پڑتی تھی اور بالعموم وہ ہی آگے نکلتا تھا۔ تو ایک مرکز میں ایسا ایک بھائی بھی ہو ناں تو سارے مرکز کا ماحول جنت کا ماحول بن جاتا ہے اور اگر ایک بھائی ایسا ہو جو ساتھیوں کی راحت کا خیال نہ کرتا ہوں تو پورے مرکز کا ماحول مکدر ہو جاتا ہے۔ سب کچھ آپس میں (خراب ہو جاتا ہے)، تلخیاں اور رنجشیں دلوں میں آجاتی ہیں اور شیطان کو گھسنے کے موقعے ملتے ہیں۔

پیارے بھائیو! آخری جو شرط ہے......فساد فی الارض...... وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ...... کہ زمین میں فساد سے اجتناب کرے، تو یہ بھی اس میدان کی آزمائشوں میں سے ایک بڑی آزمائش ہے۔ زمین میں فساد سے کیا مراد ہے؟ ہر ایک یہ سوچے گا کہ یار میں تو یہ نہیں کر سکتا۔

مگر آپ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں! جو شخص غیبتیں کرتا ہے، جو شخص مجاہدین کے ذمہ داران کے پیچھے باتیں بناتا ہے، چاہے وہ اس کے مجموعے کا ہو یا کسی اور مجموعے کا ہو۔ جو شخص اپنے مجموعے کو دوسرے مجموعے پر، اپنی ترتیب کو دوسرے کی ترتیب پر، اپنی تنظیم کو دوسری تنظیم پر ترجیح دینے والی باتیں کرتا ہے، آپس میں بیٹھ کر مناظرے کرتے ہیں ان باتوں پر۔ کوئی بھی ایسی بات جو مجاہدین میں تفریق کا باعث بنے، مجاہدین کے دلوں کو ایک دوسرے سے کاٹنے کا ذریعہ بنے، ظاہر ہے یہ بات اللہ کو ناراض کرنے والی اور زمین میں فساد کرنے والی بات ہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جو چھوٹے چھوٹے ساتھیوں سے مرکزوں میں چلنا شروع ہوتی ہیں اور پھر بڑی سطح پر پہنچتے پہنچتے اتنے بڑے مسائل کا سبب بن جاتی ہیں کہ پھر بات قتل و قتال سے پہلے نہیں رکتی۔ تو صرف اگر زبانوں کو لگام ڈالی جائے...... صرف ہم اپنی زبانوں کو لگام دے دیں تو کتنے ہی مسائل، کتنے ہی اختلافات، کتنی ہی مشکلات مجاہدین کے درمیان ختم ہو جائیں اور یہ واقعی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں تبدیل ہو جائیں۔

صرف زبان کا فسادی قسم کا استعمال اس سارے ماحول کو خراب کرتا ہے۔ غیبت پر غیبت اور پھر بہت سی غیبتوں کو مباح سمجھا جاتا ہے۔ علما کی غیبت کو بہت سے ساتھی مباح سمجھتے ہیں اور ان کے حوالے سے بلا تفریق ایک عمومی بات کرتے ہیں، جس میں پورے طبقۂ علما کو رگڑ دیتے ہیں۔ (غور کرنا چاہیے کہ جس عالم پر نقد کر رہے ہیں) کیا یہ وہ عالم ہے کہ جس کے بارے میں ثقہ علما نے کہا ہے کہ یہ عالم سوء ہے یا یہ کوئی بھی عالم ہے؟ تو ایک عمومی طعن تمام طبقے پر کرنا، اور طبقہ بھی وہ جس نے دین سکھایا۔ اور ان کے سکھائے ہوئے دین کے نتیجے میں ہم یہاں بیٹھے ہیں اور آج یہاں جو بھی جہاد شرعی منہج پر چل رہا ہے تو علما کی برکتوں سے ہی چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل کے بعد۔ تو ان کے بارے میں عمومی زبان کھولنا۔ اسی طرح کسی اور تنظیم کے تمام افراد اور ان کی قیادتوں کو مباح سمجھنا کہ وہ تو ہمارے نہیں ہیں، گویا تو وہ کیا اس امت کا جزو نہیں ہیں؟ کیا وہ ہمارے بھائی نہیں ہیں؟ ایک ہی خندق میں ایک ہی محاذ پر ایک ہی دشمن کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کے نہیں لڑ رہے؟ ایک ہی جگہ...... بعض اوقات ایک ہی مراکز میں ہمارا اور ان کا خون نہیں بہا؟۔ تو جو بھی صالح ہو گا ان میں سے ایک ہی جنت میں جائے گا، نعوذ باللہ اور جو بدبخت ہو گا وہ ایک ہی جہنم میں جائے گا۔ تو پھر یہ تفریق کس بنیاد پر؟ پھر کیوں ایسی باتیں کی جائیں جو اللہ کو ناراض کرنے کا باعث بنیں؟ کیوں ہمارے مراکز میں اس بات کو برداشت کیا جائے کہ ہمارے سامنے بیٹھ کے کہ 'یہ اِس مجموعے کا اور وہ اُس مجموعے کا'؟ وہ اُس انصار کے مجموعہ کا ہو یا مقامی مجموعہ ہو یا وہ مہاجر مجموعات ہوں ان کے اوپر باتیں بنائی جا رہی ہوں! اور سب بیٹھ کے اس سے مزے لے رہے ہوں۔ کوئی نہ ہو جو ٹوکتا ہو! کوئی تو ہو جو کہتا ہو کہ یہ فعل حرام ہے، غیبت ہے، کبیرہ گناہوں میں شامل ہے، آخرت برباد کرنے کا ذریعہ ہے! تو کیوں نہیں ہم زبان بند کرتے؟ غیبت بولنا بھی حرام ہے، غیبت سننا بھی حرام ہے۔

تو پیارے بھائیو! اجتناب کرنا فساد سے۔ ہر ایسی بات سے جو تفریق کا، اختلاف کا، جھگڑوں کا...... مجاہدین کے قدم اکھاڑنے کا باعث بنے۔ اسی طرح افواہیں، فساد کا ایک ذریعہ ہیں۔ اسی طرح افواہوں کا گردش کرنا، 'میں نے سنا ہے، میں نے سنا ہے، یہ سنا ہے، وہ سنا ہے......' میں بغیر تحقیق کے اتنی بڑی بڑی باتیں نقل ہو جاتی ہیں، اور اتنے بڑے بڑے لوگوں کے بارے میں جن کی زندگیوں کو جہاد میں بیس بیس سال گزر گئے۔ ان کے بارے میں کسی کے ذہن میں ایک شیطانی بات ہوتی ہے جو نقل ہوتی ہے اور پھر وہ نقل ہوتے ہوتے بھی اتنا اس میں مبالغہ ہو چکا ہوتا ہے کہ اگر وہ پہلے رائی ہوتی ہے تو پہنچتے پہنچتے پہاڑ بن چکا ہوتا ہے۔ تو یہ کیوں نہیں اپنی زبانوں کو روکتے؟ کیوں نہیں تحقیق کرتے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ...... اگر فاسق کوئی خبر لے کے آئے تمہارے پاس اے ایمان والو! تو پہلے تحقیق کر لیا کرو۔ تو فاسق کا کیا مطلب ہے؟ ایک شخص ہے کہ جو جھوٹ بولتا ہے۔ وہ فاسق نہیں ہے؟ چاہے وہ مجاہد بھی ہو، اگر جھوٹ بولتا ہے تو وہ اس پہلو سے فسق میں مبتلا ہے۔ اس کی خبر لینے سے پہلے احتیاط کرنی چاہیے۔ ایک شخص کو مبالغے کا مرض ہے، وہ چھوٹی سی باتوں کو بڑا کر کے پیش کرتا ہے۔ اسی طرح کسی کے بارے میں آپ کو معلوم ہے، معروف ہے پہلے سے کہ اُس کے قبیلے کی اِس کے قبیلے سے نہیں بنتی، پھر کیوں اُس کی گواہی اِس کے بارے میں قبول کرتے ہو؟ کیوں پہلے تحقیق نہیں کر لیتے؟! اللہ نے جو بات کہی کہ جب ایسی خبریں پہنچیں تو قرآن کہتا ہے کہ ......اہلِ علم کی طرف لوٹا دو تاکہ وہ اس میں سے کام کی بات کو اخذ کر لیں۔ ان کا کام ہے کہ ان چیزوں میں ذمہ داران تک بات پہنچائیں، ان کا کام ہے کہ علما تک بات پہنچائیں اگر ایسی خبریں گھوم رہی ہوں۔ اگر کسی کی اصلاح مقصود ہو تو وہ ان تک پہنچائے کہ بھئی یہ تشویش کی ایک بات سنی ہے آپ اس کی تحقیق کر لیں! اس کو مجالس بنانے کا ذریعہ کیوں بنایا جائے؟ کیوں اللہ کی ناراضگی اور اللہ کے غضب کو دعوت دیں ان چیزوں سے؟

ہمارے بیشتر مسائل یہاں سے پھوٹتے ہیں۔ بڑی بڑی جنگوں، بڑے بڑے اختلافات اور بالخصوص سابقہ جہاد کی مثالیں ہیں جو بالآخر قتال پر منتج ہوئیں۔ پیچھے لوٹ کر دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ وہ کسی ایک مرکز میں کسی ایک احمق کی چھوٹی سی بے تکی بات، غیر تحقیق شدہ بات کو آگے چلا دینے سے وہ سارا فساد پھیلا۔ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ جو بات سنتا ہے اس کو آگے نقل کر دیتا ہے۔ تو یہ اتنی بڑی بات ہے، جھوٹ بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ جھوٹا قرار دیا رسول اللہ ﷺ نے اس کو جو بغیر تحقیق کے باتیں نقل کرتا جاتا ہے۔ تو پہلے رکیں تو سہی۔ تھوڑا سا اپنی زبان کو روکیں تو سہی۔ پوچھیں پہلے کسی صاحب علم سے کہ جس کی بات واقعی وزن رکھتی ہے اور کسی صاحب امر سے کہ یہ بات درست بھی ہے کہ نہیں؟ تو بھائیو! فساد میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 16 پر)

اسبابِ سُوءِ خاتمہ

ألحمد لله والصلاة والسلام على سيّدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم!

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا انتقال

عبد اللہ ابن احمد ابن حنبل سے منقول ہے کہ جب ان کے والد کا وقتِ وفات آیا تو وہ اپنے والد کے پاس موجود تھے۔ ان کے والد پر سکرات الموت کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھے۔ یہ وقت ہر انسان کے لیے نہایت مشکل ہوتا ہے۔ جب آپ دنیا میں ساٹھ ستر سال گزارنے کے بعد ایک نئی دنیا کی جانب سفر کا آغاز کرتے ہیں تو ایک انتہائی مشکل تبدیلی کے مرحلے سے گزرتے ہیں۔ جیسے کوئی نومولود بھی جب رحم مادر سے دنیا میں آتا ہے تو تبدیلی اور تکلیف کے انتہائی مشکل اور کٹھن مرحلے سے گزرتا ہے، دو دنیاؤں کے درمیان انتقال کا یہ مرحلہ سب کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے گو کہ تکلیف کی شدت میں فرق ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات انسان فوری طور پر ایک دنیا سے دوسری میں منتقل نہیں ہو پاتا، بلکہ دونوں دنیاؤں کے درمیان لٹکا ہوا، کبھی ایک میں اور کبھی دوسری میں آتا جاتا رہتا ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے نیند کی مثال لیجیے۔ کیونکہ نیند کو موتِ صغریٰ کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (سورۃ الزمر: ۴۲)

''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے۔''

نیند میں آپ دو کیفیات کے مابین ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ نہ آپ سو رہے ہوتے ہیں اور نہ جاگ رہے ہوتے ہیں۔ موت سے پہلے بھی انسان اسی کیفیت سے گزرتا ہے کہ وہ موت اور زندگی کے مابین ایک سرحد پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس پر بعض لمحے ایسے بھی آتے ہیں جب وہ زندوں میں شمار نہیں ہوتا بلکہ اس سرحد کو پار کر کے دوسری طرف چلا جاتا ہے، جبکہ بعض لمحات میں وہ سرحد کے اِس پار، یعنی اس دنیا میں ہوتا ہے۔

عبد اللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو کہتے سنا: ''لا بعد! لا بعد!''......(نہیں! ابھی نہیں...... نہیں! ابھی نہیں......)۔ فطری طور پہ اس امر سے عبد اللہ پریشان ہو گئے۔ آپ تصور کیجیے اگر موت کے وقت آپ کے والد یہ کہنا شروع کر دیں کہ ابھی نہیں! ابھی نہیں! تو آپ اس سے کیا مفہوم اخذ کریں گے؟ یہی کہ نہیں! میں ابھی مرنا نہیں چاہتا!۔ سو جب امام احمد ابن حنبل کو ہوش آیا تو عبد اللہ نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کچھ دیر پہلے یہ کیوں فرما رہے تھے کہ 'نہیں! ابھی نہیں......'؟۔

امام احمد نے جواب دیا: 'شیطان میرے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنی انگلیاں چبا رہا تھا، اور کہہ رہا تھا کہ 'اے احمد! تم میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ اے احمد! تم مجھ سے بچ گئے!''۔ میں اس کو جواب دے رہا تھا کہ 'نہیں ابھی نہیں! یہاں تک کہ موت کا لمحہ آ جائے......!'۔

آپ سچے مومن کو دیکھیے کہ مومن اور شیطان کے مابین جنگ زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان موت کی آغوش میں چلا جائے، وہ شیطان اور اس کے وساوس سے کلی طور پر محفوظ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک شیطان سے برسرِپیکار رہتا ہے۔ وہ کبھی اس جنگ سے تھکتا نہیں، کبھی ہار نہیں مانتا۔ اگر ہم امام احمد بن حنبل کی جگہ پر ہوتے، تو ایسے موقع پر یقیناً تفاخر سے کہتے کہ ہاں! میں نے تمہیں ہرا دیا۔ ہاں! میں تمہارے دامِ فریب سے بچ نکلا۔ لیکن یہ ایک انتہائی خطرناک بات ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا اس لیے ہوتا ہے کیونکہ شیطان یہ بات جانتا ہے کہ یہ اس کے پاس آپ کو بہکانے کا آخری موقع ہے۔ اگر اس نے ان آخری لمحات کا موقع گنوا دیا، تو اس نے آپ کو گنوا دیا۔ پھر آپ اس سے بچ گئے، پھر وہ آپ کو بہکا نہیں سکتا۔ اس لیے شیطان مومن کی زندگی کے آخری لمحات کو خصوصی اہمیت اور توجہ دیتا ہے۔

اب یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ہم ابھی شیطان کے مقابلے پر ہار رہے ہیں جبکہ ابھی جنگ آسان ہے، ابھی تو وہ محض اپنی آدھی توجہ اور نصف صلاحیتیں ہی ہم پر صرف کر رہا ہے......تو زندگی کے آخری لمحات میں کیا حال ہو گا جب وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ ہمارے مقابل آئے گا؟ یہ وہ فتنے ہیں جن سے بچنے کے لیے ہم یہ دعا کرتے ہیں:

''اعوذ بالله من فتنة المحيا والممات.''

اسبابِ سوءِ خاتمہ:

زندگی کا سب سے اہم ترین مرحلہ اس کا اختتام ہے۔ جو شخص جس چیز پر مرے گا، وہ اسی پر زندہ کیا جائے گا۔ اگر آپ دورانِ حج، احرام کی حالت میں، تلبیہ کہتے ہوئے فوت ہو جاتے ہیں تو حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق روزِ قیامت آپ لبّیک اللهم لبيک پکارتے ہوئے اٹھائے

جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'میرے آخری اعمال کو میری زندگی کے بہترین اعمال بنادے'۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ 'تم میں سے ایک شخص اہلِ جنت کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جنت سے محض ایک قدم کے فاصلے پر رہ جاتا ہے۔ مگر پھر آخر میں وہ اہلِ جہنم کے سے اعمال انجام دیتا ہے اور اسی پر وفات پاتا ہے اور پھر انہی میں شمار ہوتا ہے'۔ اور اس کے برعکس، 'ایک شخص ساری زندگی اہلِ جہنم کے سے اعمال کرتا ہے مگر آخر میں اہلِ جنت جیسے اعمال کرنے کے نتیجے میں جنت میں داخل ہو جاتا ہے'۔

برے انجام کے اسباب کیا ہیں؟

۱.) الفساد فی الاعتقاد:

یعنی عقیدے میں ہی کوئی ایسی ٹیڑھ اور خرابی ہونا جو برے انجام کی جانب لے جائے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ آپ ایک کمپیوٹر خریدتے ہیں اور اسے استعمال کرتے ہیں۔ چند ماہ وہ بہت اچھی کارکردگی دکھاتا رہتا ہے۔ پھر آپ اس پر کوئی سخت اور مشکل ایپلیکیشن استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر کمپیوٹر اسے برداشت نہیں کر پاتا اور خراب ہو جاتا ہے۔ اب آپ کو پتہ چلتا ہے کہ کمپیوٹر میں خرابی تو پہلے دن سے تھی، وہ صرف اس لیے آپ کی نظروں سے اوجھل تھی کیونکہ آپ کمپیوٹر کو نرمی سے استعمال کر رہے تھے۔ جونہی ایک مشکل امتحان آیا، تو کمپیوٹر میں موجود خرابی سامنے آگئی اور کمپیوٹر اس امتحان میں ناکام رہا۔ اسی طرح آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ بالکل درست اور بہت مضبوط ہے۔ اس میں کوئی کمی اور خرابی نہیں ہے۔ ہاں...... دل کے کسی کونے کھدرے میں چند شکوک و شبہات ہیں اللہ کے بارے میں، یا مثلاً انبیاؑ کے بارے میں...... مگر مجموعی طور پر عقیدہ بہت اچھا ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے، موت آتی ہے اور شیطان امتحان بن کر آ جاتا ہے۔ اب عقیدے میں جو چھپا ہوا مسئلہ تھا وہ سامنے آ جاتا ہے۔ جیسے ہی آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے عقیدے میں کہیں یہ مسئلہ ہے، آپ کیا کرتے ہیں کہ اپنا پورا عقیدہ ہی لپیٹ کر سائڈ پر رکھ دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر یہ ایک خرابی سامنے آئی ہے تو یقیناً پورا عقیدہ ہی فاسد ہے۔ آپ سب سے بری ہو جاتے ہیں اور یوں پوری جنگ ہار جاتے ہیں۔ اپنے آخری لمحات میں اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔

اسی لیے ابن قیمؒ فرماتے ہیں: 'ہمیں اللہ کی رحمت پر یقین ہے کہ اگر کوئی شخص حقیقت و واقعہ میں صالح ہو، تو اللہ اسے گمراہ نہیں کرتا'۔ یعنی گمراہ کون ہوتا ہے؟ جس کے اپنے اندر کچھ خرابی ہوتی ہو چاہے وہ ظاہر میں نظر نہ آتی ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا○الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا○(سورۃ الکہف:۱۰۳،۱۰۴)

''کہہ دو کہ: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔''

سب سے زیادہ خسارہ پانے والے وہ ہیں جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم ٹھیک ہیں، ہم درست اعمال کر رہے ہیں، مگر در حقیقت وہ غلط تھے۔ مثال کے طور پر آپ کو ایک ایسا شخص ملتا ہے جو بہت سے نیکی کے کام کرتا ہے، مگر وہ اس طریقے سے نہیں کرتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ تو اس کے تمام اعمال ضائع ہوئے اور اس میں سے کچھ بھی قبول نہ ہوا۔

۲.) العدول عن الاستقامۃ:

العدول عن الاستقامۃ، یعنی سیدھی راہ سے ہٹنا۔ ایک شخص سیدھی راہ پر چلتے چلتے ذرا سا رخ بدلنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ وہ سیدھی راہ سے محض چند قدم ہی دور جاتا ہے، مگر یہاں سے اس کا سفر ایک دوسرے رخ پر شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا جاتا ہے، سیدھی راہ اور اس کی اختیار کردہ راہ میں فاصلہ بڑھتا جاتا ہے۔ شیطانِ لعین ابلیس صالحین میں سے تھا۔ اس نے اپنے اندر موجود ایک بڑے مسئلے (کبر) کی وجہ سے ایک چھوٹی سی غلطی کی، اور وہ مخلوقات میں سے سب سے برا بن گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ○(سورۃ الاعراف:۱۷۵،۱۷۶)

''اور (اے رسول) ان کو اس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں مگر وہ ان کو بالکل چھوڑ نکلا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اسے سربلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا، اس لیے اس کی مثال اس کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ زبان لٹکا کر ہانپے گا، اور اگر اسے (اس کے حال پر) چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا کر ہانپے گا۔ یہ ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ لہٰذا تم یہ واقعات ان کو سناتے رہو، تاکہ یہ کچھ سوچیں۔''

ایک شخص نے اللہ کی آیات اور نشانیاں پائیں، مگر اس کے باوجود اس نے اپنی خواہشِ نفس کو مقدم ٹھہرایا اور اللہ کی آیات سے خود کو دور کر لیا۔ علم رکھتے ہوئے بھی وہ اس لیے گمراہ ہو گیا کیونکہ اس نے دنیا سے اپنی محبت کے سبب اپنی خواہشات کا راستہ اپنانے کا فیصلہ کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: 'مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف اس چیز کا ہے کہ ایک شخص قرآن مجید سیکھتا ہے یہاں تک کہ قرآن کا نور اس کے چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے، اور پھر وہ اپنے آپ کو اللہ کی آیات سے علیحدہ کر لیتا ہے، پھر وہ اپنے ہمسائے پر تلوار تان لیتا ہے اور اس پر شرک کا الزام لگاتا ہے'۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے سوال کیا: 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان دونوں میں سے مشرک کون ہے؟ الزام لگانے والا یا ملزم؟'۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'الزام لگانے والا'۔

اسی کی ایک اور مثال لیجیے۔ بنی اسرائیل کی مشہور کہانی ہے کہ ان میں ایک مشہور عابد گزرا ہے جس کا نام برصیصہ تھا۔ وہ ہر وقت اپنی عبادت گاہ میں رہتا اور وہاں عبادت میں مشغول رہتا۔ بنی اسرائیل میں تین بھائی تھے جنہیں جنگ کے لیے جانا تھا۔ ان کی ایک بہن بھی تھی اور انہیں یہ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ اپنی بہن کو کس کے حوالے کر کے جائیں۔ وہ اسے تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔ آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کی بہن کے لیے سب سے محفوظ جگہ برصیصہ کی تحویل میں دینا ہے، کیونکہ وہ ایسا متقی و پرہیز گار اور امین ہے کہ وہ اپنی بہن کے معاملے میں اس پر اعتماد کر سکتے ہیں۔

لہٰذا تینوں بھائی اس عابد کے پاس گئے اور اسے پوری صورتحال بتا کر اس سے گزارش کی کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی بہن کا خیال رکھے۔ برصیصہ نے انہیں جواب دیا: 'میں تم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں'، اور ان کی بہن کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا۔ وہ تینوں بھائی مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ جب وہ چلے گئے تو شیطان برصیصہ کے پاس آیا اور اسے خوب لعنت ملامت کی اور کہا کہ 'تم اس بیچاری عورت کو کس کے آسرے پر چھوڑتے ہو؟ اگر تم اس کو اپنی پناہ میں نہیں لیتے تو اس کے بھائی یقیناً کسی دوسرے شخص کو اس پر نگران مقرر کر کے چلے جائیں گے۔ یہ شخص برا بھی ہو سکتا ہے، اور پھر وہ ان بھائیوں کی غیر موجودگی میں بہن کے ساتھ کیا سلوک کرے گا تم جانتے ہو۔ کیا اس کی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوتی؟ کیا کسی بے کس و مسکین کا خیال رکھنا نیکی نہیں؟ تم کیسے خیر کے اس کام کو ہاتھ سے جانے دے سکتے ہو؟'۔ یوں شیطان نے اسے نیکی اور خیر کے کام کے لیے ابھارا اور برصیصہ نے ان تینوں بھائیوں کو واپس بلوایا اور ان کی بہن کا خیال رکھنے کی حامی بھر لی بشرطیکہ وہ اس کی عبادت گاہ سے ذرا فاصلے پر بنے ایک گھر میں رہے اور برصیصہ خود اپنی عبادت گاہ میں ہی مقیم رہے گا۔

سو وہ تینوں بھائی اپنی بہن کو برصیصہ کے حوالے کر کے چلے گئے۔ برصیصہ روزانہ خاتون کے لیے کھانا اپنی عبادت گاہ کے باہر رکھ دیتا اور وہ خاتون آتی اور کھانا لے جاتی۔ وہ اس خاتون کو دیکھنا بھی نہ چاہتا تھا۔ چند دن یونہی گزرے اور پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اسے کہنے لگا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ جب وہ خاتون اپنے کمرے سے نکل کر یہاں تمہاری عبادت گاہ تک آتی ہو گی تو لوگ اسے دیکھتے ہوں گے؟ تمہیں چاہیے کہ تم اس کی دہلیز تک کھانا پہنچا کر آؤ!۔ برصیصہ نے اس بات پر غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ بات درست ہے، اور اس نے کھانا لے جا کر خاتون کے دروازے کے باہر رکھنا شروع کر دیا۔ یاد رہے کہ شیطان یہ سب باتیں برصیصہ سے آمنے سامنے نہیں کرتا تھا، یہ تو محض وساوس ہوتے تھے جو شیطان کان میں پھونک جاتا تھا۔

چند روز اسی طرح گزرے۔ پھر ایک روز شیطان دوبارہ اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کھانا اٹھانے کے لیے خاتون کو بہر حال کمرے سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ یوں وہ لوگوں کی نظروں میں آ سکتی ہے۔ تمہیں چاہیے کہ تم کھانا کمرے کے اندر پہنچایا کرو۔ یوں برصیصہ نے کھانا کمرے کے اندر پہنچانا شروع کر دیا۔ کچھ وقت اسی طرح گزر گیا۔ دوسری جانب تینوں بھائیوں کو واپسی میں تاخیر ہو گئی۔ وہ جس جنگ میں شریک تھے وہ طویل ہو گئی تھی۔ سو شیطان ایک بار پھر برصیصہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: 'کیا تم اس بیچاری خاتون کو یونہی اکیلا چھوڑ دو گے؟ اس کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں۔ وہ اتنے عرصے سے اس کمرے میں ایسے رہ رہی ہے جیسے کوئی قیدی قید میں رہتا ہے۔ اس کے پاس بات کرنے کے لیے کوئی نہیں۔ کیا تم اتنی سی نیکی بھی نہیں کر سکتے کہ اس سے چند جملے تسلّی کے کہہ دو؟ اس سے کچھ بات چیت کر لیا کرو؟ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تنہائی سے تنگ آ کر وہ باہر نکل جائے اور کسی دوسرے شخص سے باتیں کرے اور یوں کسی سے تعلق بنائے'۔ یوں برصیصہ نے خاتون سے کچھ کچھ بات کرنا شروع کی۔ وہ کمرے کے باہر سے ہی بلند آواز میں بات کرتا اور خاتون کمرے کے اندر سے اسے جواب دے دیتی۔ مگر یوں انہیں ایک دوسرے کی بات سننے اور جواب دینے میں شدید دشواری پیش آتی اور بعض اوقات بات کرنے کی خاطر بہت اونچا اونچا بولنا پڑتا۔ اب شیطان نے اسے سمجھایا کہ تم ایک دوسرے کے لیے کچھ آسانی کیوں نہیں پیدا کرتے؟ ایک دوسرے سے چلّا چلّا کر بات کرنے کے بجائے تم بھی اندر جا کر بیٹھ جاؤ اور ذرا سی بات کر کے لوٹ آؤ۔ یوں برصیصہ نے خاتون کے ساتھ کمرے میں جا کر بات کرنا شروع کر دی۔

آہستہ آہستہ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا شروع کر دیا۔ اور وہ ایک دوسرے کے قریب تر ہوتے گئے یہاں تک کہ انجام یہ ہوا کہ اتنے بڑے عابد نے زنا کا ارتکاب کر لیا۔

خاتون کو حمل ٹھہر گیا اور آخر اس نے ایک بچے کو جنم دیا۔ اب شیطان برصیصہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: 'یہ تم نے کیا کر دیا؟! کیا تم جانتے نہیں کہ جب وہ تینوں بھائی واپس آئیں گے تو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ وہ تمہیں قتل کر دیں گے! اگر تم یہ بھی کہہ دو کہ یہ تمہارا بچہ نہیں ہے تو بھی وہ کہیں گے کہ ہم اپنی بہن تمہارے سپرد کر کے گئے تھے اور تم ہی اس کے ذمہ دار ہو! اب تمہارے پاس ایک ہی حل ہے، اور وہ یہ کہ تم بچے کو قتل کر دو اور کہیں دفنا دو!'۔ برصیصہ نے شیطان کی یہ بات بھی مان لی، بچے کا سر علیحدہ کر دیا اور اسے زمین میں دفنا دیا۔ اب شیطان اس کے پاس اگلا خیال لے کر آیا اور کہنے لگا، 'تمہارا کیا خیال ہے کہ جس ماں کا بچہ تم نے مار دیا ہے، وہ ماں تمہارے راز کی حفاظت کرے گی اور خاموش رہے گی؟ اگر تم یہ سمجھتے ہو تو تم سے بڑا احمق کوئی نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم ماں کو بھی قتل کر دو'۔ برصیصہ نے اسے بھی قتل کر دیا اور ماں اور بچے دونوں کو اسی کمرے میں دفن کر دیا۔

کچھ عرصے بعد تینوں بھائیوں کی واپسی ہوئی تو وہ اپنی بہن کا پتہ کرنے اس کے پاس آئے۔ انہوں نے اپنی بہن کا پوچھا تو برصیصہ نے انہیں جواب دیا:'تمہاری بہن بیمار ہو گئی اور اسی مرض میں وہ فوت ہو گئی۔ انّاللہ وانّاالیہ راجعون۔ اسے میں نے فلاں جگہ دفنا دیا ہے'، اور اس نے انہیں ایک دوسری جگہ پر ایک فرضی قبر دکھا دی۔ بھائی بہت افسردہ ہوئے، انہوں نے اپنی بہن کے لیے دعا کی اور رخصت ہو گئے۔

اس رات ایک بھائی نے ایک خواب دیکھا۔ اس نے خواب میں شیطان کو دیکھا جو اسے کہہ رہا تھا 'کیا تم نے برصیصہ کی کہانی پر یقین کر لیا؟! یقیناً تم سے زیادہ بیوقوف کوئی نہیں۔ وہ جھوٹ کہتا ہے! اس نے تمہاری بہن سے زنا کیا اور پھر اسے اور اس کے بچے کو قتل کر دیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمہاری بہن اس جگہ دفن نہیں ہے جہاں وہ کہتا ہے۔ بلکہ اس نے اسے اس کے کمرے کے اندر قتل کیا اور اس کی قبر وہیں پتھر کے نیچے ہے'۔ جب اس بھائی کی آنکھ کھلی تو اس نے باقی دونوں بھائیوں کو اپنا خواب سنایا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے بھی یہی خواب دیکھا ہے، سو یقیناً اس میں کچھ سچائی ہو گی۔ لہٰذا وہ تینوں اس فرضی قبر پر گئے اور اسے کھودنا شروع کر دیا۔ جب وہاں کچھ نہ ملا تو وہ تینوں اپنی بہن کے کمرے میں گئے اور شیطان کی بتلائی ہوئی جگہ پر کھدائی کی۔ جب انہوں نے زمین کھودی تو انہیں اپنی بہن ایک بچے کے ساتھ دفنائی ہوئی ملی۔

اب انہوں نے برصیصہ کو پکڑ لیا اور کہا 'اے جھوٹے اور کذّاب! یہ ہیں تمہارے کرتوت!'، اور وہ اسے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ جب وہ اسے لے جا رہے تھے تو ایک بار پھر شیطان برصیصہ کے پاس آیا۔ اب شیطان کسی وسوسے یا الہام کی صورت میں نہیں آیا، بلکہ انسانی شکل میں برصیصہ کے سامنے آیا اور کہنے لگا: 'اے برصیصہ! کیا تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں شیطان ہوں، تمہاری یہ ساری مشکل میری پیدا کی ہوئی ہے اور اب ایک میں ہی ہوں جو تمہیں اس مشکل سے نکال سکتا ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بچا لوں، تو میں تمہیں بچا سکتا ہوں!'۔ برصیصہ نے کہا 'خدارا مجھے بچا لو!'۔ شیطان نے مطالبہ کیا: 'پہلے تم مجھے سجدہ کرو!'، اور برصیصہ نے اس کی یہ بات بھی مان لی! برصیصہ نے اسے سجدہ کر دیا۔ آپ جانتے ہیں شیطان نے کیا کہا؟ اس نے کہا: 'آپ کا بہت شکریہ! آپ سے مل کر خوشی ہوئی!'۔ اور اس کے بعد اسے دوبارہ کبھی برصیصہ کو دیکھنے کی ضرورت نہ پڑی۔

آپ نے دیکھا کہ شیطان نے برصیصہ کے ساتھ کون سی پالیسی اپنائی؟ وہ اسے قدم بہ قدم لے کر چلا۔ اگر شیطان پہلے دن ہی برصیصہ سے مطالبہ کرتا کہ مجھے سجدہ کرو، تو کیا برصیصہ اسے سجدہ کرتا؟ نہیں، وہ کبھی بھی اسے سجدہ نہ کرتا۔ لیکن شیطان اسے چھوٹے چھوٹے، بظاہر بے ضرر بلکہ نیکی اور خیر کے کام نظر آنے والے اعمال کی صورت میں سیدھی راہ سے ہٹاتا چلا گیا یہاں تک برصیصہ اس سے اتنا دور ہو گیا کہ واپسی کی کوئی راہ بچی ہی نہیں۔

برصیصہ نے شیطان کو سجدہ کیا اور یہ عمل اس کی زندگی کا آخری عمل ثابت ہوا۔ کیونکہ اس سے کچھ دیر بعد ہی بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔ مگر سیدھی راہ پر چلنے والے ایک عابد کا یہ انجام ہوا کہ زندگی کا آخری عمل شیطان کے لیے سجدہ کرنا تھا۔ اس نے مصلحت کے نام پر سیدھی راہ سے ایک چھوٹا سے قدم ہٹایا تھا۔ اور بڑھتے بڑھتے وہ چھوٹا سا قدم اسے کہاں لے گیا اور کس انجام سے دوچار کیا۔ اپنی خواہشات کا اتباع کرنے میں یہ نقصان اور خطرہ ہے۔ بعض اوقات ہم اپنے قرآن کے علم یا وہ عبادت جو ہم کرتے ہیں، اس کی بنیاد پر بہت پُر اعتماد ہوتے ہیں کہ شیطان ہمیں نہیں بہکا سکتا۔ لیکن ہمیں ہمیشہ تیار اور چوکس رہنا چاہیے، اور یہی اصل علم ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورۃ الفاطر:۲۸)

"اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔"

جو عالم خشیت کا حامل نہیں، وہ جتنا بھی صاحبِ علم کیوں نہ ہو، لیکن اس کا علم رٹے ہوئے الفاظ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ ۲۷۰ھ میں ایک شخص گزرا ہے جو ابن عبد الرحیم کے نام سے معروف تھا۔ وہ رومی سلطنت کے خلاف جہاد کرنے والے لشکروں میں شامل تھا۔ انہی جنگوں کے دوران ایک روز مسلمان لشکر نے رومیوں کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ محاصرہ کے دوران اچانک اس کی نظر قلعے میں موجود ایک رومی عورت پر پڑی اور وہ اس کے لیے فتنہ بن گئی۔ اس شخص نے اس عورت سے کسی طرح رابطہ استوار کیا اور اس سے پوچھا کہ وہ قلعے میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ اس عورت نے جواب دیا کہ اگر عیسائیت قبول کر لو تو میں تمہیں اندر آنے کا راستہ دکھا دوں گی۔ اس نے اس عورت کی خاطر اسلام کو خیر باد کہا اور عیسائیت قبول کر لی۔ اگلے روز، اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ کل تک جو شخص ان کے شانہ بشانہ رومیوں سے لڑتا تھا، آج وہ ان کے مقابل کھڑا ہے اور رومیوں کی صف میں شامل ہے۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں بہت بددلی پھیلی۔ ابن عبد الرحیم نے ان کے ساتھ ایک لمبا وقت گزارا تھا، وہ قرآن کے ایک بڑے حصّے کا حافظ تھا، بہت سا علم اس کے سینے میں محفوظ تھا، اور یکایک وہ اپنا دین ترک کر کے ایک عورت کی خاطر عیسائی ہو گیا تھا۔

اس واقعہ کے دس سال بعد بعض مسلمان جو ابن عبد الرحیم سے واقف تھے، اس علاقے سے گزرے۔ جب انہوں نے اس کو دیکھا تو اسے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ مگر اس نے یہ عذر پیش کیا کہ اب وہ شادی شدہ اور بال بچوں والا تھا، اپنے گھر اور کاروبار کو چھوڑ کر وہ ان کے ساتھ نہیں جا سکتا تھا۔ اس پر ان مسلمانوں نے اس سے پوچھا کہ 'تمہارے جہاد کا کیا ہوا؟ تمہارے علم کا کیا بنا؟ تم جو قرآن کی آیات جانتے تھے، ان کا کیا ہوا؟'۔ اس نے جواب دیا کہ وہ اپنا سارا علم بھلا چکا تھا۔ وہ جتنا قرآن جانتا تھا، وہ سب آیات بھول چکا تھا، سوائے ایک آیت کے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ (سورۃ الحجر:۲،۳)

"ایک وقت آئے گا جب یہ کافر لوگ بڑی تمنائیں کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ (اے پیغمبر) انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو کہ یہ خوب کھا

لیں، مزے اڑالیں، اور خیالی امیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں، کیونکہ
عنقریب انہیں پتہ چلا جائے گا (کہ حقیقت کیا تھی)۔"

جب آپ سیدھے راستے کو چھوڑ کر کسی ٹیڑھے راستے پر قدم بڑھاتے ہیں، تو یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ شخص بہت صاحبِ علم تھا، مگر اس نے خود کو سیدھے راستے سے جوڑ کر نہ رکھا۔ ایک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی بہترین نصیحت کرنے کی فرمائش کی کہ جو ان کے لیے ہر معاملے میں کافی ہو جائے اور انہیں کسی اور سے کچھ پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ' قل آمنت باللہ ثم استقم '۔ یعنی محض ایمان لانا، یہ کہہ دینا کہ میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں کافی نہیں، اس کے بعد اس پر جمنا، اس پر استقامت اختیار کرنا ضروری ہے۔ ایمان کا زبان سے اقرار کرنا تو آسان ہے، مگر اصل امتحان تو یہ ہے کہ کیا ایمان لانے کے بعد سیدھے راستے پر استقامت سے چلتے بھی رہو گے؟ اصل امتحان تو یہ ہے اور یہیں اکثر لوگ ناکام ہو جاتے ہیں۔ وہ صراطِ مستقیم پر سفر کا آغاز تو کرتے ہیں، مگر پھر اس دنیا کی تبدیلی کی ہوائیں انہیں کبھی دائیں اڑالے جاتی ہے تو کبھی بائیں۔

۳) الاصرار علی المعاصی:

الاصرار علی المعاصی یعنی گناہوں پر اصرار کرنا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹا سا گناہ ایک بڑے گناہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، اگر اس سے توبہ نہ کی جائے اور اسے بار بار دہرایا جائے۔ گناہ پر اصرار کرنے سے، یعنی اسے ترک نہ کرنے اور اس پر مداومت اختیار کرنے سے چھوٹا گناہ بھی کبیرہ گناہ بن جاتا ہے۔ ذہبیؒ اپنی کتاب 'الکبائر' میں سوء خاتمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک شخص کا ذکر کرتے ہیں جو تمام زندگی شطرنج کا شوقین رہا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو لوگ اسے کلمہ پڑھنے کی تلقین کرتے رہے، مگر اس کی زبان پر لا الہ کا کلمہ جاری نہ ہوا، اور وہ 'شاہ مات! شاہ مات!' کہتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اسی طرح ذہبی ایک دوسرے شخص کا تذکرہ کرتے ہیں جو مرتے وقت بار بار شراب کے جام کا مطالبہ کرتا تھا۔ وہ شراب کا عادی تھا، لہٰذا مرتے ہوئے بھی یہ گناہ اس سے چھوٹ نہ سکا۔ اسی طرح ایک اور شخص تھا جو منشی تھا، اور وہ بس 'دس، گیارہ، بارہ......' کی گنتی کرتا جاتا یہاں تک کہ موت نے اسے آلیا۔

ابن قیمؒ ایک شخص کا قصّہ بیان کرتے ہیں کہ جسے مرتے وقت لا الٰہ پڑھنے کی تلقین کی گئی، مگر اس نے جواب دیا کہ وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتا۔ وہ تمام باتیں آرام سے کر سکتا تھا، اس کی زبان بالکل صحیح سالم تھی، لیکن اللہ نے اسے لا الٰہ الا اللہ کی توفیق نہیں دی تھی۔

آپ اس نقطے کو اس طرح سمجھیے کہ ہر روز جب آپ سونے کے لیے لیٹتے ہیں، تو آپ اپنے خوابوں میں کیا دیکھتے ہیں؟ یقیناً وہ ان چیزوں پر مبنی ہوں گے جن کے بارے میں آپ دن بھر سوچتے رہے یا جو آپ کے ذہن میں رہیں۔ اگر آپ کسی خاص چیز کے بارے میں سارا دن سوچتے رہیں، تو قوی امکان ہے کہ رات کو آپ اسی کے حوالے سے خواب بھی دیکھیں گے۔ یہ جانچنے کا کہ آپ کے ذہن میں سرِفہرست کیا چیز یا بات ہے، ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس بات پر غور کریں کہ صبح اٹھتے ہی آپ کو سب سے پہلے کس چیز کا خیال آتا ہے؟

موت نیند کی مانند ہے۔ نیند کو موتِ صغریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ جب انسان نیند کی حالت سے بیداری کی حالت میں آتا ہے، تو دو حالتوں کی یہ تبدیلی سکرات الموت کی مانند ہے۔ اسی لیے ساری زندگی جو عادات، مشاغل اور فکریں آپ کے ذہن پر سوار رہیں، وہ سکرات الموت کے وقت، زندگی کے آخری لمحات میں ظاہر ہوتی ہیں۔

ہم ہمیشہ اسی مغالطے میں رہتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق گزار سکتے ہیں، اور جتنے چاہیں گناہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ پھر موت سے پانچ منٹ پہلے ہم آرام سے کلمہ پڑھیں گے، توحید و رسالت کی گواہی دیں گے اور جنت کا پروانہ حاصل کر لیں گے۔ مگر یہ سب اس قدر آسان نہیں ہے۔ یہ تصور در حقیقت اللہ کو دھوکہ دینے کی سازش ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ وہ ہمیں اپنی زندگی کی ہر رات اور دن عبادت کا حکم دیتے ہیں، جبکہ ہم یہ نیت اور ارادہ کرتے ہیں کہ ہم زندگی کے آخری لمحات تک اللہ کی عبادت نہ کریں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کو اس حیلے سے دھوکہ دے لیں گے اور مرنے سے پہلے توبہ کر لیں گے۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ○ (سورۃ آلِ عمران: ۵۴)

"اور ان کافروں نے تدبیر کی، اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر
تدبیر کرنے والا ہے۔"

ایک عالم کہتے ہیں کہ وہ ایک شخص کی عیادت کرنے گئے جبکہ اس کی موت کا وقت آ چکا تھا۔ جب وہ اس کے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ گھر کے تمام افراد ٹیپ ریکارڈر پر اونچی آواز میں لگائے گئے عرب موسیقار امّ کلثوم کے گانوں اور موسیقی کو سن رہے ہیں۔ اس پر ان عالم نے انہیں ملامت کی اور کہا کہ اللہ سے ڈرو! یہ شخص مر رہا ہے اور تم سب گانے سن رہے ہو؟۔ لہٰذا گھر والوں نے موسیقی بند کر دی اور اس کی جگہ قرآن مجید کی تلاوت لگا دی۔ جب مرنے والے بوڑھے آدمی نے تلاوت کی آواز سنی تو اس نے کہا: 'اسے بند کر دو اور امّ کلثوم کو دوبارہ لگا دو کیونکہ اس سے میرے دل کو سکون ملتا ہے!'۔ اور کچھ دیر بعد وہ مر گیا!

'من شبّ علی شئ، شاب علیہ'۔ جب آپ اپنی پوری زندگی کسی فعل پر گزارتے ہیں، تو آپ کو موت بھی اسی فعل پر نصیب ہوتی ہے۔

یہ کبھی مت سمجھیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے لیں گے۔ اللہ (کے غضب اور سزا) سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ دل میں اللہ کی خشیت پیدا کی جائے۔ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو خود کو اللہ کے غضب اور سزا سے محفوظ اور مامون تصور کرتے ہیں۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ○ (سورۃ الاعراف: ۹۹)

”بھلا کیا یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل (کے انجام) سے بے فکر ہو چکے ہیں؟
(اگر ایسا ہے) تو (یہ یاد رکھیں کہ) اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے وہی لوگ
بے فکر ہو بیٹھتے ہیں جو آخر کار نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں۔“

ایک مسلمان کے کردار کے لیے خشیت بنیادی وصف ہے، مسلمان ہونے کے لیے دل میں اللہ کاخوف ہونا ضروری ہے۔

۴) **ضعف الایمان:**

ضعف الایمان یعنی ایمان کی کمزوری۔ اموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے ایک بار مکّہ و مدینہ کا دورہ کیا۔ وہ لوگوں سے پوچھتا کہ کیا یہاں کوئی ایسا بھی ہے جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی صحبت پائی ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں! ایک ابو حازمؒ ہیں۔ سلیمان نے لوگوں سے کہا کہ انہیں میرے پاس لے کر آؤ۔ جب ابو حازمؒ سلیمان کے پاس آئے تو اس نے ان سے ایک سوال کیا: 'ہم موت سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟'۔ ابو حازم نے جواب دیا: 'لانکم عمرتم الدنیا و خربتم الآخرۃ، فتکرھون الخروج من العمرت الی الخراب'، 'تم نے اس دنیا کو بنایا اور تعمیر کیا ہے، جبکہ اپنی آخرت کو تباہ و برباد کیا ہے۔ سو تم ایک بنی سنوری جگہ سے ایک تباہ و برباد مقام کی جانب جانے سے نفرت کرتے ہو'۔

یہ تو فطری نتیجہ ہے۔ جب تک ہم نے آخرت کی تیاری ہی نہیں کی، تو ہم کیونکر وہاں جانا پسند کر سکتے ہیں۔ اور زندگی کے اختتام پر جو امتحان درپیش ہوتے ہیں وہ نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ علما فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کے دل میں دنیا کی محبت بسیرا کر لیتی ہے، تو موت سے عین پہلے، جب اس شخص کو یہ ادراک ہوتا ہے کہ اب دنیا کی کہانی ختم اور آخرت کا باب شروع ہونے والا ہے، تو اس کا دل اس چیز کے لیے تڑپنے اور مچلنے لگتا ہے جس کی محبت اس کے اندر بھری ہے (یعنی دنیا)۔ پھر وہ شخص اللہ تعالیٰ سے نفرت کرنے لگتا ہے کیونکہ یہ اللہ کی ذات ہے جو اسے اس دنیا سے علیحدہ کر رہی ہے اور آخرت کی جانب لے جا رہی ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی شخص کا ایسا معاملہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے لیے خلود فی النار (جہنم میں ہمیشگی کے عذاب) کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ جب آپ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کریں گے اور اس سے نفرت کریں گے، تو اللہ تعالیٰ بھی آپ سے ملاقات سے نفرت کریں گے۔

جب حضرت معاذ بن جبلؓ کا وقتِ انتقال آیا، اور موت انہیں اپنے سامنے نظر آنے لگی تو انہوں نے فرمایا: 'اے موت تجھے خوش آمدید! میں ایک لمبی مدت سے تیرا انتظار کر رہا ہوں۔ میں اللہ کے وعدوں کے پورا ہونے کا منتظر ہوں۔ اے موت تجھے خوش آمدید!'۔ آپ نے دیکھا کہ جس نے آخرت کی تیاری کر رکھی تھی، اپنی آخرت کو بنایا اور سنوارا تھا، وہ کس شدت سے موت کے منتظر تھے کہ جب موت آئی تو وہ اس کے آنے پر خوش اور مطمئن تھے؟! حضرت معاذؓ نے فرمایا: 'اے موت! تو یہ خیال نہ کر کہ میں کبھی بھی اس دنیا کی محبت کی وجہ سے یہاں رہنا چاہتا تھا۔ میں یہاں صرف اس لیے رہنا چاہتا تھا تا کہ میں گرما کے طویل اور سخت گرم دنوں میں روزے رکھوں اور سرما کی شدید ٹھنڈی راتوں میں نماز پڑھوں۔ سو اب اگر اس دنیا سے میرے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے تو میں تیرا استقبال کرتا ہوں، آ اور میری روح قبض کر لے!'۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتے ہیں، سو اللہ تعالیٰ بھی ان سے ملاقات کو محبوب رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'ہر نبی کو موت سے پہلے جنت میں ان کا مقام دکھایا جاتا ہے۔ پھر انہیں یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں رہنا چاہتے ہیں یا موت کو اختیار کرنا چاہتے ہیں'۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت آیا تو وہ اپنا سر مبارک میری گود میں رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر کچھ دیر بعد ہوش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی جانب دیکھنا شروع کیا اور فرمایا: 'اللھم رفیق الاعلی!'۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس لمحے میں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اختیار دیا گیا ہے اور وہ ہمیں (یعنی دنیا اور دنیا میں موجود ساتھیوں کو) اختیار نہیں کر رہے۔ اور یہ وہ آخری الفاظ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائے۔ (بخاری)

صلی اللہ علی سیدنا محمد، و علی آلہ و صحبہ وسلم!

[یہ سلسلۂ مضامین نابغۂ روز گار، مجاہد و داعی، مبلغ و مقاتل فی سبیل اللہ شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی میں ارشاد کیے گئے سلسلۂ دروس '*Al-Aakhirah* – The Hereafter' کا اردو ترجمہ ہیں، جو بتوفیق اللہ، قسط وار مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع کیے جا رہے ہیں۔]

تمہارے ساتھ ہماری جنگ عقیدۂ توحید کی بنیاد پر ہے!

”اے مرتدین!
تمہیں جان لینا چاہیے کہ تمہارے ساتھ ہماری جنگ عقیدۂ توحید کی بنیاد پر ہے۔ ہم تم سے اس لیے لڑتے ہیں کہ تم نے دینِ اسلام سے ارتداد اختیار کیا اور اللہ کی شریعت کو بدل ڈالا، یہود و نصاریٰ سے دوستی اختیار کی اور مسلمانوں کے خلاف جاری اُن کی جنگ میں ان کا ساتھ دیا۔ اور اگر تم اپنے ان کرتوتوں سے باز نہ آئے تو ہم تم سے لڑتے رہیں گے یہاں کہ ہم اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں۔ اور ہم تمہارے سروں پر اس اس وقت تک تلوار لٹکائے رکھیں گے جب تک تم توبہ نہ کر لو اور دین کی جانب واپس پلٹ نہ آؤ۔“

(شیخ ابو مصعب عبد الودود شہید رحمہ اللہ)

میلاد النبی پر خوشی منانے کا صحیح طریقہ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

فضل ورحمت کی مراد اور اس کا حکم

اب قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں لفظوں سے کیا مراد ہے۔ تو جاننا چاہیے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت آئے ہیں۔ کہیں دونوں سے ایک ہی معنی مراد ہے، کہیں جدا جدا۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے: ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ [1]، ’اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو البتہ تم ٹوٹا پانے والوں میں سے ہو جاتے‘۔

یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود مراد ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے، وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا [2]، ’اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بجز تھوڑے لوگوں کے تم شیطان کی پیروی کرتے‘۔ یہاں بھی بقول اکثر مفسرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ ایک مقام پر ارشاد ہے، وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ [3]، ’سو اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو البتہ ان میں سے ایک گروہ نے تجھ کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا‘، یہاں مراد فضل اور رحمت سے قرآن مجید ہے اور بعض آیات میں فضل سے مراد راحت دنیوی اور رحمت سے رحمتِ دینی مراد ہے۔ چنانچہ فضل بمعنی رزق، نفعِ دنیوی قرآن مجید میں آیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے، لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ [4]، یہاں فضل سے مراد تجارت ہے، اس لیے کہ یہ آیت حج کے موقع کی ہے۔ بعض لوگ مالِ تجارت حج کے سفر میں ساتھ لے جانے کو مکروہ جانتے تھے، ان کو ارشاد ہے کہ اس میں کچھ گناہ نہیں کہ تم حج میں اپنے رب کا فضل طلب کرو۔ حدیث شریف میں بھی رحمت سے رحمت دینی اور فضل سے رحمت دنیوی یعنی رزق یا اسبابِ رزق مراد ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو یہ کہو، اللّٰھم افتح لنا ابواب رحمتک، اے اللہ! ہمارے لیے رحمت کے دروازے کھول دے۔ یہاں رحمت سے رحمتِ دینی مراد ہے، اس لیے کہ مسجد میں وہی مطلوب ہے، اور جب مسجد سے نکلو تو یہ کہو، اللّٰھم افتح لنا ابواب فضلک، اے اللہ! ہمارے لیے رزق کے دروازے کھول دے، اس لیے کہ مسجد سے باہر جا کر تحصیلِ معاش میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہاں اس کی طلب ہے۔ اور لیجیے سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے، فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [5]، ’پس جبکہ نماز ادا ہو جائے تو تم زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ سے روزی تلاش کرو‘۔

یہاں فضل سے مراد رزق ہے۔ پس مجموعہ تمام تفاسیر کا دنیوی رحمتیں اور دینی رحمتیں ہوا۔ اس مقام پر ہر چند کہ آیت کے سباق پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام مراد لیے جاویں تو قرآن مجید بھی اس کا ایک فرد رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے، وہ یہ ہے کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدوم مبارک لیا جاوے۔ اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دنیوی ہوں یا دینی، اور اس میں قرآن بھی ہے، سب اس میں داخل ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور معادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا، پس یہ تفسیر اجمع التفاسیر ہو جائے گی۔ پس اس تفسیر کی بنا پر حاصل آیت کا یہ ہو گا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود پر خواہ وجود نوری ہو یا ولادت ظاہری اس پر خوش ہونا چاہیے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں، حتیٰ کہ ہم کو جو روٹیاں دو وقتہ مل رہی ہیں اور عافیت و تندرستی اور ہمارے علوم یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت ہیں۔ اور یہ نعمتیں تو وہ ہیں جو عام ہیں اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے۔ غرض اصل الاصول تمام مواد فضل ورحمت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہوئی، پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔ بہر حال اس آیت سے عموماً یا خصوصاً یہ ثابت ہوا کہ اس نعمت عظیمہ پر خوش ہونا چاہیے اور ثابت بھی ہوا نہایت ابلغ طرز سے، اس لیے کہ اول تو جار مجرور بفضل اللہ کو مقدم لائے کہ جو مفید حصر کو ہے، اس کے بعد رحمت پر پھر جار کا اعادہ فرمایا کہ جس سے اس میں استقلال کا حکم پیدا ہو گیا، پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کو مزید تاکید کے لیے ’فبذالک‘ مکرر ذکر فرمایا اور ’ذالک‘ پر جار اور فاء عاطفہ کو لائے تاکہ اس میں اور زیادہ اہتمام ہو جائے، پھر نہایت اہتمام در اہتمام کی غرض سے ’فلیفرحوا‘ پر فاء لائے کہ جو مشیر ہے ایک شرط مقدر کی طرف اور وہ ’ان فرحوا بشئ‘ (اگر کسی چیز سے خوش ہوں) ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی شے کے ساتھ خوش ہوں تو اللہ ہی کے فضل و رحمت کے ساتھ، پھر اسی کے ساتھ خوش ہوں یعنی اگر دنیا میں کوئی شے خوشی کی ہے تو بھی نعمت ہے اور اس کے سوا کوئی شے قابل خوشی کے نہیں ہے اور اس سے بدلالۃ النص یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ نعمت تمام

---

[1] سورۃ البقرۃ:۶۴

[2] سورۃ النساء:۸۳

[3] سورۃ النساء:۱۱۳

[4] سورۃ البقرۃ:۱۹۸

[5] سورۃ الجمعۃ:۱۰

نعمتوں سے بہتر ہے لیکن چونکہ ہم لوگوں کی نظروں میں دنیا اور دنیا ہی کی نعمتیں ہیں اور اسی میں ہم کو انہماک ہے اس لیے اس پر بس نہیں فرمایا، آگے اور نعمتوں پر اس کی تفصیل کے صراحتاً ارشاد ہوا: 'هو خيرٌ مما يجمعون' یعنی (یہ نعمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کو لوگ جمع کرتے ہیں)۔ یعنی دنیا بھر کی نعمتوں سے یہ نعمت افضل اور بہتر ہے۔ پس جس نعمت پر حق تعالیٰ اس شد و مد کے ساتھ خوش ہونے کا حکم فرماویں، وہ کس طرح خوش ہونے کے قابل نہ ہوگی؟ یہ حاصل ہوا اس آیت کا جو مبنی ہے اس پر کہ فضل اور رحمت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیے جاویں۔

اصلی خوشی کا موقع کون سا ہے؟

اور دوسرے مقام پر اس سے بھی صاف ارشاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی خوشی کی شے دنیا میں اگر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور اس میں ما بہ الفرح، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود پر جو خوشی کا امر ہے وہ کس بنا پر ہے اور حیثیت و جہت فرح کی کیا ہے، یہ بھی مذکور ہے۔ وہ آیت یہ ہے: 'لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'[1] یعنی 'حق تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک رسول ان کی جنس سے بھیجا کہ وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کو (ظاہری و باطنی نجاستوں و گندگیوں سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھلاتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ایک کھلی گمراہی میں تھے'۔ اس آیت میں: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ الخ (وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصلی شے خوشی کی اور ما بہ الفرح والمنۃ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے سرمایۂ ہدایت ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خوش ہونے کی بہت سی چیزیں ہیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر تمام حالات مثلاً معراج وغیرہ یہ سب حالات واقعی خوش ہونے کے ہیں۔ لیکن اس حیثیت سے کہ ہمارے لیے مقدمات ہیں ہدایت و سعادت ابدی کے، چنانچہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے، اس لیے کہ بعثت کے ساتھ یہ صفات بھی بڑھائی ہیں: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ الخ۔ پس بقاعدۂ بلاغت ثابت ہوتا ہے کہ اصل ما بہ المنۃ (اصل احسان مند ہونے کے قابل) یہ صفات ہیں۔ باقی ولادت شریفہ فی نفسہا یا معراج وہ بھی باعث خوشی زیادہ اسی لیے کہ مقدمہ ہیں اس دولت عظیمہ کے، اس لیے اگر ولادت شریفہ نہ ہوتی تو ہم کو یہ نعمت کیسے ملتی؟ اسی فرق کی وجہ سے اس آیت میں تو اس مقصود کا ذکر تصریحاً اور قصداً فرمایا اور دوسری آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود کا ذکر اشارتاً اور ضمناً فرمایا۔

چنانچہ ارشاد ہے: 'لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ'[2] (آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں)۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بقا اور وجود کو مقسم بہ بنایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قسم میں جواب قسم مقصود ہوتا ہے اور مقسم بہ کو تبعاً ذکر کیا جاتا ہے۔ اور ایک مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کو بھی اسی طرح ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں: 'لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ○'[3] (میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ کو اس شہر میں لڑائی ہونے والی ہے، قسم ہے باپ کی اور دادا کی)۔ چنانچہ 'ما ولد' کی تفسیر میں بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس کے مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے مگر اس اہتمام سے نہیں جیسا آیت: 'لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'[4] میں نبوت اور بعثت اور ہدایت اور تزکیہ کو بیان فرمایا ہے اور اسی فرق کی وجہ سے فرحت میں بھی تفاوت ہوگا کہ جس قدر ولادت شریفہ پر فرحت ہونا چاہیے اس سے زائد نبوت شریفہ پر ہونا چاہیے۔ اگر ذکر ولادت شریفہ کے لیے مجلس منعقد کی جاوے تو ذکر نبوۃ مبارکہ کے لیے بطریق اولیٰ کی جاوے اور اسی طرح ان اہل مجالس کو چاہیے کہ معراج شریف اور فتح مکہ معظمہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات مبارکہ اور ہجرت کی بھی مجالس منعقد کیا کریں، اس لیے کہ جیسے ولادت شریفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حال ہے اسی طرح یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حالات ہیں، بلکہ بعض ان میں سے ولادت شریفہ سے بڑھ کر ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ آج کل مجلس ولادت شریفہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب حالات کا اور احکام کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت! بس رہنے دیجیے اور حالات کا ذکر محض بطور خانہ پری یا صرف پالا سا چھوانے کے طور پر ہوتا ہے، بخلاف ذکر متعلق ولادت شریفہ کے کہ وہ ذکر نور سے لے کر وقت وضع و رضاع وغیرہ تک کیا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی مولوی نماز روزہ کے احکام مجلس مولود میں بیان کر دیتا ہے تو میں نے اہل مولد میں سے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ یہ کہتے تھے لوگوں نے آج کل یہ نئی رسم نکالی ہے کہ وعظ کہتے ہیں کہ نماز روزہ کا، اور نام کرتے ہیں ذکر ولادت کا۔ یہ خیالات ہیں اہل مولد کے، حالانکہ حق تعالیٰ کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ فرحت کے قابل یہی شے ہے، جیسا میں نے پہلی آیت، لقد من اللہ الخ' کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

اب بتلائیے اس پر فرحت کون کرتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ذکر ولادت میں بوجہ اس کے کہ لڑکے خوش الحان گاتے ہیں اور مضامین و روایات بھی اکثر موضوع اور عجیب ہوتی ہیں اور

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۶۴

[2] سورۃ الحجر: ۷۲

[3] سورۃ البلد: ۱-۳

[4] سورۃ آل عمران: ۱۶۴

اگر روایات صحیحہ بھی ہوں تو وہ ایک واقعہ اور قصہ ہے جو طبعاً دلکش ہے اس لیے اس کے سننے میں نفس کو حظ ہوتا ہے اور احکام میں کوئی خاص مزہ نہیں اس لیے کہ اس میں تو یہی ہو گا کہ یہ کرو وہ نہ کرو تو اس میں کیا مزہ آیا حالانکہ اصل سب مزوں کی احکام ہیں۔ ایک مدت تک ان پر التزام کیجیے اور نفس کو خوگر بنایئے پھر اس میں روحانی لطف دیکھیے۔ لیکن اس میں تو لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں اور زہر کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، اس لیے اس سے نفس بھاگتا ہے اور واقعات مولد شریف کے ذکر میں صرف سن لینا ہوتا ہے اس لیے اس میں نفس کو مزا آتا ہے، اسی لیے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی طرح تصوف کے رنگین مضامین اور عاشقانہ اشعار کی کیفیت ہے۔ چونکہ اس میں افعل لاتفعل نہیں ہے اس لیے خوب مزا آتا ہے، سر ہلتے ہیں بلکہ یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ ان اشعار و مضامین کو سمجھتے بھی نہیں ان کو بھی وجد آتا ہے۔ ایک قوّال یہ شعر گا رہا تھا، بگزید مار عشقت جگر کباب کردمارا (تیرے مار عشق نے ہمارے جگر کو کاٹ کر کباب کر دیا) ایک گنوار کو وجد آگیا۔ اس سے پوچھا کہ تو نے کیا سمجھا جو تجھ کو وجد آیا۔ اس نے کہا کہ یہ یوں کہتا ہے، ڈگرے کا باپ مارا۔ ڈگرا کہتے ہیں ہندی میں نفس کو۔ ہم نے یہاں تک دیکھا ہے ہندوؤں کے یہاں اور رنڈیوں کے یہاں مروج مولد شریف ہوتا ہے کہ اس میں حظ نفس ہے ورنہ ہندوؤں کو اس سے کیا تعلق۔ غرض قرآن مجید سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ اہتمام کے قابل نبوت اور بعثت کا ذکر ہے اور ذکر ولادت اگر کہیں آیا ہے تو اشارتاً یا اجمالاً آیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حق تعالیٰ نے سورۂ مریم میں یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ مفصلاً بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ مولد عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی تفصیل بیان کرنا بھی قابل خاص اہتمام کے ہے، پس اس پر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کو بھی قیاس کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء (ایک چیز تو نے یاد کرلی، بہت چیزیں غائب ہو گئیں)۔ آپ نے یہ تو دیکھ لیا کہ ان حضرات کی ولادت کا قصہ اہتمام سے بیان فرمایا ہے مگر یہ نہیں دیکھا کہ کیوں اور کس حیثیت سے ذکر فرمایا۔ ان کے قصۂ ولادت کے اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی ولادت ایک عجیب طریقہ سے خرق عادت کے طور پر ہوئی ہے۔ یحییٰ علیہ السلام کے ماں باپ تو بوڑھے بہت تھے کہ اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے ان میں صلاحیت ہی توالد و تناسل کی نہ تھی؛ چنانچہ ارشاد ہے: واصلحنا له زوجه، اس لیے ان کی ولادت عجیب تھی اور عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے ہوئے، اس لیے ان کی ولادت اس سے بھی زیادہ عجیب تھی۔ پس حق تعالیٰ نے ان دونوں قصوں سے قدرت اور توحید پر استدلال فرمایا ہے۔ یہ وجہ ہے ان قصوں کے بالاہتمام ذکر کرنے کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ عادت کے موافق ہوئی ہے پس اس سے مطلقاً ذکر مولد شریف کی تفصیل کا ذکرِ نبوت و ہجرت کی برابر محل اہتمام ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام طریقہ پر ہونا کمال حکمت پر مبنی ہے:

مگر آج کل بعض لوگوں نے خود اس مقدمہ میں بھی کلام شروع کیا ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ بطریق متعارف ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک شخص کا میرے پاس خط آیا تھا، اس میں پوچھا تھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی والدہ شریفہ کے بطن سے اسی طرح پیدا ہوئے جیسے اور آدمی ہوتے ہیں اور کسی کا قول نقل کیا تھا کہ ران سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے رفیع ہے کہ محل غیر ظاہر سے پیدا ہوں اور پوچھا تھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ طریق معہود[1] سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان سائلوں کو ایسے امور کے پوچھنے سے شرم نہیں آتی؟ بہت بے حیائی اور بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔ میرا جی تو چاہتا نہ تھا کہ اس خط کا جواب لکھوں لیکن طوعاً و کرہاً لکھا تاکہ ان مخالفین کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ اہل حق کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ میں نے جواب میں یہ لکھا کہ روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں 'ولد النبی صلی الله علیه وسلم' اور یہ مقدمہ مسلمہ ہے کہ جب تک مجاز کے قرائن نہ ہوں تو الفاظ اپنے حقائق پر محمول ہوتے ہیں یعنی جب تک معنی حقیقی بن سکیں مجاز کی طرف رجوع نہ کیا جاوے گا اور یہ بھی مسلم ہے کہ علامت حقیقت کی تبادر 'الی الفهم عند الخلو عن القرائن' (قرائن سے خالی ہونے پر فہم طرف سے سبقت کرتی ہے)۔ پس ان سب مقدمات سے ولد میں ولادت سے طریق معہود ہی سے پیدا ہونا مراد لیا جاوے گا۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طریق سے دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ اب لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کو عجیب طریق سے ثابت کریں اور عادت معروفہ کے موافق پیدا ہونے کو قدح جانتے ہیں حالانکہ اقرب الی الحکمۃ آپ کی شان کے اعتبار سے یہی ہے کہ جس طرح عادۃ اللہ جاری ہے آپ اسی طرح پیدا ہوں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ امر مسلم ہے کہ آدمی کو زیادہ انس اس شے سے ہوتا ہے جس سے کچھ مناسبت ہو اور جس قدر مناسبت زیادہ ہو گی، انس زیادہ ہو گا اور جس قدر مناسبت کم ہو گی اسی قدر اس سے توحش بڑھے گا۔ اسی واسطے آدمی کو اپنے ہم جنس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے اور جانوروں کی طرف کم ہے اور جنوں سے اور بھی کم، بلکہ توحش ہے اور اسی وجہ سے انبیا علیہم السلام سب آدمی ہوئے ہیں، فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے، اس لیے کہ ان سے آدمیوں کو توحش ہوتا اور جب توحش ہوتا تو افادہ اور استفادہ ممکن نہیں۔ اس لیے سب رسول آدمی ہوئے ہیں۔ جب یہ امر سمجھ میں آگیا تو اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوبیت کاملہ عطا فرما دیں اور کسی کو ذرہ برابر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توحش نہ ہو۔ پس اس لیے بجز معجزات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور کوئی حالت ولادۃ وغیرہ بھی معمول کے خلاف نہیں بتائی۔ اس لیے کہ اگر عادۃ جاریہ کے ذرا خلاف بھی کوئی بات ہوتی تو مناسبت میں اور پھر

[1] عام طریقے سے

اس کے سبب انس میں کمی ضرور ہو جاتی۔ پس ولادت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نئے طرز سے نہیں ہوئی اور یہی آپ کی شان محبوبیت وافادہ کے لیے مناسب ہے اور اس کے خلاف کو ثابت کرنا اس حکمت کو نظر انداز کرنا ہے۔ بلکہ یہ حکمت یہاں تک مرعی رکھی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر کمالات بھی کہ ان میں معجزات بھی داخل ہیں نہایت لطیف ہیں جن کا عجیب ہونا امعان نظر کو مقتضی ہے، حتی کہ قرآن مجید جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ ہے وہ بھی سرسری نظر میں عجیب اور اعجاز کی شان اس میں معلوم نہیں ہوتی اسی واسطے کفار نے کہا تھا کہ 'لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ'[1] یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ دیں لیکن ان لوگوں نے جب غور کیا اور اپنی انتہائی قوت اس کے مقابلہ میں صرف کر دی تو دانت کھٹے ہو گئے حالانکہ بڑے فصیح اور بلیغ تھے لیکن ایک سورت بھی ایسی نہ لا سکے باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ نے ان کو جوش دلانے کے لیے علی الاعلان فرمایا 'فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ'[2] یعنی لے آؤ کوئی سورت اس جیسی اس کے بعد ان کے عجز کو بھی خود فرمایا 'وَلَنْ تَفْعَلُوْا' یعنی تم ہر گز ایسی سورت نہ لا سکو گے، اس کو سن کر اہل عرب کو کیسا کچھ جوش آیا ہو گا اور کس قدر بل کھائے ہوں گے لیکن مقابلہ نہیں کر سکے اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ آگے ارشاد ہے 'فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○'[3] یعنی اگر تم اس کا مثل نہ لا سکو تو اس آگ سے بچتے رہو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ غرض یہ معجزہ بھی نہایت غامض اور لطیف ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر شان اور کمال ایسا ہی لطیف ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

یریدک وجهه حسنا
اذا ما زدته نظراً

یعنی محبوب کا چہرہ تیرے لیے حسن کو بڑھا دیا۔ جب تو اس پر نظر زیادہ کرتا ہے۔ چنانچہ بعضوں کا حسن تو ایسا ہوتا ہے کہ دور سے وہ اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن پاس سے دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ جیسے شیخ شیرازی فرماتے ہیں:

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد
چوں باز کنی مادرِ مادر باشد

(بہت خوش قامت چادر کے اندر رہوتی ہیں۔ جب تم چادر ہٹاؤ تو نانی معلوم ہوتی ہیں)

اور بعضے دور سے اور سرسری نظر میں معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن جس قدر غور کرو خوبیاں معلوم ہوتی جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات بھی ایسے ہی ہیں کہ ان میں سادگی تو اس درجہ ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند
دلبر مااست کہ باحسن خداداد آمد

(تمام دلفریبیاں نباتی زیور سے آراستہ وپیراستہ ہیں۔ ہمارے محبوب کا حسن خداداد ہے)

اور نظر تامل کے بعد دلربائی کی یہ حالت ہے۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

(سر سے پیر تک جس جگہ نظر کرتا ہوں کرشمہ دان دل کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوبیت کی ہے۔ یعنی اس کا وہ حسن ہے کہ ہر پہلو سے محبوبیت برستی ہے)

پس ولادت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی عجیب طریقہ سے نہیں ہوئی اور ولادت عیسویہ نہایت عجیب طریقہ سے ہوئی اور چونکہ اس سے توحید پر استدلال مقصود ہے اس لیے اس کو اہتمام سے بیان بھی فرمایا۔

مدار منت واحسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تلاوت وتزکیہ نفوس ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ مدار منت وفرحت کا شان يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں، کی ہے اور ولادت شریفہ اور نشوونما کے واقعات کی خوشی بھی اسی واسطے ہے کہ وہ واسطہ ہے اس دولت کی تحصیل کا؛ خوب کہا ہے:

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہش شد

(وہ دن کہ تو چاند ہوا نہیں جانتا تھا کہ ایک عالم کا انگشت نما ہو گا)

پس اصل میں تو جو مقصود حالت بدریت کی ہے لیکن ہلالیت کی خوشی بھی اسی واسطے ہے کہ وہ ذریعہ بدریت کا ہے۔ پس اصل سرور تو اس کا ہے کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی نعمت عطا فرمائی۔ باقی اس کے جس قدر اسباب ہیں وہ چونکہ اس کے وسائط ہیں اس لیے ان سے بھی خوشی ہے اسی فرح کو مولانا رومی اپنی مثنوی شریف میں چند ابیات کے اندر بیان فرماتے ہیں جو گویا حاصل ہے ان آیات کے مفہوم کا ان ابیات کو مع مختصر شرح کے یہاں بیان کیا جاتا ہے، پس فرماتے ہیں:

ایہا العشاق اقبال جدید
از جہان کہنہ نو در رسید

یعنی اے عشاق مژدہ ہو کہ نیا اقبال چمکا ہے جو ایک پرانے اور نئے جہان سے پہنچا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 30 پر)

[1] سورۃ الانفال: ۳۱
[2] سورۃ البقرۃ: ۲۳
[3] سورۃ البقرۃ: ۲۴

فرانس سے کون نمٹے گا؟

کہ اُس نے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہے

پکارِ آگہی از ادارہ السحاب [(عربی) مرکزی القاعدہ]

قابلِ نفرت میکرون کی قیادت میں فرانس کی صلیبی ریاست نے کورونا کی وبا کی لپیٹ میں ہونے کے باوجود، اپنی اسلام دشمنی کو چھپانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اِس کے برعکس اپنی حدودِ سلطنت میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و بغض کا علم مزید بلند کر دیا اور ذلیل لوگوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ پیغمبرِ اسلام محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں۔ یوں اس نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ اس کی اولین دشمنی اسلام سے ہے، جس کے ساتھ وہ اپنی افواج کے ذریعے افغانستان، عراق، شام، مالی اور دیگر مسلم ممالک میں جنگ لڑ رہا ہے اور اپنے ہوائی جہازوں سے لیس ہو کر ان مسلم خطوں پر بمباریاں کر رہا ہے۔ مزید یہی فرانس اپنی ریاست کے قرب و جوار میں اذان، پاک دامنی اور حجاب جیسے اِسلام کے قابلِ تعظیم شعائر کے خلاف بھی محاذ کھولے ہوئے ہے اور دعوت و تبلیغ میں مصروف لوگوں کے خلاف بھی لڑائی لڑ رہا ہے۔

اِس صلیبی حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے لازمی تھا کہ ابطالِ اسلام اپنی تلواروں اور اپنے چاقوؤں کی دھاریں تیز کر لیں، اپنے بم اور بارود تیار کر لیں اور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کا دفاع کرنے کے لیے خود کو فی سبیل اللہ قربان کر دیں۔ اسی پکار کے جواب میں اس چیچن بھائی نے وہ الفاظ دہرائے جو عظیم صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہے تھے کہ:

"یا رسول اللہ! میں (حاضر ہوں)!"

جب نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا کہ:

"کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرے کہ اس نے اللہ اور اُس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے (گستاخی کی ہے)؟"

سو محمد بن مسلمہؓ نے اپنے مبارک خنجر کو اس ملعون کی گردن پر رکھ دیا، اُن نابینا صحابیؓ کی طرح جنہوں نے خنجر سے اپنی بیوی کا پیٹ چاک کر دیا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر رہی تھی۔ اے چیچن بھائی! تم نے نفع بخش تجارت کی، تمہارا دایاں ہاتھ بابرکت ہے (جس سے گستاخ کی گردن پر تم نے چھری چلائی)، تمہارا چہرہ کامیاب ہوا اور تمہیں مبارک ہو اُنؐ کی معیت جن کی حرمت کا دفاع تم نے اپنی جان پیش کر کے کیا!

اسلام کے خلاف فرانسیسیوں کی دشمنی اور بغض و دیدہ دلیری کو جاننے کے لیے مسلمانوں کو اُن کی عقول کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں، بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کا جائزہ لینا چاہیے جو ان صلیبیوں کی روحوں میں بسی نفرت کو بار بار ہم پر عیاں کرتی ہے۔ کتاب اللہ ہمیں بتا چکی ہے کہ ہم اُن کی جانب سے بہت سی گستاخیاں سنیں گے، وہ ہمارے دین کو مذاق اور کھیل قرار دیں گے اور جو دشمنی، کینہ اور حسد وہ اپنے نفرت بھرے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اُن کے منہ کی کہی باتوں اور اُن کے قلم سے برآمد شدہ خاکوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے قرب اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان ان کے سر تن سے جدا کر دیں۔ پس کواشی برادران کی گولیوں، دلیر شیر محمد بویری اور چیچن بطل کے خنجر، (عامر چیمہ کے چاقو)، پاکستان میں ڈنمارک کے سفارت خانے کو تباہ کرنے والے ابو غریب المکی کے بارود (اللہ تعالیٰ ان سب کی شہادتیں قبول فرمائیں) کے سوا اور کوئی چیز ان پر اثر نہیں کرتی کیونکہ وہ یہی زبان سمجھتے ہیں!

یورپ اور فرانس میں بسنے والے اہلِ اسلام!

ابوابِ جنت میں سے یہ باب آپ کے سامنے کُھلا ہے، اور عاشقینِ صادقین کے علاوہ کوئی اِس تک نہیں پہنچ سکتا، اللہ اور اس کے رسولؐ کے وہ عاشق جو اپنی جانیں فراخ دلی اور اطمینان سے نثار کر دیں۔ سو اٹھیے اور جہاد کے لیے نکلیے خواہ ہلکے ہوں یا بوجھل، گروہ میں یا اکیلے اور ان ہر زہ سرا کافروں کے خلاف اپنی کمر کس لیجیے، اپنے آپ کو اس مہم میں کھپا دیجیے اور اللہ کو وہ کر دکھائیے جس کے ساتھ اس کی نصرت اترتی ہے اور جس میں اُس کی رضا پنہاں ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ ایک ایسی آگ بھڑکائیں جو معدوم ہونے یا بجھنے والی نہ ہو اور وہ معرکہ برپا کریں جو ختم نہ ہونے والا ہو۔ یہ باتوں کا نہیں عمل کا وقت ہے، احتجاج اور مظاہرے کسی اور دن کے لیے بچا رکھیے اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ورثے میں چھوڑی ہوئی) تلواروں 'صارم' اور 'بتّار' لے کر میدان میں نکل آیئے اور جان لیجیے کہ صلیبی فرانس نے اِن گستاخوں سے کاندھا ملا کر خود کو اُن لوگوں کے لیے نشانہ بنا لیا ہے جو نبی الرحمۃ یعنی رحمت والے نبی اور نبی الملحمہ یعنی گھمسان کی جنگوں والے نبی صلی اللہ وعلیہ وسلم کا دفاع کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

صلیبی مغرب اور اسلام سے مرتد ہو جانے والے دغاباز حکمران، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کی منحوس راہ پر گامزن تھے، جب انہوں نے چارلی ایبڈو اخبار کے مردار اہلکاروں کے لیے ہمدردی کا اظہار کیا، جنہیں اپنے کیے کا صلہ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کا انتقام لینے والے ابطالِ اسلام، دو بھائیوں، شریف اور سعید کواشی کے ہاتھوں ملا۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و دفاع کے لیے اللہ تعالیٰ کے بعد صرف امتِ مسلمہ پر ہی بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ ہم فرانسیسی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے کی مبارک مہم چلانے پر امت کو سراہتے ہیں اور مزید کی دعوت دیتے ہیں، ہم امت کے تمام احرار اور قابلِ احترام علمائے کرام، مفکرین اور قائدین کو سلام پیش کرتے ہیں جنہوں نے اِن سنگین جرائم کی مذمت کی۔

ہم ہر ایک شخص کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ صرف اِنہی اقدامات پر مطمئن نہ ہو جائیں بلکہ ان اہلِ کفر کے جرائم اعلانیہ بیان کریں اور ان کی مذمت کریں، مجاہدین کی مال و جان دونوں سے مدد کریں، خاص طور پر امت کے اُن مجاہدین کی جو مغربِ اسلامی (الجزائر و مالی وغیرہ) میں اِس نئے، پرانے قابض، خباثت کی جڑ 'فرانس' کے خلاف جنگ میں ہراول دستہ ہیں۔

(عربی اشعار کا نثری ترجمہ)

رومیوں نے اہلِ دین میں کمزوری دیکھی
تو انہوں نے آزمانے کو پورا زور لگا ڈالا
اگر مسلمانوں میں ایک بھی مردِ آزاد پایا جاتا ہو
تو وہ مسلمان قیدیوں کو رہائی دے گا اور غیرت کا رکھوالا ہو گا
وہ دین کو آزادی دے گا اور اس کی رکھوالی کرے گا
کہ جب کافر اللہ کے دین کو مٹانا چاہتے ہیں
اے مسلمانو! تمہیں کیاہو گیا ؟
یہ مظاہرے ، ٹاک شو اور بحث و مباحثے کب تک؟
اب اللہ کی دعوت پر لبیک کہو!
یا عذر پیش کر و لیکن اس عذر پر معافی تو نہیں ملے گی
میرا رب گواہ ہے، وہی گواہِ عظیم ہے
اُسی کے نام پر میں تمہیں دعوتِ عام دیتا ہوں

وآخر دعوانا ان الحمدلله ربّ العالمين!

☆☆☆☆☆

بقیہ: میلاد النبی پر خوشی منانے کا صحیح طریقہ

اقبال جدید سے مراد قرآن مجید ہے اور جدید اس کو کلام لفظی کے اعتبار سے کہا ہے ورنہ کلام نفسی اور صفت الٰہی کے مرتبہ میں تو وہ قدیم ہے باقی رہی یہ بات کہ کلام لفظی کے اعتبار سے تو اس کی ایک صفت کو ذکر فرمایا اور کلام نفسی کے اعتبار سے کوئی صفت ذکر نہیں کی تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم کو جو خطاب ہوا ہے اور ہم کو جو یہ دولت ملی ہے تو اسی لباس یعنی کلام لفظی کے ساتھ ملی ہے۔ پس ہمارے نفع میں یہ شان جدید ہی زیادہ دخیل اور سبب قریب ہوئی گو فی نفسہٖ قدیم ہے اور اسی صفت کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے 'مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ'[1] اور فرمایا 'وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ'[2] اور جہان سے مراد عالم غیب ہے اور کہنہ اس کو اس لیے کہا کہ بہت پرانا ہے اور نو اس لیے کہ اس میں تغیر نہیں ہوا الآن کما کان (جیسا کہ پہلے تھا اب بھی ایسا ہی ہے)۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[1] سورۃ الانبیاء: ۲؛ ترجمہ: ''ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ (حساب حال ان کے) آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ (اس کے ساتھ) ہنسی کرتے ہیں۔''

[2] سورۃ الشعراء: ۵؛ ترجمہ: ''اور (ان کی حالت یہ ہے کہ) ان کے پاس کوئی تازہ فہمائش (حضرت) رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں سو (اس بے رخی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ)۔''

بقیہ: مدارس کا نصابِ تعلیم کون بنائے گا؟

چنانچہ مصر سے شیخ مصطفیٰ زرقا، معروف ودالیبی، ابو زہرہ (جو اسکندریہ لا ئج کالج کے پرنسپل اور حیاتِ ابو حنیفہؒ، حیاتِ مالکؒ، حیاتِ شافعیؒ، حیاتِ ابنِ حنبلؒ، حیاتِ ابنِ حزمؒ وغیرہ کے مصنف تھے اور اصولِ فقہ کے بہت بڑے عالم اور رومن قانون کے بھی ماہر تھے)، ایک فصیح و بلیغ مصری عالم مہدی علام اور ازہر کے کئی اور جید علما کو بھی دعوت دی گئی۔ پاکستان سے مولانا بنوری، مفتی محمد شفیع اور مسٹر غلام احمد پرویز کو مدعو کیا گیا[3]۔ مصر و شام کے مندوبین کراچی اترے اور مولانا بنوریؒ کے مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن میں تشریف لائے۔ مولانا کی عبقری شخصیت سے پہلے ہی متعارف تھے، مگر یہاں آکر مولانا کے علم سے بہت ہی متاثر ہوئے۔ مولانا نے ان کے سامنے اس مجلسِ مباحثہ کے اغراض و مقاصد کو بے نقاب کیا اور ان تمام مسائل میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ یہ حضرات کراچی سے لاہور پہنچے تو مولانا کے خیالات کی تائید کی۔ ازہر کے علما نے واشگاف کہا کہ: 'اسلام میں سود کی کوئی گنجائش نہیں'۔ پرویز وغیرہ کو اسلام میں رخنہ اندازی کی جرأت نہ ہوئی۔ حکومتِ پاکستان کو بھی معلوم ہو گیا کہ ان مسائل میں دنیا بھر کے علما کے خیالات و معتقدات یکساں ہیں۔ اس کولوکیم سے دینِ اسلام اور علمائے دین کو فائدہ پہنچا، ملاحدہ کی لادین اسکیم ناکام ہو گئی اور وہ خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔

(ماخوذ از ماہنامہ بینات مولانا یوسف بنوری نمبر محرم تا ربیع الاول ۱۳۹۸ھ / جنوری فروری ۱۹۷۸ء)

☆☆☆☆☆

[3] جہاں تک یاد پڑتا ہے ہندوستان سے مولانا ابو الحسن علی ندویؒ اور عبد الماجد دریا آبادی (مدیر 'صدقِ جدید') کو بلایا گیا تھا۔ (مدیر بینات)

توحیدِ عملی

فضیلۃ الشیخ عبد اللہ عزام شہید رحمہ اللہ

مجددِ جہاد، شہیدِ اسلام، فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن یوسف عزام رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ نظر خطبہ ساڑھے تین-چار دہائیاں قبل ارشاد فرمایا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب افغانستان میں مجاہدینِ عالی قدر نے طاقت کے اعتبار سے دو قطبی دنیا کے ایک قطب سوویت روس کو شکستِ فاش دی تھی۔ جبکہ آج مجاہدینِ امت نے امارتِ اسلامیہ افغانستان کی قیادت میں بفضل اللہ یک قطبی دنیا کی 'انا ربکم الاعلیٰ' ڈکارنے والی سپر پاور 'امریکہ' کو بھی شکستِ فاش دے دی ہے۔ کل جب یہ خطبہ دیا گیا تھا تو یہ نہایت 'اہم' تھا، جبکہ آج یہ 'اہم تر' ہو گیا ہے اور اس خطبے کو تحریری حالت میں پڑھتے ہوئے قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ گویا ابھی، آج اور آج ہی کی صورتِ حال کو مدِ نظر رکھ کر اس خطبے کو ارشاد کیا گیا ہے۔

اللہ پاک ہمیں اہلِ توحید میں شامل رکھیں اور خاتمہ کلمۂ 'لا الٰہ الا اللہ' پر نصیب فرمائیں، آمین۔ (ادارہ)

افغانستان میں اپنے قیام کے دوران میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ انسانی روح میں توحید اس طرح داخل ہو ہی نہیں سکتی، نہ ہی اس میں وہ شدت اور مضبوطی آ سکتی ہے جو جہاد کے میدانوں میں آتی ہے۔ یہ وہ توحید ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا۔' کیوں؟ 'تا کہ اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کی جائے۔' (بحوالہ حدیث، مسند احمد)

یعنی دنیا میں توحید کا قیام تلوار کے ذریعے ہوتا ہے، کتابیں پڑھنے اور عقیدے کے متعلق علم حاصل کرنے سے نہیں ہوتا۔

بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں بھیجا ہی اس لیے گیا تھا کہ اس دنیا میں توحیدِ الوہیت قائم ہو، انہوں نے ہمیں یہ سکھایا کہ یہ توحید اسباق پڑھ کر نہیں سیکھی جا سکتی۔ بلکہ یہ روحوں میں صرف تربیت کے ذریعے پروان چڑھتی اور بڑھتی ہے، معرکوں میں مقابلے کے ذریعے، اور طواغیت کے خلاف اقدامات کرنے کے نتیجے میں جو حالات درپیش ہوتے ہیں ان کے ذریعے...... ان قربانیوں کے ذریعے جو انسانی جان اس راہ میں پیش کرتی ہے...... جب کبھی انسان اس دین کے لیے کوئی قربانی دیتا ہے، یہ دین اس کے لیے اپنا پوشیدہ حسن ظاہر کر دیتا ہے، اور اس کے لیے اپنے خزانے کھول دیتا ہے۔

اور اس بحث میں اس بات کا ذکر موزوں رہے گا، کہ کچھ لوگ جو اس توحید کی حقیقت اور فطرت کو نہیں سمجھتے، وہ ان لوگوں (یعنی افغانوں) جن کے ذریعے اللہ نے مسلمانوں کو عزت بخشی ہے، جن کے ذریعے اللہ نے دنیا کے ہر مسلمان کی اہمیت بڑھا دی ہے، جن کے ذریعے اسلام اتھاہ گہرائیوں سے بلندیوں کی جانب محوِ پرواز ہے اور عالمی پلیٹ فارم پر ان قوتوں کے مقابل آ کھڑا ہوا ہے جنہیں لوگ آج کی دنیا میں 'سپر پاور' کہتے ہیں، وہ جنہوں نے اسلام کی ہیبت کو لوٹایا ہے، جو جہاد کی غیر موجودگی کی وجہ سے مفقود ہو چکی تھی۔

'اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اور خوف نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔' ہم نے سوال کیا 'یہ وہن کیا ہے؟' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔' (بحوالہ حدیث، امام احمد، ابو داود) اور یہ خوف اور رعب جو ہمارا دشمن پر ہونا چاہیے کبھی ہمارے پاس واپس نہیں آ سکتا مگر تلوار، لڑائی اور قتال کے ذریعے۔

اور جیسا کہ میں کہہ رہا تھا کچھ لوگوں نے واقعتاً اس توحید کی اصل فطرت کو نہیں سمجھا، انہوں نے محض اس کے بارے میں چند الفاظ پڑھ لیے ہیں اور اب کہنے لگے ہیں کہ 'افغانوں کے عقیدے میں کچھ شرک اور بدعت وغیرہ موجود ہے۔'

اور ہم میں سے کچھ نے ان سے کہا: تمہارے عقیدے میں کچھ خرابی ہے

ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں ایسی بہتان طرازی سے

شرک کے شعلے نہیں بجھتے مگر خون کی بارش سے

اور کیا توحید قائم ہو سکتی ہے سوائے (تلوار کی) تیز سفید دھار کی بدولت؟

تم پیچھے بیٹھ رہنے والی عورتوں کی مانند ہو!

لہٰذا بیٹھے رہو کیونکہ یہ تمہاری نظر ہے جس میں خرابی ہے

جو لوگ اصلاً سمجھتے ہیں کہ توحید کیا ہے، توحیدِ عملی کیا ہے...... صرف اللہ پر توکل، صرف اللہ کا خوف، صرف اللہ کی عبادت...... یہ بات محض چند کتابوں میں کچھ الفاظ پڑھ کر نہیں سمجھی جا سکتی۔ ہاں، توحید ربوبیت (جو مشرکینِ قریش بھی تسلیم کرتے تھے) ایک یا دو دروس میں شرکت سے سمجھی جا سکتی ہے۔

ہم یہ بات سمجھتے ہیں کہ بے شک اللہ کا ہاتھ ہے جو ہمارے ہاتھوں کی مانند نہیں ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اسماء و صفات کے اصول کے تحت ہم اللہ کے اسماء الحسنیٰ اور صفاتِ کریمہ کا اقرار کرتے ہیں جن کی تصدیق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور قرآن مجید نے کی ہے...... اور ہم ان سب کا بغیر کسی تاویل، تحریف، تعطیل (انکار)، تشبیہ اور تمثیل کے اقرار کرتے ہیں۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ 'عرش پر بلند ہوا' اور ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اس پر 'غالب آیا'۔ اور استواء (اللہ کا عرش پر بلند ہونا) معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت (کہ کیسے بلند ہوا) یہ معلوم نہیں، اس پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

لہٰذا ہم میں سے ہر کوئی اسے یاد کرتا ہے۔ آپ نے یاد کر رکھا ہو گا، صحیح؟ یا نہیں؟ یہ تو بہت آسان ہے، آپ کو پتہ ہے کیوں؟ کیونکہ یہ ایمان کا علمی پہلو ہے (جس میں عمل کی ضرورت نہیں ہوتی)...... اس کا تعلق جاننے اور اقرار کرنے سے ہے۔ اور کبھی کوئی نبی اس غرض کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا۔ بلکہ انہیں صرف اس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا کہ توحید الوہیت، توحید عملی کا قیام ہو۔ اس بات پر ایمان کہ اللہ، اور میرا مطلب ہے اللہ پر خالص اور مضبوط بھروسہ

کہ حقیقتاً وہی خالق ہے، وہی پالنہار اور رازق ہے، وہی موت اور زندگی دینے والا ہے (اور یہ ایمان انسان کی زندگی کے مختلف مواقع پر اعمال سے ظاہر ہو)...... یہ محض کوئی نظری عقیدہ نہیں ہے، وہ تو توحیدِ ربوبیت ہے۔ بلکہ دراصل توحید الوہیت کا اقرار تو صرف ان اعمال سے ہوتا ہے جو زندگی میں کیے ہوں۔ اور توحیدِ الوہیت کا عقیدہ انسانی روح میں پیوست نہیں ہو سکتا خصوصاً اللہ پر توکل، رزق کے معاملے میں، (موت کے) وقتِ مقررہ کے بارے میں، منصب اور درجات کے معاملے میں...... انسانی روح توحید پر قائم نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ جب وہ ان طویل واقعاتِ جنگ سے گزر رہی ہو، اور اس طویل سفر سے گزر رہی ہو، اور بڑی بڑی قربانیوں سے گزر رہی ہو، صرف تبھی روح میں اس توحید کی تعمیر شروع ہو گی، روز بروز، ایک ایک اینٹ کر کے، اور پھر توحید کی یہ عمارت روحِ انسانی میں بلند ہوتی چلی جائے گی۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں: کون توحید کا زیادہ ادراک رکھتا ہے؟ وہ عمر رسیدہ شخص، ساتھیوں نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ ایک دن طیارے ہم پر بمباری کر رہے تھے اور ہم سب چھپ گئے سوائے ایک عمر رسیدہ شخص کے جس کا نام محمد عمر تھا۔ جب طیارہ مجاہدین پر بمباری کر رہا تھا اس نے اس کی طرف دیکھا اور کہا: اے اللہ! کون زیادہ بڑا ہے؟ آپ یا یہ طیارہ؟ کون زیادہ طاقتور ہے؟ آپ یا یہ طیارہ؟ کیا آپ اپنے ان بندوں کو ان طیاروں کے لیے چھوڑ دیں گے؟"۔ اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس طرح آسمان کی طرف اٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی فطرت پر گفتگو کی۔ اس سے پہلے کہ اس کے الفاظ ختم ہوئے وہ جہاز گر گیا حالانکہ اس کو کچھ بھی مارا نہیں گیا تھا اور کابل ریڈیو سٹیشن نے یہ اعلان کیا کہ جو طیارہ گرایا گیا تھا اس میں ایک روسی جرنیل سوار تھا۔ چنانچہ یہ (توحید) ایک عقیدہ ہے، انسانی روح کی خوف سے آزادی ہے، موت اور مقام کے خوف سے۔

اور یہ ہمارے درمیان شیخ تمیم العدنانی موجود ہیں۔ شیخ تمیم، ۱۴۰۶ھ کی تیسویں رمضان کو جب روسیوں نے تین کمیونسٹ برانچوں کو بروئے کار لاتے ہوئے آپریشن کیا، یعنی تین ہزار افواج مع ٹینکوں، طیاروں اور میزائل لانچروں کے...... اور ایک لانچر میں بیک وقت اکتالیس (۴۱) میزائل ڈالے جاسکتے ہیں جو بیک وقت داغے جاتے ہیں، آپ کی طرف اکتالیس میزائل آئیں جس سے آپ کے پیروں کے نیچے جو پہاڑ ہو وہ بھی ہلنے اور کانپنے لگ جائے۔ مارٹر، مشین گنیں اور بھاری توپیں، پانچ روسی بریگیڈیں جن میں سے ایک سپیکناز بریگیڈ بھی تھا، حد درجے تیز رفتار بریگیڈ جسے 'روسی بجلی' کہا جاتا ہے۔ اور شیخ تمیم اس جنگ میں موجود تھے اور ان کا وزن کوئی ۱۴۰ کلو ہے، اسی لیے جب شیخ کو کسی پر غصہ آتا ہے وہ کہتے ہیں 'میں تمہارے اوپر بیٹھ جاؤں گا!' بس! اور اس کا مطلب یہ کہ وہ آپ کو مار دیں گے!

چنانچہ شیخ تمیم عدنانی ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے 'اے موت دینے والے میں رمضان کے آخری دن شہادت چاہتا ہوں۔' تیسویں رمضان تھی، آخری دن تھا، انہوں نے قرآن کی تلاوت شروع کر دی، اور پورا ایک پارہ پڑھ لیا جبکہ ان کے چہرے کے سامنے سے، اور کان کے پاس سے گولیاں گزر رہی تھیں۔ کوئی یہ یقین بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ابھی تک اس درخت کے نیچے زندہ ہوں گے، جبکہ طیارے بمباری کر رہے تھے، اور دشمن کے گولے اور میزائل ان کی جانب داغے جا رہے تھے۔ وہ درخت پوری طرح جل گیا، شعلے بھڑک اٹھے، ایسے میں آپ اپنے پاس بیٹھے شخص کو بھی پورا جملہ نہیں کہہ سکتے۔ اگر آپ کہنا چاہیں 'تمہارے پاس گولیاں ہیں؟' تو آپ نے اتنا ہی کہا ہو گا کہ 'تمہارے پاس' کہ اگلا لفظ اپنی جانب آنے والے راکٹ یا مارٹر یا بم کی وجہ سے نہیں کہہ سکیں گے، اور آپ کا جملہ کبھی پورا نہیں ہو سکے گا (حالت اتنی سخت تھی)!

جب بھی شیخ تمیم کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں جنت کا ذکر ہو مثلاً أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، "یہ اہل جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"، تو اس کو بار بار دہراتے کہ شاید جب میں جنت کہوں تب مجھے گولی لگے۔ تو اسی طرح انہوں نے پہلا پارہ ختم کر لیا، دوسرا بھی ختم کر لیا اور جب وہ ایسی آیت سے گزرتے جس میں جہنم کا ذکر ہو تو اس سے جلدی سے گزرتے اس ڈر سے کہ کہیں دوزخ کے بارے میں پڑھتے ہوئے انہیں گولی نہ لگ جائے۔ انہوں نے تیسرا پارہ پڑھ لیا، چوتھا پڑھ لیا، پانچواں پڑھ لیا، یہ سب ایسی ہولناک حالت میں جو انسان کو اس کا نام بھی بھلا دے۔ واللہ! میرے بھائیو! ہمارے لیے مشکل ترین بات استنجا کے دوران ہوتی تھی، کیونکہ کسی کے لیے یہ سوچنا ممکن تھا کہ وہ استنجا کے لیے جائے گا اور زندہ بچ جائے گا، اس بات کا خوف ہوتا کہ اسی دوران شہید نہ ہو جائیں، یہ ہمارے اوپر ایک بوجھ ہوتا تھا۔

چنانچہ پھر شیخ نے کہا، "اے اللہ! اگر شہادت نہیں تو کم از کم ایک زخم ہی سہی!"، چھ منٹ گزر گئے، سات منٹ، مسلسل چار گھنٹے گزر گئے جبکہ وہ لگاتار بمباری کے نیچے تھے گویا بارش ہو رہی ہو......

شیخ تمیم کہتے ہیں، "اس دن مجھے یہ سمجھ آیا کہ کوئی موت نہیں ہے، کوئی مر نہیں سکتا مگر اس خاص لمحے میں جو رب العالمین نے مقدر کر رکھا ہے۔ اور کوئی بھی خطرے میں ڈالنے والا خوفناک اقدام مقررہ وقت کو قریب نہیں لاتا، نہ ہی تحفظ اور امن موت کو دور بھگاتا ہے"۔

یہ وہ چیز ہے جو انہوں نے ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ میں پڑھی تھی، جن کی شریانیں جل رہی تھیں اور جن کی روح اپنے دور کے میزائلوں سے پِس رہی تھی...... توحید کا عقیدہ، موت اور سازوسامان کی عدم فراہمی سے بے خوفی کا عقیدہ......

آپ کو ایسا شخص ملے جو ایک عام زندگی گزار رہا ہو، اگر اس سے کہا جائے کہ انٹیلی جنس ایجنٹ تمہارے گھر آئے تھے تو وہ، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، مفلوج ہو جائے۔ یا آپ اس کو یہ بتا دیں کہ میں نے CIA کے ایجنٹوں کو تمہارے گھر کے دروازے پر کھڑے دیکھا تھا، تو بس یہی کافی ہو گا! پورا ہفتہ وہ سو نہیں سکے گا، آرام نہیں کر سکے گا اگر اس کی فجر کی نماز بھی سات دن قضا ہو جائے! تب بھی وہ اللہ سے اتنا نہیں ڈر سکتا جتنا وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ 'میں نے تمہارے گھر کے سامنے ایجنٹ دیکھا ہے!'۔

وہ ایجنٹ سے کیوں خوفزدہ ہوتا ہے؟ کیونکہ وہ اپنے رزق کے لیے خوفزدہ ہے یا اس بات سے کہ اس کا مقررہ وقت آجائے گا۔ کیا کوئی اور وجہ ہے؟ قطعاً نہیں، یا موت کا خوف ہے یا معاش کے نقصان کا۔ لہٰذا یہ خیال، لوگوں کے دلوں میں ایک ایسا ڈراؤنا بھوت بن گیا ہے جو ان کے بستروں پر جھپٹتا ہے کہ وہ خوف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔

لیکن اگر آپ کو معاش کا یا موت کا خوف نہیں ہو گا، تو آپ کو ان سے ڈر بھی نہیں لگے گا۔ جیسے اگر آپ کو ابھی یہ کہا جائے کہ 'روسی انٹیلی جنس آپ کے پیچھے پڑی ہوئی ہے'۔ تو کیا آپ پر کوئی اثر ہو گا؟ حتیٰ کہ افریقی انٹیلی جنس بھی آپ کو کچھ خوفزدہ کرے گی کیونکہ ان کے پاس آپ کے گھر تک پہنچنے کے طریقے ہیں (مصر، الجیریا، سوڈان وغیرہ میں)۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد ہی اس بیماری کا علاج ہے...... ایجنٹوں کے خوف، موت کے خوف اور رزق کی کمی کے خوف کی بیماری کا۔

انسان کی سب سے قیمتی چیز جو اس کے پاس ہے وہ اس کی روح ہے...... اور جب آپ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دن رات اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرتے ہیں، اس کو قبول کر لے...... اگر وہ اسے نہیں چنتا تو اس پر غمگین ہوتے ہیں: پھر اس کے بعد آپ کو اللہ کے سوا کس چیز کا ڈر رہ جائے گا؟

جب ایک نوجوان پر خطر وادیوں سے گزرنے کا عادی ہو جائے

تو پھر سب سے آسان چیز جس پر سے وہ گزرتا ہے کیچڑ ہے

جو روزانہ موت کے منہ میں ہو کیا کیچڑ اس پر کوئی اثر کرے گا؟ کیچڑ اس کو کچھ بھی پریشان نہیں کرے گا۔ لہٰذا توحید، اور اس کا انسان کی روح میں پیوست ہونا...... اب آپ یہ سمجھ چکے ہیں کہ یہ روح میں پروان نہیں چڑھ سکتا، یعنی روح میں مضبوطی سے جم نہیں سکتا، سوائے جہاد کے ذریعے۔

اور ایک بنیادی اصول ہے کہ دین کا اکثر علم جہاد ہی کے ذریعے گرفت میں لایا جاسکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا۟ فِى ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُوا۟ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا۟ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ○ (سورۃ التوبۃ: ۱۲۲)

"پس کیوں نہ ایسا ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت نکلے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر سکیں اور جب اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو انہیں ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔"

'تاکہ وہ حاصل کریں' میں لفظ 'وہ' دین کے فہم کے حصول میں نکلنے کے لیے آیا ہے۔ کچھ علما نے دوسری رائے اپنائی ہے اور یہ کہا ہے کہ 'نہیں، جو جماعت پیچھے بیٹھتی ہے وہ دراصل دین کا فہم حاصل کرتی ہے'۔ لیکن ابن عباس، طبری اور سید قطب کے نزدیک زیادہ مستند رائے یہ ہے کہ جو دستہ اللہ کی راہ میں نکلتا ہے وہ دراصل دین کا فہم حاصل کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس کا پوشیدہ حسن محسوس کر سکتے ہیں اور دین ان کے سامنے اپنے جواہر کھول دیتا ہے۔ سید قطبؒ کہتے ہیں:

"بیشک یہ دین اپنا پوشیدہ حسن آرام سے بیٹھ رہنے والے فقیہ پر ظاہر نہیں کرتا جو دین کو دنیا پر نافذ کرنے کی سعی نہیں کرتا۔ یہ دین کوئی کیک نہیں ہے جسے دماغ میں فریز کیا جاسکے۔ بلکہ یہ دین صرف اسی صورت میں سمجھا جاسکتا ہے جب اس کو زندگی کے دائرے میں واپس لانے اور اس کے معاشرے کی از سر نو تعمیر کی کوشش کی جائے۔"

ہاں...... یہ دین، آپ اسی قدر اس کا ادراک کر سکتے ہیں جتنا آپ اس کی خاطر قربانی دیتے ہیں۔ آپ اس کی خاطر کچھ دیں تو یہ بھی آپ کو دے گا۔ 'کچھ دو اور کچھ لو' والا معاملہ...... قربانی دیجیے اور تمام جہانوں کا رب آپ کے لیے دروازے کھول دے گا۔ اس دین کی راہ میں قربانیاں پیش کریں اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی آیات اور احادیث سکھائے گا۔ یہ تو ایک بنیادی اصول ہے کہ آپ بہت ساری آیات نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ آپ اس حقیقت سے نہ گزر رہے ہوں، یعنی حقیقتِ جہاد۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ مثلاً سورۂ توبہ، سورۂ انفال، سورۂ آل عمران، آپ ان سورتوں کو جہاد کے بغیر کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ کیا ان کو سمجھنا ممکن ہے؟

اور یہ جہاد کے فوائد میں سے پہلا فائدہ ہے یعنی انسانی نفس کو توحیدِ الوہیت یعنی توحیدِ عملی کے ذریعے آزادی دلانا! اس توحید کو دل اور روح میں راسخ کرنا یہاں تک کہ انسان رب العالمین سے اس طرح کا طرزِ عمل رکھنا شروع کر دے گویا اسے دیکھ رہا ہو۔

ارسلان نامی قصبہ چہار جانب سے ٹینکوں کے گھیرے میں تھا اور ایک چھوٹا سا مجاہدین کا دستہ تھا جو اسلحے کے ذخائر کی حفاظت پر مامور تھا۔ ٹینک ان کے قریب آرہے تھے اور انہیں زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے اور کوئی بھی ان کی مدد کو باقی نہیں تھا سوائے اللہ کے...... انہوں نے کہا 'اے اللہ کسی کافر کو ہم پر غلبہ نہ دینا!' پھر یکایک جنگ کا پانسہ پلٹتا ہے، ٹینکوں کے خلاف! آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی بھی علاقے میں نظر نہیں آتا، اور اس علاقے میں کوئی ہے بھی نہیں سوائے ان چند بھائیوں کے۔ ٹینک جل جاتے ہیں اور روسی افواج پسپا ہو جاتی ہیں۔ ان پر ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اس سے گزریں وہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں؟

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۶)

"اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب میرے بندے میرے متعلق آپ سے سوال کریں تو (کہہ دو) بیشک میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارے۔"

جلال الدین حقانی (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں:

(باقی صفحہ نمبر 46 پر)

جنت کا راستہ اور دوزخ کا راستہ

تحریر: فضیلۃ الشیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ – اردو ترجمانی: مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط حفظہ اللہ

دیباچہ

مجھے مستقبل کے بارے میں بڑی امید تھی۔ میرا دل زندہ تھا۔ میں نے اپنے لیے بڑے اور دور رس اہداف مقرر کیے تھے۔ اور خواہشوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ یہ سب مجھے آگے سے آگے دھکیلتے چلے گئے۔ پھر ایک وقت آیا کہ امید ٹوٹ گئی۔ مستقبل کھو گیا۔ اور جوانی چلی گئی۔ اب خواہشوں کی انتہا یہ ہے کہ صحت و عافیت سے باقی ماندہ زندگی گزر جائے۔ اللہ میری خطاؤں پر پردہ ڈالے رکھے اور خاتمہ بخیر ہو۔

مقالوں کا یہ سلسلہ میری نشر شدہ کتابوں کی ''ابتدا'' تھی۔ اور میرے گمان میں یہی ان کا ''اختتام'' بھی ہے۔ سنہ ۱۳۴۸ھ میں چار مقالے شائع ہوئے جبکہ میری عمر اکیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ پانچواں مقالہ آج سنہ ۱۴۰۸ھ میں شائع ہو رہا ہے جبکہ میری عمر بیاسی سال کو پہنچ چکی ہے۔ ان دو سالوں کے بیچ میری پوری عمر گزر گئی۔

پہلے چار مقالے توپ کے گولوں کی طرح برسے۔ جن کی ہولناک آواز اور شعلوں نے دمشق کے باسیوں کو جگا دیا۔ لوگوں نے پڑھا تو بعض نے پسند کیا اور بعض ناراض ہوئے۔ کئی ایک نے تعریف کی اور کئی ایک نے تنقید۔ اور ایک مدت تک وہ محفلوں کا موضوع بحث بنے رہے۔ ان پر اخباروں کے کالموں میں اور مسجدوں کے منبروں پر تبصرے ہوتے رہے۔ اب جب کہ یہ پانچواں شائع ہو رہا ہے تو کوئی نہیں جاگا۔ کیونکہ مردے پڑھتے نہیں۔ ہزار افراد میں پانچ ایسے نہ تھے جنہوں نے اسے پڑھا ہو۔ اور وہ پانچ بھی مصروفیت کے انبار تلے اس کے مضمون سے غافل رہے۔ ہم میں سے ہر کوئی اپنی منزل کو پہنچنے کو ہے۔ اور یقیناً ہر راستہ آخر کسی منزل تک پہنچا ہی دے گا۔ ہم سے پہلے لوگوں کو زمین نے اپنی گود میں لے لیا جو کہ اپنے اوپر ہر چلنے والے کو مٹی میں چھپا لے گی۔ میرا اور باقی رہنے والوں کا بھی یہی انجام ہونا ہے۔ اب میرے اور ان کے لیے اللہ کے عفو و درگزر کی امید کے سوا کچھ باقی نہیں۔ اس کی رحمت کی امید، اور پڑھنے والوں کی میرے اور ان کے لیے دعا۔

میری زندگی کے ساٹھ سال مسلسل تالیف و تصنیف اور وعظ و تذکیر میں گزر گئے۔ اگر اس مدت کے عشر عشیر میں بھی میری نیت اللہ کے لیے خالص رہی ہو اور اللہ اسے میرے نامۂ اعمال میں درج کر دے تو میں نے خود بھی فلاح پائی اور اوروں کو بھی دلائی۔ لیکن اگر ان اعمال میں سے کل میری قسمت میں صرف ماتمی مجلسیں، خراج تحسین کے خطبے اور تعزیتی مقالے ہوں تو وائے ناکامی۔

یہ سارا ''یہاں'' رہ جائے گا۔ جبکہ میں تو اس کا طلب گار ہوں جو ''وہاں'' میرا ساتھ دے۔ اللہ کی قسم میرے لیے اس کی مغفرت کے سوا کچھ نہیں۔ میں اپنے رب پر ایمان لایا۔ اللہ کے ساتھ نہ انسانوں کو شریک ٹھہراتا ہوں نہ غیر انسانوں کو۔

اے اللہ اگر تو مجھ سے پوچھے [تجھے کس نے اپنے ربِ کریم کے بارے میں دھوکے میں رکھا؟]۔ تو میں کہوں گا، مجھے دھوکے میں تیرے اپنے آپ کو کرم سے موصوف کرنے نے رکھا۔ اے میرے رب تیرے کرم نے دھوکے میں رکھا۔ اور کرم والا اپنے در پر ندامت، استغفار اور امید لیے کھڑے کو ٹھکراتا نہیں۔

> ''اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ بِنِعْمَتِكَ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔''
>
> ''اے اللہ تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا، اور میں تیرا بندہ ہوں، اور میں اپنی پوری استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، میں اپنے اعمال کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، تیری طرف تیری نعمت لیے لوٹتا ہوں، اور اپنے گناہ لیے لوٹتا ہوں، پس تو میری مغفرت کر دے، اس لیے کہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔''

اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیج۔ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کر۔ میری بھی مغفرت کر دے اور میرے والدین کی بھی۔ میری ذریت و اولاد کی بھی۔ اور تمام مسلمان مرد و خواتین کی۔ کیونکہ تیری رحمت اے رب کسی مسلم پہ تنگ نہیں ہوتی۔

مکۃ المکرمۃ ۲۱ رجب ۱۴۰۸ھ

علی طنطاوی

جنت اور دوزخ کا راستہ

دین کا مفہوم

ہمارے یہاں آج کل عجیب و غریب افکار پائی جاتی ہیں جن سے ہم اپنے بچپن میں ناآشنا تھے۔ اور ہماری زبان پر وہ الفاظ چڑھ گئے ہیں جو ہمارے یہاں استعمار کے وقت وارد ہوئے تھے۔ ان کا ورد استعماری تعلیمی اداروں سے نکلنے والوں اور ان کے زیرِ دست تربیت لینے والوں کی زبانوں پر جاری ہوا۔ اور آج تک جاری ہے۔ بہت سے نوجوانوں نے ان افکار کو سچا مانا۔ اور کیونکہ ہم ان افکار کو رد کرنے سے گریز کرتے رہے تو یہ نوجوان سمجھے کہ یہ سب مسلم حقیقتیں ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ :(دین اللہ کا اور وطن سب کا) اور (دین کو سیاست سے علیحدہ کرو)۔ وہ علماء کو علماء کہہ کر نہیں پکارتے بلکہ مذہبی لوگ (رجال الدین) کہتے ہیں۔ اس طرح کے بہت سے اور جملے ہیں جنہیں ایک گروہ نے حقیقت کے طور پہ تسلیم کر لیا۔ جبکہ دوسرا گروہ شک میں پڑا رہا اور ان کی صحت کے بارے میں دریافت کرتا رہا۔

ایسے افراد پر حکم اس وقت تک نہیں لگایا جاسکتا جب تک کہ لفظ (دین) کو نہ جان لیا جائے۔

تو جان لیجیے کہ جنہوں نے یہ قاعدے وضع کیے تھے وہ عیسائیت کے پیروکاروں میں سے تھے۔ اور ہم نے ان کے قاعدوں کو لے کر اسلام پر لاگو کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان لفظ دین کے مطلب میں بڑا فرق ہے۔

عیسائیوں کے ضخیم دائرۂ معارف (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا) اور مشہور لغات (لاروس) میں دین کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ 'دین وہ ہے جو بندے کا اللہ سے تعلق متعین کرے'۔ اسی لیے ان کے ہاں دین چرچ میں محصور ہو کر رہ گیا ہے جس کا عام زندگی، قوانین اور معاملات سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کے یہاں دین کا مفہوم اس سے کچھ قریب ہے جس کے لیے ہم خاص (عبادات) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

لیکن اسلام میں دین کا یہ مطلب نہیں اور نہ ہی اسلام ان معنوں میں دین ہے۔ کیونکہ اسلام محض (عبادات) پر مقتصر (محض محیط) نہیں۔ اس بات کے ثبوت کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ فقہ کی کتابوں میں سے کوئی کتاب اٹھالیں اور اس کے ابواب پر نظر دوڑائیں۔ وہاں آپ ایک باب عبادات کا پائیں گے جو کہ عیسائیوں کی اصطلاح میں دین ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ معاملات کا باب بھی پائیں گے، جو کہ آج کل دیوانی قوانین میں شمار ہوتے ہیں۔ شادی اور طلاق کا باب بھی ہوگا جو کہ عائلی قانون سے معروف ہے۔ بابِ سیر بھی ہوگا جو کہ بین الاقوامی قانون سے جانا جاتا ہے۔ امامت عظمیٰ کا باب بھی ہوگا جسے دستوری قانون کہتے ہیں۔ حدود کا باب بھی ہوگا جو کہ فوجداری قانون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وراثت اور وصیت کا باب، آداب کا باب، وغیرہ وغیرہ۔

گویا کہ اسلام دین بھی ہے، دیوانی و فوجداری قانون بھی ہے، دستور بھی ہے، بین الاقوامی آئین بھی ہے، اخلاقیات کا درس بھی ہے اور زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی۔

سیاست

اب اگر وہ دین کو سیاست سے علیحدہ کرنے کا کہیں اور ہم یہ قبول کرلیں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عبادات کے باب کو سیاست کے باب سے جدا کر دیں۔ گویا نہ عبادت کا سیاست سے کوئی سروکار نہ سیاست کا عبادت سے۔ مگر ہم کریں کیا اگر سیاست خود دین کا حصہ ہو؟

سیاست سے میری مراد پارٹی بازی نہیں۔ نہ ہی وزارت کی کرسی پر لڑنا ہے اور نہ پارلیمنٹ کی سیٹوں کے پیچھے دوڑنا ہے۔ بلکہ مراد سیاسی احکام اور موٹے موٹے اصول ہیں۔

مذہبی لوگ

اور اگر انہوں نے اپنے پادریوں کو مذہبی لوگ کہا تو وہ اس لیے کہ ان کے پادریوں کا دعا کرنے اور چند مذہبی امور سرانجام دینے کے سوا کوئی کام نہیں ہے۔ جبکہ مسلمان عالم تو دین اور دنیا دونوں کا عالم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اسلام میں دین اور دنیا ایک حقیقت کے دو رخ ہیں۔ نہ کہ جس طرح ہم میں سے بعض جاہل جمعہ کے خطبوں میں کہہ بیٹھتے ہیں کہ یہ نہ ملنے والی سوکنیں ہیں۔

دولت

اور اگر عیسائیوں نے یہ کہا کہ مالدار آسمانوں کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا تو اسلام نے قرآن میں مال کو بھلائی (خیر) قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ...... (سورۃ البقرۃ:۱۸۰)

"فرض کر دیا گیا ہے تم پر کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجائے اگر اس نے دولت (خیر) چھوڑی ہو کہ وصیت کرے۔"

اور انسان کے بارے میں فرمایا:

وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ○ (سورۃ العادیات:۸)

"اور بے شک وہ مال (خیر) سے شدید محبت کرتا ہے۔"

اسلام نے شکر گزار مالدار اور صبر گزار غریب کو فضیلت میں برابر ٹھہرایا ہے۔

ظلم

اور اگر عیسائیوں پر ان کا دین، یا جسے وہ کہتے ہیں کہ ان کا دین ہے، یہ لازم کرتا ہے کہ داہنے گال پر ضرب کھانے والا مارنے والے کے سامنے بایاں گال بھی آگے کر دے، تو اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ زیادتی کو اسی طرح کی زیادتی سے روکیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ (سورۃ البقرۃ:۱۹۴)

"جو تم پر زیادتی کرے تو اس پر تم اسی طرح زیادتی کرو جسطرح اس نے تم پر کی۔"

نیز فرمایا:

جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا (سورۃ یونس:۲۷)

"اور بدی کا بدلہ اسی طرح کی بدی ہے۔"

اور یہی عدل ہے۔ جبکہ اللہ تعالی کا یہ فرمان کہ

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (سورۃ الشوریٰ:۴۰)

"اور جو معاف کرے اور اصلاح کرے تو اسکا اجر اللہ پر ہے۔"

تو یہ احسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے عدل اور احسان دونوں کا حکم دیا ہے۔

یعنی کہ اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ظلم و بغاوت کرنے والی قوت کو زبردست عادلانہ قوت سے روکیں۔ پھر اگر کامیاب ہوئے اور دشمن کو آلیا اور معاف کیا تو معاف کرنا بہتر ہے۔ لیکن یاد رہے کہ مسلمان اپنا ذاتی حق تو معاف کر سکتا ہے کیوں کہ حق کا مالک اگر چاہے تو اپنے حق سے دستبردار ہو سکتا ہے لیکن کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ کے حق سے دستبردار ہو جائے۔

اسلام

اسلام گویا دین بھی ہے اور دنیا بھی۔ عبادت بھی ہے اخلاق بھی اور قانون بھی۔ اس پر وہ لاگو نہیں ہو تا جو اس کے علاوہ کسی دین پر لاگو ہو تا ہے۔ اسی لیے اسلام سیاست سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پہ عرض کرتا ہے کہ جب سورۂ توبہ قرآن کا حصہ ہے اور اسلام کی بین الاقوامی سیاست کی جڑ ہے، تو کیا ہم اغیار کے افکار کی خاطر سورۂ توبہ کو قرآن سے علیحدہ کر دیں؟؟؟ آیا ہم اس سورت کو قرآن سے مٹانے کا فیصلہ کر لیں؟

اقتصاد

اسلام میں تو تمام انسانی مسائل کا حل ہے۔ اس میں اقتصادی نظام کے بھی بہترین اصول ہیں۔ وہ دو باطلوں کے درمیان حق ہے۔ خود غرض سرمایہ دارانہ نظام اور جھوٹے اشتراکی نظام کے درمیان۔

پھر اسلام ہر زمان و مکان کے لیے ہے۔ بینکاری کے جدید اور مختلف قسم کے معاملات کے باوجود کتاب و سنت میں ان کے بارے میں احکام موجود ہیں۔ لیکن وہ فقہ کی کتابوں میں آپ کو نہیں ملیں گے۔ اور ملیں بھی کیسے جبکہ ان کے لکھے جانے کے وقت دنیا میں نہ کوئی بینک تھا اور نہ ان میں لین دین؟ فقہ کی کتاب مغنی میں گاڑی کے بیمہ کا حکم کس طرح ذکر ہو جب وہ گاڑی کے ایجاد اور بیمہ کے نظام کے وجود سے پہلے لکھی گئی ہو؟

تحقیق

ہمارے پیش رو علماء نے کتاب و سنت سے اپنے زمانے کے مسائل کے پورے حل نکالے۔ اب ہمارا کام ہے کہ ہم اپنے زمانے کے مسائل کے حل تلاش کریں۔ حل موجود ہیں لیکن انہیں نکالنے کے لیے تحقیق کی ضرورت ہے۔ بالکل ویسے جیسے ہم کانوں کو کھود کھود کر وہ دھاتیں نکالتے ہیں جنہیں اللہ نے زمین کے پیٹ میں محفوظ کر رکھا ہے۔

تحقیق پر قدرت رکھنے والے علماء پر تحقیق کرنا فرض کفایہ ہے۔ یعنی کہ اگر ان میں سے کوئی بھی مطلوبہ مسائل کی تحقیق نہ کرے تو وہ سب گنہگار ہوں گے۔ مزید یہ کہ ایسی حالت میں ارباب اختیار مغربی قانون کو نافذ کرنے کے لیے اسے اپنا عذر گردانتے ہیں۔ وہ مغربی قانون جن کا نہ تو مصدر اسلام ہے اور نہ ہی وہ مسلمان کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ ان کی مثال تو بنے بنائے کپڑوں کی طرح ہے جنہیں ایک ہی سائز کے مطابق تیار کیا گیا ہو۔ جبکہ اسلام ایسا لباس ہے جسے اللہ نے ہمارے جسم کے مطابق بنایا ہے اور اس سے ہماری ضروریات پوری کر دی ہیں۔ اسلام کے ذریعے ہماری خواہشوں کو حقیقت میں بدل دیا ہے۔ اور اسی میں ہمیں دنیا اور آخرت کی سعادت مندی کا راستہ دکھا دیا ہے۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم کتاب (حکمرانی کے طریقے) میں سچ لکھا ہے کہ ہمارے فقہاء کے عناد اور اللہ کی شریعت کی وسعت کو تنگ کرنے نے حکمرانوں کو غیر مسلموں سے اخذ کرنے پر مجبور کیا۔

جس وقت شام اور مصر کچھ عرصے کے لیے متحد ہوئے تھے اس وقت میں قاہرہ اور دمشق کی عدالت میں مشیر تھا۔ ہمارے اور وکلاء کے درمیان گرما گرم بحثیں ہوتی تھیں۔ اس کے پیش نظر میں نے شام کی وزارت عدل سے شائع ہونے والے رسالہ 'قانون' میں ایک مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا 'نئے مسائل کے پرانے حل'۔ اس میں، میں نے فقہ کی کتابوں میں سے چند جدید مسائل کے حل ڈھونڈ نکالے ہیں جنہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ آج رونما ہوئے ہیں۔ جو تفصیل چاہے تو اس مقالہ کا مطالعہ کر لے۔

حق اور لوگ

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ چلتے ہیں بغیر یہ دیکھے کہ وہ کس راہ پر چل رہے ہیں؟ حق کی یا کہ باطل کی؟ اس طرز کو ہم نے اپنی ذاتی اور اجتماعی دونوں زندگیوں میں اپنایا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ ہم نے اوروں سے (اکثریت) کی پابندی کا بھی نظریہ لے لیا ہے چاہے اکثریت گمراہی پر ہی کیوں نہ ہو۔ شریعت پر عمل کرنے میں جو ہمارے سامنے رکاوٹ پیش ہے وہ لوگوں کا اتباع کرنا ہے۔

میں آپ سے یہ نہیں کہہ رہا کہ لوگوں کی جا بجا مخالفت کرو۔ یا ان کے عام رواج کو چھوڑ دو۔ اگر وہ بوٹ پاؤں میں پہنتے ہیں تو تم اسے گلے میں لٹکاؤ۔ اور اگر وہ پلنگ پر سوتے ہیں تو تم جا کر غسل خانوں کے ٹب میں سوؤ۔ اور اگر وہ بائیں جانب چل رہے ہیں تو تم محض مخالفت کی خاطر دائیں جانب چلو۔

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دین کو معیار بناؤ۔ اور پھر اگر لوگوں کو دیکھو کہ وہ حرام راستے پر چل رہے ہیں تو ان کا ساتھ نہ دو۔

اکثریت

اور اکثریت کی حجت نہ پیش کرنا کیونکہ اکثر لوگ عموماً گمراہی پر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

> وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (سورۃ الانعام: ۱۱۶)
>
> ”اور اگر تم زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کی اطاعت کرو گے تو وہ تم کو اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔“

اور فرمایا ”اور اکثر لوگ اگر تو چاہے بھی تو ایمان نہ لائیں گے“ آپ خود بتائیے کہ کیا حق ہمیشہ اکثریت کے ساتھ رہا ہے؟

اگر ہسپتال کے تین ڈاکٹر فیصلہ کریں کہ مریض کا آپریشن کرنا ہوگا جبکہ تیماردار، نرس، چوکیدار اور چپڑاسی مطالبہ کریں کہ آپریشن نہ کیا جائے اور ان کی تعداد تیس ہو، تو کیا ہم ان تیس کی رائے تسلیم کریں گے یا کہ تین ڈاکٹروں کی؟ اور اگر جہاز کا پائلٹ یہ فیصلہ کرے کہ جہاز اتارنا ہے کیونکہ اس میں تیل ختم ہونے والا ہے، مگر اسّی (۸۰) مسافروں کا مطالبہ ہو کہ سفر جاری رکھا جائے، تو کیا ہم ان اسّی کی بات مانیں گے کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں، یا کہ ایک پائلٹ کی رائے مانیں گے؟

میرے بھائیو! انسان کی پہچان حق سے کی جاتی ہے نہ کہ حق کی پہچان انسانوں سے۔ ایک کی رائے جس کے پاس روشن دلیل ہو ان ہزاروں کی رائے سے بہتر ہے جن کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اگر باطل کے پیروکاروں کی تعداد لاکھوں یا کروڑوں ہو جائے اور روئے زمین پر صرف ایک حق پرست رہ جائے تو وہ ان کروڑوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو گا۔

کیا آپ کو یاد نہیں کہ جب ہٹلر، مسولینی اور ان جیسے غاصب نازی ازم، فاش ازم اور اپنے اپنے نظریات کا پرچار کرتے تھے تو لاکھوں افراد کے مجمعے ان کے حق میں نعرے لگاتے تھے۔ اب وہ کہاں گئے؟ ہم نے کتنے عرب زعماء کو ایسی عوام سے خطاب کرتے دیکھا ہے جو سنتے ہیں پر سمجھتے نہیں۔ ان کی ناسمجھی کی دلیل یہ ہے کہ وہ مقرر کی آدھی بات کاٹتے ہوئے، مبتدا کی خبر آنے سے پہلے یا فعل کا فاعل جاننے سے پہلے، نصف جملے میں نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں، یا مسخروں اور پاگلوں کی طرح چیخیں مارتے ہیں؟ کیا یہ نعرے لگانے والے وہی لوگ نہیں جو سابقہ لیڈر کے لیے اس کے زمانے میں نعرے لگانے کے لیے جمع ہوئے تھے؟ اور وہ آئندہ بھی ایسے جلسے کرنے والوں کے لیے نعرے لگاتے رہیں گے؟ ان کی اپنی زبان نہیں ہوتی۔ وہ وہی دہراتے ہیں جو ان سے کہا جائے۔ ڈھول انہیں جمع کرتا ہے اور ڈنڈا انہیں الگ کرتا ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے! اللہ کو ان جیسوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

بقا

وہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک ہی ہوتا ہے۔ اور بہتر چیز ہی باقی رہتی ہے۔ یہ ان کے ہاں ترقی کا معیار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کائنات میں یہ اللہ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہو۔ لیکن دین کے معاملے میں ایسا نہیں۔ اگر ان کے دنیاوی ملحد مذاہب ہی صحیح ہیں اور یہی بہتر ہیں تو پھر باقی بھی رہیں گے۔ اور اگر اللہ کا دین صحیح ہے، اور اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو شریعت بنائی ہے وہ بہتر ہے تو پھر اللہ کی وہ کتاب باقی رہے گی جو اس نے نازل کی اور جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے۔ اور ہمارے زمانے کی گمراہیاں اسی طرح نیست و نابود ہو جائیں گی جس طرح اس سے پہلے سینکڑوں گمراہیاں غائب ہوئیں۔ کہاں گیا وہ، جس کی طرف ہٹلر اور مسولینی بلاتے تھے؟ اور ان سے بھی پہلے وہ کہاں گیا جس کی طرف فرعون و ہامان بلاتے تھے؟ یہ سب مذاہب بھلا دیے جائیں گے۔ انہیں اونچی اونچی جامعات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طالبعلموں کے سوا کوئی نہ جانے گا۔ لڑکے آکر ان کے بارے میں ایسے ہی پوچھیں گے جیسے آج وہ قرمطی، مزدکی اور مانوی ادیان کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

بے وقوف

باطل کا ایک وار ہوتا ہے مگر جیت حق کی ہوتی ہے۔ لہٰذا باطل کے وار سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اپنے اسلام میں شک نہ شروع کر دینا۔ لوگوں کے عارضی حقائق کو اپنے دین کی ازلی حقیقت کے آگے نہ رکھو۔ یہ کہہ کر اپنے آپ کو بے وقوف نہ بنانا کہ اگر لوگ اچھا کریں گے تو ہم بھی اچھا کریں گے، اور اگر لوگ برا کریں گے تو ہم بھی برا کریں گے۔ اگر لوگ سود کا لین دین کریں گے تو ہم بھی ان کی طرح کریں گے۔ اگر وہ اپنا ستر کھولنا شروع کر دیں تو ہم بھی اپنی عورتوں کا پردہ اتار دیں گے۔ اگر لوگ اللہ کے احکام کو چھوڑ کر انسانوں کے بنے ہوئے قوانین اپنا لیں گے اور اپنے اداروں میں انہی کے مطابق فیصلے کریں گے، تو ہم بھی ان کی طرح کریں گے؟ نہیں...... مگر حق کا اتباع کرو۔

قدیم جاہلیت سے بدتر

بہت سے مسلمانوں نے شریعت چھوڑ کر ایسے طور طریقوں کو اپنایا ہے جنہیں ہمارا دین رد کر چکا ہے۔ بعض مسلمان ممالک جاہلیت کی پرانی عادات کی طرف لوٹ گئے ہیں۔ بلکہ کئی تو جاہلیت سے بھی بری عادات اپنا چکے ہیں۔ قدیم جاہلیت میں شرک تھا جو کہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ لیکن سچائی، مروت اور عزت و آبرو پر غیرت جیسی صفات بھی تھیں۔ کیا آپ لوگوں نے ایسی مخلوط محفلوں کے بارے میں سنا یا پڑھا ہے جس میں نیم عریاں عورتیں اجنبی مردوں کے ساتھ شریک ہوں اور اس دوران ابولہب کی بیوی ابو جہل کے ساتھ رقص کرنا شروع کر دے؟ کیا جاہلیت کی عورتوں میں سے کسی عورت کے بارے میں سنا ہے کہ وہ مردوں کو اپنی شرمگاہ کھول کے دکھاتی ہو یا دریا میں ان کے سامنے ایسی حالت میں نہانے اترتی ہو جبکہ اس کے جسم پر دو شرمگاہوں اور سینے کے کچھ حصے کے علاوہ کچھ نہ ڈھکا ہو۔ کیا آج جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ان میں سے ایسے نہیں جو یہ کام کرتے ہیں؟ انہی کو امیر شکیب جغرافیائی مسلمان کہتا ہے۔

میں کسی کی ذاتی مذمت نہیں کر رہا اور نہ ہی کسی خاص شخص کی بات کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کی یہ صورت حال سب پر ظاہر ہے۔ آپ لوگ بہتر جانتے ہیں۔ کسی کو ضرورت نہیں کہ وہ آپ لوگوں کو بتائے۔

شریعت کی پیروی

اے بھائیو...... میں جو آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ شریعت کے احکام کی پیروی کریں چاہے وہ احکام لوگوں کے طرز زندگی کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ نہ یہ کہ شریعت کی

مخالفت میں لوگوں کی پیروی کریں۔ اور یاد رکھیں کہ لوگ آپ کو اللہ سے نہ بچا سکیں گے، البتہ اللہ آپ کو لوگوں سے بچا سکتا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ میرا آپ سے یہ مطالبہ آپ کے لیے کتنا مشکل ہے۔ اس پر وہی پورا اتر سکتا ہے جسے اللہ کی طرف سے تائید حاصل ہو۔ ہم آخری زمانے میں ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ 'اُس میں دین پر کاربند رہنے والا ایسے ہو گا جیسا کہ کوئی اپنے ہاتھ میں انگارہ پکڑ لے'۔

لیکن یاد رکھیں کہ دنیا کے انگارے پر صبر کرنا آخرت کے انگاروں پر صبر کرنے سے بہت آسان ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث یاد رکھیں۔ کاش کہ ہر ایک اسے لکھ کر اپنی میز پر نمایاں رکھے یا اپنی مجلس میں آویزاں کرے تا کہ صبح شام اسے دیکھ سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "جس نے اللہ کی رضا لوگوں کو ناراض کرتے ہوئے طلب کی اللہ خود بھی اس سے راضی ہو جائے گا، اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دے گا۔ اور جس نے لوگوں کی رضا اللہ کو ناراض کرتے ہوئے طلب کی تو اللہ خود بھی اس سے ناراض ہو گا اور لوگوں کو بھی ناراض کر دے گا۔"

ہمارے علاقوں میں بہت سے نعرے ابھرے ہیں۔ بائیں جانب والے، دائیں جانب والے، قوم پرستانہ، قسم قسم کے فرقہ وارانہ۔ آپ ان سب کو چھوڑ کر اسلام کی دعوت کو تھامیں۔

مثال

میں نے اپنی کتاب 'دین اسلام کا ایک عام تعارف' کے شروع میں ایک مثال دی تھی کہ ایک بڑے بیابان میں گاڑیوں کا پختہ راستہ گزر رہا ہے۔ یہ راستہ مشرقی آبادیوں کو مغربی آبادیوں سے ملاتا ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ سیلاب نے راستہ کے درمیان کئی حصوں کو خراب کر دیا ہے۔ اب پورا راستہ نہایت پتھریلا اور دشوار گزار ہو چکا ہے۔ لیکن جب تک مرمت نہیں ہو پاتی گزرنا بھی اسی پر سے ہے۔

اس علاقے میں پائے جانے والے بہت سے فسادی گروہوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچے راستے کے اطراف سے بغلی راستے نکالے ہیں اور ان کی شروعات کو پختہ کر دیا ہے تا کہ لوگوں کو دھوکا دے سکیں۔ دونوں اطراف پر قہوہ خانے، سرائے اور قحبہ خانے کھول رکھے ہیں جن سے موسیقی اور گانے بجانے کی آوازیں آتی ہیں۔ جاہل سمجھتا ہے کہ یہ حقیقی سرائے اور مے خانے ہیں حالانکہ وہ شراب، جوئے اور بدکاریوں کے ذریعے ان کے پیسے لوٹنے کے بہانے ہیں۔ جو داخل ہوتا ہے وہ قلاش ہو کر ہی نکلتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ساتھ ساتھ ایسی بیماریاں بھی لیتا نکلے جو اسے اس وقت تک نہ چھوڑیں گی جب تک اس کی روح اس کے بدن سے نہ نکل جائے۔ حکومت نے ایسے مقامات سے خبر دار کرنے کے لیے بڑے بڑے کتبے لگا رکھے ہیں جن پر سیدھے راستہ کی سمت بھی بتائی گئی ہے چاہے وہ بظاہر دیکھنے میں کتنے ہی ناہموار کیوں نہ نظر آتے ہوں۔

اگر آپ کا ایسے دیس میں آنا ہوا اور آپ اپنے سامنے یہ دشوار راستہ دیکھیں جس میں پتھر اور تکلیفیں بھری پڑی ہیں لیکن وہ امان اور اطمینان کی طرف لے جاتا ہے۔ سہولیات سے آراستہ بڑے شہروں کی طرف جہاں آپ ہمیشہ کے لیے رہنا چاہتے ہوں۔ اور ساتھ ہی وہ بغلی راستے بھی دیکھیں جو بظاہر ہموار اور آسان ہیں۔ جن میں کھانا پینا بھی دستیاب ہے اور راحت اور لذت بھی۔ لیکن جو ان پر چل نکلا اس نے اپنی صحت اور دولت دونوں کھو دیے اور واپس بیمار اور بے مال لوٹا۔

تو ان دونوں میں سے آپ کون سا راستہ چنیں گے؟ کیا آپ سیدھے راستہ کی تکالیف اور ناہمواریاں اس امید پہ برداشت کر لیں گے کہ اس کے آخر میں آپ کو امن اور خوشی نصیب ہو گی؟ یا کہ ان بغلی راستوں میں وقتی لذت سے دھوکہ کھا بیٹھیں گے؟

راستے

میرے بھائیو یہی جنت اور دوزخ کے راستوں کی مثال ہے۔

جنت کا راستہ مشکل ہے، لیکن اس کے آخر میں دائمی سعادت ہے۔ اور دوزخ کا راستہ آسان ہے، لیکن اس کے آخر میں ہمیشہ کے لیے بدبختی ہے۔ جنت کو مکروہات نفس سے آراستہ کر دیا گیا ہے، اور دوزخ کو شہوات نفس سے۔

دوزخ کی طرف بلانے والے کے پاس ہر قسم کی لذات ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ خوبصورت عورتوں کی طرف دیکھ۔ حرام مال سے لطف اٹھا۔ جو تیرا جی چاہے وہ کر۔ جب تو چاہے تو اپنے نفس کو اس کی شہوت فراہم کر دے۔ جب غصہ آئے تو طیش میں آ جا۔ جس چیز میں رغبت ہو اٹھا لے۔ جس گھڑی میں تم ہو اس کے سوا کی فکر نہ کر۔ اباحت پسند بن یا دہریہ ہو جا۔ موت کو یاد نہ کرنا۔ اپنے آپ کو آخرت کی فکر سے آزاد کر دے۔ یہ سب آسان اور جی کو بھاتا ہے۔

فساد برپا کرنا آسان ہے۔ اس لیے کہ فسادی آپ کو ناچ گانے کی طرف لے جائے گا تا کہ آپ کا نفس وہ دیکھے جس کی طرف وہ مائل ہے۔ وہ تھیٹر لے جائے گا تا کہ لباس سے عاری عورتوں کو دیکھ سکو۔ آپ کو بے ہودہ میگزین، اخلاق سوز کہانیاں اور ننگی تصویریں دے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے لوگوں کے پتے بھی دے، یا پھر تم کو خود ادھر لے بھی جائے۔

جبکہ اصلاح پسند کے پاس کیا ہے؟ اس کے پاس ہوائے نفس سے رکنے کے سوا کیا ہے۔ تمہارے سامنے حرام خوبصورتی لائی جائے تو تجھ سے کہے گا خبر دار اگر لی۔ خبر دار! اپنے نفس کی پیروی نہ کر۔ پر لطف نیند کو چھوڑ و اور فجر کی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ کھانے کی رغبت کی مخالفت کرتے ہوئے رمضان کے روزے رکھو۔ تکلیفیں برداشت کرو اور حج پر نکل چلو۔ جب غیبت سنائی دے اور تیرا جی چاہے کہ تو بھی شریک ہو، تو تم سے کہے گا: غیبت نہ کرو۔

بلکہ اس مجلس کو ہی چھوڑ دو اگر بات نہ بدلی گئی۔ اگر عورتیں فیشن کی پیروی کریں اور مختصر لباس پہنیں، تو وہ کہے گا: ان کی طرح نہ کرو۔ اپنے پردے پر قائم رہو۔

جنت کے راستے کی ابتدا مشکل ہے، لیکن اگر تو نے اس کی مشکلات پر صبر کیا تو دائمی لذت کے ٹھکانے پر پہنچا دے گا۔ اور دوزخ کے راستے کی ابتدا آسان اور خوبصورت ہے، لیکن اگر اس کی خوبصورتی نے تجھے دھوکہ دے دیا تو وہ تجھے دائمی بدبختی کے ٹھکانے پر پہنچا دے گا۔

امتحان کی رات طالب علم کی طرح، اگر اس کے اہل خانہ مل کر ٹی وی پر کوئی خوبصورت فلم بیٹھے دیکھ رہے ہوں، اور اس کا جی چاہ رہا ہو کہ وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائے۔ اگر وہ اپنے ہوائے نفس کی پیروی کرے اور وقتی لذت کو ترجیح دے تو امتحان میں ناکام ہو جائے گا۔ اور اگر اپنے نفس کی رغبت سے لڑ کر کتاب اور سبق کی طرف گیا، تو وہ فلم دیکھے نہ دیکھے کامیابی کی لذت پالے گا۔

قوت

اور قوت تو نفس سے لڑنے میں ہے۔ اگر ریڈیو میں ایک اچھی دینی تقریر سن رہے ہو یا اخبار میں پڑھ رہے ہو اور ساتھ ہی دوسرے سٹیشن سے فلاں فنکار یا فنکارہ کا خوبصورت نغمہ سننے میں آئے لیکن ان نغموں کی پرواہ کیے بغیر آپ پھر بھی تقریر سننے میں لگ جائیں تو آپ مضبوط ارادے کے مالک ہیں۔ اس لیے کہ آپ نے مشکل راستہ اپنایا۔

اس طرح تو آپ نے اونچی منزل سَر کی۔ اور اونچائی کی طرف چڑھنا مشکل ہی ہوتا ہے جبکہ نیچے اترنا نہایت آسان۔ شہوتوں کی پیروی کرنا اس پتھر کی طرح ہے جو پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکا کر نیچے آئے۔ آپ اسے اپنی جگہ سے صرف ہلائیں گے ہی تو وہ بغیر کسی زور کے خود بخود نیچے گرتا جائے گا۔ زور، تھکاوٹ اور مشکل تو اس کو اپنی جگہ واپس لانے میں ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر پانی کے ٹینک میں مینخ سے سوراخ کریں تو اس کا پانی وادی میں بغیر کسی محنت کے بہہ جائے گا۔ تکلیف اور تھکن تو اس کو واپس اپنی جگہ لانے میں ہے۔ پس جسے تن آسانی پسند ہے اور وہ تنگ نہیں ہونا چاہتا، نہ ہی اپنے نفس کی مخالفت کرنا چاہتا ہے، اور نہ ہی کوئی تکلیف سر لینا چاہتا ہے، تو اس طرح کا شخص جنت کے راستہ پر نہیں چل سکتا۔

جو سفر پر نکلے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی مشکلات اور مصائب کے لیے تیار رہے۔ مرغوب گناہوں پر صبر کرتے ہوئے ان کے قریب تک نہ پھٹکے۔ اور مشکل عبادتوں پر صبر کرتے ہوئے ان میں کوتاہی تک نہ برتے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّهُ الَّذِينَ جَاهَدُواْ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ۝ (سورۃ آل عمران: ۱۴۲)

”بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں۔“

عمل

میں لوگوں کو دیکھتا ہوں جب ریڈیو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی جاتیں ہیں، جن میں نور اور ہدایت ہے، تو عموماً ان میں سے کوئی اکا دکا ہی توجہ دیتا ہے۔ ہاں اگر دعا ہو یا ایسے الفاظ جن سے مغفرت ہو جائے اور ان کے بدلے جنت ملے تو شاید کوئی توجہ دے۔ لیکن اگر کسی عمل کی طرف دعوت ہو تو کوئی بھی توجہ نہیں دیتا۔

میرے بھائیو!

لگتا ہے کہ ہم کام نہیں کرنا چاہتے بلکہ جنت میں محض اپنی باتوں سے ہی داخل ہونا چاہتے ہیں۔

(طريق الجنة وطريق النار، على الطنطاوى، مكتبة المنار، مكة المكرمة، الطبعة الثانية، ۱۴۱۰ھ-۱۹۸۹م.)

☆☆☆☆☆

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّصغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔

’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ (سابقہ ’نوائے افغان جہاد‘) ہے۔ لہٰذا ’نوائے غزوۂ ہند‘ کے تمام معزز قارئین سے گزارش ہے کہ مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ کو تمام مکاتبِ فکر سے وابستہ علمائے کرام، طلبائے علمِ دین، داعیانِ دین...... اور اہلِ فکر و دانش، طلبہ، اساتذہ، صحافیوں، سماجی کارکنوں، ملازمت پیشہ حضرات...... الغرض ہر شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ اہلِ ایمان تک پہنچایئے اور اس فریضے کی ادائیگی میں حصہ ڈالیے!

برِّصغیر کے حکمرانوں کے خلاف لڑنا مسلمانوں پر کیوں واجب ہے؟

مولانا مفتی فضل الرحمٰن قاسمی حفظہ اللہ

'مفتی فضل الرحمٰن قاسمی' حفظہ اللہ کا تعلق شہید سراج الدولہ، سید تیتومیر اور حاجی شریعت اللہ ﷭ کی سرزمین سے ہے جس کے بیشتر حصے کو آج بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے اور آپ نے یہ تحریر بنگلہ دیش میں ہی قلم بند کی ہے۔ (ادارہ)

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد

اسلامی دنیا اور مسلمانوں کے غالب طبقے کے موجودہ حالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے لیے یہ بات تسلیم کرلی اور اپنی قسمت کے لیے یہ طے کر بیٹھے ہیں کہ وہ آئندہ کبھی دنیا اور اہلِ دنیا کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہیں تھامیں گے جو اس دنیا کے سفر کی ابتدا سے انہیں کے ہاتھ میں تھی۔

انہوں نے اپنی تمام ذمہ داریاں ان لوگوں کے حوالے کر دی ہیں جو ان کے معبودِ حقیقی، یعنی اللہ کے دشمن ہیں، ان کی جان سے محبوب اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، تمام مسلمانوں کے دشمن ہیں، خود ان کے جانی ومالی دشمن ہیں اور ساری موجودات وکائنات کے دشمن ہیں۔ وہ اپنی ذمہ داریاں خود سنبھالنے کی ہمت ایک دم کھو چکے ہیں، چاہے وہ ذمہ داری اپنے معبودِ حق کی وحدانیت کی تائید واثبات کے بارے میں ہو، یا وہ ذمہ داری اپنے طرزِ حکمرانی میں ہو، یا وہ ذمہ داری اپنے قوانینِ زندگانی کے بارے میں ہو، یا وہ ذمہ داری اپنی ذاتی، عائلی اور سوسائٹی کی بول چال اور شب وروز کے چھوٹے بڑے ہر قول وفعل کے بارے میں ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ، مسلمانوں کے عقیدے "معبود حق ایک اللہ تعالیٰ ہے اس کا کوئی شریک نہیں" کو کسی رام جی اور کسی مسٹر جی سے منظور کروانا ہوگا، مسلمان اپنے ملک اور اپنی عدالتیں کس آئین اور کس قانون سے چلائیں گے یہ قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کے بجائے غیر مسلم سربراہوں سے پوچھنا اور ان سے سیکھنا پڑے گا، کوئی مسلمان اپنی شخصی اور عائلی زندگی میں کس طرزِ عمل پر زندگی بسر کرے گا یہ اللہ کے کسی دشمن سے پوچھنا پڑے گا، کوئی مسلمان اگر اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر اس کو زندگی کے لیے اپنے اوپر حرام کرلے تو اس حرام بیوی کے ساتھ باقی زندگی گزارنی پڑے گی یا نہیں یہ فتویٰ کسی ہندو سے لینا پڑے گا، مسلمان لڑکے کی کسی لڑکی سے قربت کے لیے شادی ضروری ہے یا نہیں یہ فتویٰ بھی کسی عیسائی یا کسی ایسے شخص سے طلب کرنا ہوگا جو اس کائنات کے لیے نہ کسی خالق کو مانتا ہے اور نہ وہ اس دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد کسی زندگی کا قائل ہے۔

آج کی دنیا میں یہ باتیں کوئی خیالی اور احتمالی چیز نہیں، یا یہ کسی مایوس اور لاچار آدمی کا خوابِ بد (براخواب) نہیں، بلکہ یہ روزمرہ کی حقیقت ہے اور صبح وشام کا واقعہ ہے۔ البتہ احساس اور نظر عبرت کا حال اتنا ہی مختلف ہے کہ، ان حالات سے دوچار ہو کر کسی کی نیند تک حرام ہو گئی ہے، منہ کا ذائقہ تک خراب ہو گیا ہے، چین کی زندگی عرصے سے مفقود ہے اور اس کے برخلاف کسی کی بے فکری اور خوشی کا عالم ایسا ہے کہ، صبح وشام کی سیر وتفریح اور دن رات کی آسائش و زیبائشِ عمر کی فکر میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑا۔ اور اس آسمان وزمین جیسے فرق کے مابین ہم جیسوں کے اتنے درجے ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں۔

حالت یہاں تک جا پہنچی کہ قطعی اور واضح فرائض شبہات اور خیالات شمار کیے جا رہے ہیں، روزانہ کی ضروریاتِ دینیہ کو بے فائدہ کہا جا رہا ہے، صبح وشام کے واجبات کو بے ثمرہ اور بے نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے، قرآن، حدیث اور فقہِ اسلامی کے حوالوں کو غیر علمیت اور سطحیت سے تعبیر کیا جا رہا ہے، نقدِ علمی کو سوئے ادب وبدتمیزی کا عنوان دیا جا رہا ہے۔

ان حالات سے متاثر ہو کر اور گھبرا کر اہلِ قلم اور اہلِ فکر حالاتِ حاضرہ کے بعض خاص مسائل میں اپنے قلم اٹھاتے ہوئے بے حد جھجک محسوس کرتے ہیں، وہ اپنی فکر وخیالات کو دلیل کی رو سے پیش کرنے کی ہمت نہیں کرتے، جب تک کہ وہ فکر اور وہ خیالات معاشرے میں رائج فکر و خیالات کے موافق نہ ہوں۔

لیکن اخروی جواب دہی ایک ایسا مرحلہ ہے جس سے کسی کو چھٹکارا نہیں، اللہ رب العزت کے سامنے ہر امیر وفقیر کا کھڑا ہونا ایک بدیہی حقیقت ہے، اور ہر آدمی کا اپنی ہر ذمہ داری کے لیے جواب دہ ہونا ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ:

برِّصغیر یعنی آج کا پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت تاریخ کی رو سے ہمارا دیس ہے یا ہمارے دشمنوں کا دیس ہے؟ یا دوست ودشمن سب کا دیس ہے؟ یہ سوال اٹھاتے ہوئے مجھے یہ بات صاف طور پر معلوم ہے کہ، آج یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا سائل دوست ودشمن ہر ایک کی نظر میں مخدوش اور موردِ الزام ہے، بلکہ اگر کہا جائے کہ یہ سوال آج کی دنیا میں عجائبِ دنیا اور غرائبِ عالم میں شامل ہے تو یہ کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔

جس وقت میں 'ہمارے' سے ہم مسلمان اور 'دشمن' سے غیر مسلم اقوام مراد لے رہا ہوں اس وقت دنیا میں اقوام انسانی میں یہ فرق اور یہ تقسیم روا نہیں ہے، اور ایسی تفریق کی اجازت نہیں۔

لیکن، جس خالقِ کائنات سے ہمارا رشتہ ہے، جس رسولِ عربی سے ہماری پہچان ہے، اور جن سلفِ امت کے ہم وارث ہیں...... اس خالقِ کائنات کا حکم، اس رسولِ عربی ﷺ کی راہنمائی

اور ان اسلاف کی تاریخ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ، ہم حق بات کو کہے بغیر نہ رہیں۔ ہمارے رب سے ہمیں یہ اجازت نہیں ملے گی، ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ بے وفائی ہو گی اور اسلاف کی امانت کے ساتھ یہ خیانت ہو گی، لہٰذا ہم حق بات تو ضرور کہیں گے، شرعی ذمہ داری کی روسے کہیں گے، قرآن، سنت اور فقہِ اسلامی کی روشنی میں کہیں گے۔ واللہ الموفق والمعین۔

تاریخ بتاتی ہے کہ برصغیر، یعنی پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت کے علاقوں نے مسلمان حکمران اور اسلامی قانون کے تحت ایک طویل مدت گزاری، جس مدت میں یہ سرزمین قرآن، حدیث اور فقہِ اسلامی کی روسے دار الاسلام تھی۔ البتہ اس حقیقت سے ہمیں انکار نہیں کہ اس برِّصغیر کے تاریخی ادوار بہت ہی مختلف بلکہ پیچیدہ بھی ہیں، آپ اگر کہیں کہ اس کی ہر صدی اپنی اگلی اور پچھلی صدی سے مختلف ہے تو یہ خلافِ واقع نہیں ہو گا۔ خاص طور پر اس کی جغرافیائی حدود بہت ہی مختلف ہوتی رہیں اور مسلمان حکمرانوں کے ایمان و عقائد کی حالت بہت ہی مختلف رہی، جن میں بعض تو ایسے بھی گزرے جن کو شریعت کی روسے مسلمان کہنا مشکل ہے اور بعض ایسے تھے جن کو اگرچہ مسلمان کہا جاسکتا ہے لیکن وہ نہ تو صحیح عقیدے کے حامل تھے اور نہ ہی صحیح عقیدے کے ساتھ ان کی کوئی پہچان تھی۔ ان وجوہ کی بنا پر تاریخ کے ہر دور کے حالات کی تشخیص ذرا مشکل ہے۔

لیکن تاریخ کے جس حصے کے بارے میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں اور جس حصہ پر کوئی پردہ نہیں اس کی شرعی حیثیت ہمارے سامنے آجائے تو ہمارے موجودہ مسائل حل کرنے میں ان شاء اللہ بہت مدد ملے گی اور ہم جن مسائل کی پیچیدگی کی وجہ سے دوٹوک بات کہنے کی ہمت نہیں کرتے وہ بھی اجاگر ہو کر سامنے آجائے گی، ان شاء اللہ۔

برِّصغیر (ہندوستان) کی تاریخ میں جن مسلم حکمرانوں نے اسلامی آئین اور شرعی قانون کے مطابق حکومت چلانے کی کوشش کی اور قرآن و سنت کے احکام کو نافذ کرنے میں کچھ حصہ لیا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- الملک الصالح ناصر الدین محمود (۶۶۴ھ)
- الملک العادل غیاث الدین بلبن (۶۸۶ھ)
- الملک الفاتح علاء الدین خلجی (۷۱۶ھ)
- السلطان الکامل شمس الدین التمش (۷۳۳ھ)
- الملک القاہر محمد تغلق (۷۵۲ھ)
- الملک الکریم فیروز شاہ (۷۹۹ھ)
- الملک الفاضل سکندر بن بہلول لودھی (۹۲۳ھ)
- الاداری النابغۃ شیر شاہ سوری (۹۵۲ھ)
- شاہ جہاں تیموری (۱۰۶۸ھ)
- ناصر الدین والسنۃ اورنگ زیب عالم گیر (۱۱۱۸ھ)

ان کے علاوہ اور بھی حکمران اور امراء گزرے جنہوں نے ہندوستان کے مختلف خطوں میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی اور ایک حد تک وہ کامیاب بھی ہوئے۔ اس سلسلے کی آخری جو کڑی تھی، وہ ہے سلطنتِ مغلیہ کے آخری سلطان بہادر شاہ ظفر کہ جن کے بعد حکومت اسلامیہ کے نام سے جو سلطنت باقی تھی وہ بھی مٹ کر رہ گئی۔ یہاں پر ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے کے بارے میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو تاریخی فتویٰ ہے اس کا کچھ پس منظر بھی ہماری گفتگو میں آجائے تو مناسب ہو گا اور زیرِ بحث مسئلہ کو حل کرنے میں ان شاء اللہ تعالیٰ آسانی ہو گی۔

ہم اس تاریخی پس منظر کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے ہیں، بلکہ اس کے اس حصہ کو ہم زیر بحث لائیں گے جس حصے کے ساتھ ہمارے اس مسئلے کی وابستگی ہے، اور جس حصے کو اجاگر کرنے سے ان شاء اللہ ہمیں اس مسئلے کے نتیجے پر پہنچنے میں کوئی تردد نہیں ہو گا، اور جس حصے کے سامنے آجانے سے مسئلے کے حتمی نتیجے کے لیے دوسرے حصوں کی طرف دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

ہندوستان (برِّصغیر) میں جب تک مسلمان حکمرانوں کے ماتحت اسلامی شریعت نافذ رہی تب تک اس سرزمین کو دار الحرب قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اس کا جواز بھی نہیں تھا۔ لیکن جب حالت بدل گئی اور حکومت و حکمرانی مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں سے غیر مسلموں کے ہاتھ میں چلی گئی تو اس برصغیر کی اصلی حالت یعنی شرعی حیثیت کو بیان کرنا ضروری تھا، خاص طور پر ۱۷۵۷ء میں جب نواب سراج الدولہ اور ۱۷۹۹ء میں سلطان فتح علی ٹیپو انگریز کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور مسلمان فوج نے شکست کھائی۔ تو اس برِّصغیر (ہندوستان) میں مسلمانوں کے پاس ایسی کوئی دفاعی طاقت باقی نہ رہی جس سے انگریزوں کا مقابلہ کر سکیں یا اپنے دائرۂ حکومت میں اسلامی آئین اور اسلامی شریعت کو نافذ کر سکیں۔

دہلی میں اس وقت تک مغل سلطنت کا ٹمٹماتا چراغ بجھا نہیں تھا، سلطنتِ مغلیہ شاہ عالم ثانی کے ہاتھ میں تھی، حقیقت میں شاہ عالم کے ہاتھ میں فقط دہلی کے لال قلعہ کے محض کھنڈرات اور شاہی آسائش اور زیبائش کا سامان تھا اور مسلمانوں کے حکمران ہونے کی حیثیت سے ان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا۔ ہندوستان پر نہ مرکزی حکومت کا کوئی کنٹرول تھا، اور نہ کسی مقامی حکومت کا کنٹرول تھا۔ انگریز اور دیگر غیر اسلامی طاقتیں ان حالات کو صحیح طریقہ سے بھانپ چکی تھیں، اور سو فی صد آزادی کے ساتھ حکومت کے مرکزی اداروں کو اپنے ہاتھ میں لے چکی تھیں، قانون ساز اداروں اور تنفیذی اداروں پر اپنا سکہ جما چکی تھیں، فوجی طاقتیں تو ان کے ہاتھ میں پہلے ہی تھیں، یعنی ہندوستان کا ایسا حال تھا جو کسی ذمہ دار عالم کو اور امت کے کسی راہبر کو چین کے ساتھ جینے نہیں دے سکتا تھا، یہاں تک وہ اپنے کاندھوں پر موجود شرعی ذمہ داری کو ادا نہ کرلے اور اپنے فریضۂ منصبی کو بجانہ لائے۔

سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور ایک راہبر ہونے کی حیثیت سے امت کو یہ پیغام پہنچا دیا کہ اب سے تمہاری ذمہ

داری میں کچھ ایسے فرائض شامل ہو گئے ہیں جو تم پر ایک دار الاسلام کے باشندے ہونے کی حیثیت سے پہلے نہ تھے۔

جس پس منظر اور جن وجوہ کی بنا پر یہ فتویٰ وقت کا حتمی فریضہ تھا وہ یہ ہیں:

1. ہندوستان میں اسلام کی قانونی حیثیت مفقود ہو گئی تھی۔
2. ہندوستان کا حاکمِ اعلیٰ مسلمان ہونے کے باوجود اسلامی قانون نافذ کرنے پر قادر نہ تھا۔
3. آئینی اداروں، عدالتوں، قانون ساز اسمبلیوں پر قرآن، حدیث اور اسلامی شریعت کی نگرانی نہ چلتی تھی۔
4. سارے آئینی ادارے، عدالتیں اور قانون ساز اسمبلیاں غیر اسلامی طاقتوں کی اپنی رائے اور ان کے فیصلہ کی نگرانی اور ان کے خیال کے قبضے میں تھیں۔
5. مسلمان اپنی عبادات، معاملات اور اسلامی چال چلن میں اتنا ہی کر سکتا تھا جتنا اس کو غیر اسلامی آئین اور غیر اسلامی حکمرانوں سے کرنے کی اجازت ملتی تھی۔
6. وہ حکومت اپنے خرچ سے مدارس چلاتی تھی، لیکن مدارس میں پڑھائے گئے مسائل کو سماج میں نافذ کرنے نہیں دیتی تھی۔
7. اس حکومت کی باگ ڈور پکڑنے والے مدارس کے صدر بھی بنتے تھے، لیکن قرآن وحدیث کے ضوابط و قوانین کو وہ دل سے ناپسند کرتے تھے۔

یہ وہ حالات تھے جن کا دوست دشمن کوئی انکار نہیں کر سکتا، اور نہ انکار کرنے کی کوئی ضرورت ان کے دل میں ہے، کیونکہ ان حالات نے ایسی ایک باریک اور پوشیدہ تار اور پائپ لائن کے ذریعے اس سماج کو گھیر لیا تھا کہ اکثر و بیشتر کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں کا پانی کہاں پہنچ رہا ہے۔

لیکن اسلام کے بیدار ذمہ داروں کی آنکھیں اس طرح کھلی ہوتی ہیں کہ ان کے سامنے سے خلاف شرع کوئی حالات اور خلاف شرع کوئی مرحلہ چھپ کر گزر نہیں سکتا، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس برصغیر کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور اللہ کے بندوں کا ایک طائفہ ایسا کھڑا ہو گیا جو اس فتوے کی رو سے جو جو کرنا چاہیے تھا وہ سب کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

اس فتوے کا پس منظر اور جن جن وجوہ کی بنیاد پر یہ جاری کیا گیا تھا آج تک برابر ویسی ہی باقی ہیں جیسے دم اجرائے فتویٰ تھیں۔

اس فتوے کے تقریباً دو صدی اور ایک ربع صدی کے بعد کا زمانہ آج ہم گزار رہے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ جس پس منظر اور جن وجوہ سے دو سو، سوا دو سو برس پہلے برصغیر (ہندوستان) کو دار الحرب قرار دیا گیا تھا وہ وجوہ اور حالات آج تک مسلسل وہی چلے آرہے ہیں یا نہیں؟

اس بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ پچھلی ان دو صدیوں میں حالات بدلتے رہے، اور یہ ایک ناممکن بات ہے کہ اتنی لمبی مدت تک حالات بدلے بغیر دنیا چلے، یہ نہیں ہو سکتا، لیکن ہماری بات جو چل رہی ہے وہ شرعی حیثیت سے ہے۔ ہم کہنا چاہتے ہیں کہ شریعت کی میزان میں اگر تولا جائے تو ہر صاحب بصیرت آدمی کو یہ کہنا پڑے گا کہ دو سو برس پہلے کے حالات اور دو سو برس بعد کے حالات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

غور کیجیے کہ:

1. ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی قانون ساز اسمبلیاں، عدالتیں اور کسی آئینی ادارے پر قرآن حدیث اور اسلامی شریعت کی کسی قسم کی نگرانی اور کسی قسم کا غلبہ اور قبضہ نہیں ہے۔
2. برصغیر کے ان تینوں ملکوں میں ہر قانون اور ہر آئین ان ملکوں کے سربراہوں کی رائے اور فیصلے پر بنتے ہیں چاہے وہ سربراہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو۔
3. بلکہ برٹش نے جس آئین پر اس ملک کو چلا کر ایک دار الاسلام کو دار الحرب تک پہنچا دیا، وہی برٹش آئین اور قانون آج بھی اس برصغیر کے ملکوں میں قانون ساز کی حیثیت سے اپنی پوری قدرت، طاقت اور پوری تازگی کے ساتھ کارگر اور برقرار ہے۔
4. ان ملکوں پر ایسے حکمرانوں کا تسلط ہے جو اخروی نجات کے لیے صرف ایک دین یعنی دینِ اسلام کے اتباع کو ضروری نہیں سمجھتے۔
5. برصغیر کے ان ملکوں کے جو حکمران ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اپنے اسلامی قانون پر چلنے کے لیے حکمرانوں کے بنائے ہوئے قانون سے اجازت لینی ہو گی، غیر مسلموں کے بنائے ہوئے قانون سے، اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمنوں کے بنائے ہوئے قانون سے اجازت لینی ہو گی۔
6. ان حکمرانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام کے نام پر قرآن وحدیث کے حوالہ سے کوئی قانون بنانا اور اس کو نافذ کرنا جرم ہے اور قابل سزا جرم ہے۔

ان امور میں بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش یعنی سابق ہندوستان (برِّصغیر) کے ان تینوں ملکوں کا حال برابر ہے۔ فرق جتنا ہے وہ بھی ہم ذکر کر رہے ہیں، اسی طرح شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس برِّصغیر کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا تو اس وقت کی حالت اور آج کل کی حالت بھی برابر ہے، فرق جتنا ہے وہ بھی ہم ذکر کریں گے۔

اس موقع پر ایک بات یاد رہنی چاہیے کہ ہندوستان پر دار الحرب کی حیثیت سے تین مراحل گزارے، ایک مرحلہ تو وہ جب فتویٰ صادر ہو رہا تھا، اس وقت حکمران مسلمان تھا لیکن قبضہ غیر مسلموں کا تھا، عدالت اور آئینی ادارے غیر مسلموں کی نگرانی اور غیر اسلامی قانون کے ماتحت چلتے تھے، یہ مرحلہ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک کا مرحلہ ہے، دوسرا مرحلہ وہ تھا جب حکمران غیر مسلم تھے، یہ مرحلہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا مرحلہ ہے، اور تیسرا وہ مرحلہ ہے جب کچھ حصے پر حکمران غیر مسلم ہیں اور کچھ حصہ پر حکمران مسلم ہیں لیکن ہر حصہ پر قبضہ غیر مسلموں کا ہے، عدالت اور آئینی ادارے غیر مسلم اور غیر اسلامی قانون کے ماتحت ہیں، یہ مرحلہ ۱۹۴۷ء سے اب تک چل رہا ہے۔

ان تینوں مراحل کے مابین جو فرق ہے ان کی تفصیل کچھ ایسی ہے:

پہلے مرحلے اور دوسرے مرحلے میں اس خطے کا نام تھا ہندوستان، اب یہ خطہ تین الگ الگ ناموں سے موسوم ہے، بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش۔

پہلے مرحلہ میں حکمران مسلمان تھے، نام کے واسطے دیس مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا، لیکن سرکاری سارے اداروں پر غیر مسلموں کا تسلط تھا، دوسرے مرحلہ میں حکمران غیر مسلم تھے، عدالت اور آئینی ادارے بھی انہیں کے تھے، اور تیسرے مرحلہ میں کچھ حصوں کے حکمران اپنے کو غیر مسلم جانتے ہیں اور کچھ حصوں کے حکمران اپنے کو مسلمان جانتے ہیں، البتہ سب کی عدالتیں اور آئینی ادارے غیر مسلموں کی نگرانی اور غیر اسلامی قانون پر چلتے ہیں، ہر حصے کا حکمران چاہے وہ اپنے کو مسلمان جانتا ہو یا اپنے کو غیر مسلم جانتا ہو، ہر ایک یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ عدالت اور آئینی اداروں میں قرآن حدیث اور اسلامی شریعت کی مداخلت وقت کا سب سے بڑا جرم ہے۔

پہلے اور دوسرے مرحلے میں اکثر مسلمان اور راہبرانِ امت غیر مسلموں کے تسلط اور غیر اسلامی قوانین کی ماتحتی پر ناراض تھے، لیکن تیسرے مرحلہ میں غالب طبقہ غیر مسلموں کے تسلط اور غیر اسلامی قوانین کی ماتحتی پر راضی ہے یا سکوت اختیار کیے ہوئے ہے۔

پہلے اور دوسرے مرحلوں میں اکثر مسلمان ان حالات سے خود کو نکالنے اور آزاد کرنے کو ایک شرعی ذمہ داری سمجھتے تھے، اب اکثر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ غیر اسلامی حکومت اور غیر اسلامی آئین اور عدالت کے ماتحت زندگی بسر کرنا بھی ایک طرزِ زندگی ہے، البتہ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اس حالت سے نجات کی کوئی صورت نہیں، اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اس حالت سے نجات کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو لوگ نکلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور ممکن سمجھ کر کوشش بھی کر رہے ہیں انکا ذکر بھی آنا چاہیے اگرچہ اکثر غلط طریقے سے کر رہے ہیں۔

پہلے اور دوسرے مرحلوں میں غیر مسلموں کے نمائندوں کو گورنر اور وائس رائے کہا جاتا تھا، اب ان کے نمائندوں کو ایمبیسڈر، سفیر اور اقوام متحدہ کا نمائندہ کہا جاتا ہے۔

پہلے مرحلے میں غیر مسلموں کے تسلط کی کوئی قانونی حیثیت نہ تھی، البتہ ان کے بازو کا زور چلتا تھا، دوسرے مرحلہ میں سب ان ہی کے ہاتھ میں تھے، اور تیسرے مرحلہ میں ان کے تسلط کو قانونی حیثیت مل گئی اور ان کے بازو کا زور ہوتے ہوئے بھی اس کو چھپانے کے لیے بہت چالیں چلی جاتی ہیں جن کو سب جانتے بھی ہیں، اور سب مل کر چھپاتے بھی ہیں، جس کو آپ اوپن سیکرٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔

پہلے اور دوسرے مرحلوں میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ مسلمانوں کے لیے غیر اسلامی قانون کے ماتحت زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں، تیسرے مرحلہ میں عام طور پر اور علی الاعلان یہ سمجھا جارہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

یاد رہے کہ یہ سب کچھ ایسا فرق ہے جو اصل مسئلے میں کوئی اثر نہیں رکھتا یعنی اس فرق سے کوئی دار الحرب دار الحرب ہونے سے نہیں نکلتا، اس عالم کے کسی خطے کو دار الحرب قرار پانے کے لیے اس میں جو باتیں پائی جانی ضروری ہیں وہ جس طرح انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں تھیں، اسی طرح ۱۸۵۷ عیسوی کے بعد بھی وہ باتیں موجود رہیں، اور ۱۹۴۷ عیسوی کے بعد سے اب تک بھی موجود ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ انیسویں صدی کے شروع میں برصغیر (ہندوستان) دار الحرب قرار پانے کے بعد مسلمانوں پر جو فرائض عائد تھے، اور جو فرائض ۱۸۵۷ عیسوی کے بعد مسلمانوں کے ذمہ تھے، وہ فرائض اور واجبات ۱۹۴۷ عیسوی کے بعد سے اب تک مسلمانوں کے ذمہ باقی ہیں، چاہے اس خطے کا نام بھارت ہو، چاہے اس خطے کا نام پاکستان ہو، اور چاہے اس خطے کا نام بنگلہ دیش ہو، ان تمام خطوں کے تمام مسلمانوں پر وہ فرائض اور واجبات اسی طرح بحال ہیں جس طرح وہ دو صدی پہلے ان پر تھے، کیونکہ ان فرائض کے ساقط ہونے اور ان ذمہ داریوں سے خلاصی کا کوئی مرحلہ ان دو صدیوں میں پورا نہیں ہوا۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: خطوط از ارضِ رباط

سب ہی ایک دوسرے کے مددگار اور ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں اور ایک دوسرے کے لیے سہارا بننے والے ہیں۔ اس کے لیے وقت نکال کر آنا ہو گا تب ہی ان سب چیزوں سے آشنائی ہو گی۔ خاکسار کی خواہش ہے کہ ایک دفعہ بالمشافہ ملاقات ہو جائے اور ابو حمزہ بھائی نے بھی یہی خواہش ظاہر کی ہے۔ مجھے آپ کی بہت فکر ہے کہ کہیں دنیا میں آپ کھو نہ جائیں اور کہیں آپ پر شیاطین کی نظر بد نہ لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین۔ دین کے راستے میں ہمیں استقامت عطا کرے۔ ایوبی اب بڑا ہو گیا ہو گا اسی طرح دوسرے بچے بھی، ان سب کو میری طرف سے پیار و دعا دیجیے اور اپنے والدین کو بہت بہت سلام عرض کریں اور عمران و مراد بھائی کو بھی سلام ہو۔

آپ کا بھیجا ہوا تحفہ مل گیا، جزاکم اللہ احسن الجزاء!

اپنی دعاؤں میں بہت بہت یاد رکھیں۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ كُلِّ بَلَاءِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ

اے اللہ! ہمیں دنیا کی ہر طرح کی بلا و مصیبت اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما، آمین!

والسلام

آپ کا خیر اندیش

قاری

عبد العزیز

☆☆☆☆☆

حقائق اور اعداد و شمار

Facts and Figures

داود غوری

معذرت! اس مضمون میں بعض ایسے موضوعات کو اٹھایا گیا ہے جن سے انسانی طبیعت کو بالعموم کراہت اور شرم آتی ہے لیکن موضوع کی حساسیت اور اہمیت کے لیے ان اشیا کا تذکرہ یہاں ناگزیر ہے! (داود غوری)

ایک زمانے میں فرانس کے صدر "نکولس سرکوزے" کا عالمی اتحاد کی ایک کانفرنس میں 'ناک کی غلاظت' کھانے کا منظر کیمرے میں محفوظ ہو کر پوری دنیا کے سامنے آیا...... خوب مذاق بنا! یورپ خصوصاً فرانسیسی قوم کے کفر سے بھرے دل، نورِ ایمانی سے کوسوں دور ہیں۔ عقل و خرد سے خالی بے شرموں کو ان کے ماں باپ[1] نے بنیادی صفائی ستھرائی کے آداب تک نہیں سکھائے کجا یہ ان کو سکھاتے کہ مسلمانوں اور اُن کے مذہبی شعائر کا استہزا اِن کو بہت مہنگا پڑے گا۔ جس قوم کا صدر اس قدر رذیل ہو کہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ ایک عالمی کانفرنس میں کیمروں کے سامنے یہ فعلِ شنیع کرتا ہو، اس قوم سے آپ کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ اللہ ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ کی بے حرمتی کا انتقام لینے کا موقع اور توفیق دے، آمین!

خیر! ایک مجلس میں اسی ویڈیو کلپ کا تذکرہ ہوا تو سامنے بیٹھے ایک ساتھی نے بڑی معصومیت سے بتایا کہ ان کے بچپن کے ایک دوست نے ان کو بتایا تھا کہ "میں نے انٹرنیٹ پر تحقیق کی ہے کہ یہ ایک مرض ہوتا ہے جس کا نام Rhinotillexis ہوتا ہے"۔

اب میں نے سوچا کہ "ہائیں! مرض"......؟! مرض تو مِن جانبِ خدا ہوتا ہے...... اس میں انسان کا کیا قصور؟! پھر تو انسان اس گندی عادت کو چھوڑنے کا مکلف ہی نہیں رہا۔

پھر تو بندۂ فقیر نے اپنے محدود وسائل کو استعمال کرتے ہوئے اپنے پاس موجود انگریزی معلومات کے مصادر کو ٹٹولنا شروع کیا تو یہ دیکھ کر مجھے دھچکا لگا کہ مغربی مفکرین اور دانشوروں کے یہاں اس غلاظت کو 'قابلِ قبول عادات'[2] کے نام سے جائز قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ وکی پیڈیا میں درج معلومات میں تو جرمنی کے ایک بد طینت و بد خصلت پروفیسر صاحب اسے 'قوتِ مدافعت کے لیے مفید'[3] قرار دے گئے۔ أعاذنا الله من شر هؤلاء الكفرة والحمد لله على نعمة الإسلام!

کچھ آگے پڑھا...... تو پتہ یہ چلا کہ یہ تو محض ایک قبیح حرکت تھی! اس کے مثل یا اس سے بڑھ کر دنیا کی ہر غلاظت، بے ہودگی، فحاشی اور ہر غیر انسانی فعل کو شاطر مغرب "مرض" کا نام دیتا ہے۔ پھر اس کے بارے میں رپورٹیں اور سروے تیار کیے جاتے ہیں جن میں بتایا جاتا ہے کہ اتنے فیصد لوگ بچپن سے ہی اس گندی عادت کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ان کی 'نیچر' میں ہی یہ 'پرابلم' ہوتا ہے۔ اس طرح اس کو ایک خاص قسم کا disorder یا syndrome کا عنوان دے کر عوام کے سامنے ایک 'پیکج' کی صورت میں رکھ دیا جاتا ہے۔

اور یہی تو اہلِ مغرب اور اُن سے متاثر ذہنوں کا مسئلہ ہے کہ دنیا کا ہر گناہ اور ہر گندگی جب ایک مرض ٹھہری تو یہ تو ایک انسانی مجبوری بن جاتی ہے...... جائز ٹھہرتی ہے...... ان کے معاشرے میں اس کو 'برداشت' کیا جاتا ہے۔ یوں ایک انسانی نہیں بلکہ 'حیوانی درندوں' کی معاشرت وجود میں آتی ہے۔ عفت و پاکیزگی کی دھجیاں بکھیرنا ہو یا خواتین کی عزتوں پر حملے...... بہن اور بیٹی کی اپنے سگے بھائی اور باپ سے عصمت غیر محفوظ ہونے کا معاملہ ہو یا بچوں کے ساتھ زیادتیاں...... بوڑھے ماں باپ کو سرد ٹھٹھرتی راتوں میں سڑکوں یا 'ہٹس' پر چھوڑ دینے کا معاملہ ہو یا نشے میں دُھت ہو کر بیسیوں انسانوں کو 'شوقیہ' گاڑی تلے کچل دینے کا معاملہ......! پھر ایسی ہی نسل پروان چڑھتی ہے۔

<u>"ماں باپ کو آداب و اخلاق سکھانے کا کسی قسم کا حق نہیں! ہم آزاد ہیں! ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں! میرا جسم میری مرضی! بہن میری اپنی، جسم اس کا اپنا!"</u>[4]

پھر ایسے ہی عنوانات اور نعروں کی بازگشت ہوتی ہے۔ کچھ تو اپنے دنیا میں آنے پر ہی 'سیڈ'[5] رہتے ہیں۔ اور اپنے والدین کے اس جرم پر کہ ان کی وجہ سے میں دنیا میں آیا...... مقدمے دائر کرواتے ہیں۔ اور جب کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی تو خودکشی کر کے جہنم کی آگ کا ایندھن بنتے ہیں۔ أعاذنا الله منه!

نہیں بدلتے تو خود کو نہیں بدلتے...... اپنے بچوں کی تربیت نہیں کرتے...... اپنی اصلاح نہیں کرتے...... توبہ نہیں کرتے...... ایمان نہیں لاتے! اپنے گناہ پر شرمندہ اور نادم نہیں ہوتے! لیکن جب کوئی ان کی غلط حرکات پر انگلی اٹھانے لگے تو اپنی ذات کو بچانے کی خاطر 'مرض' کے نام کا سہارا لے کر، سارا الزام اپنے خالق 'اللہ' پر تھوپ دیتے ہیں۔ نعوذ بالله من ذلك وسبحانك هذا بهتان عظيم!

دورِ حاضر کے کافروں کا کفر کون سی نئی چیز ہے......؟ یہ تو محض اسی صدیوں پرانے کفر کی 'جدید لیپائی' ہے۔ زمانۂ قدیم کے کافر بھی اپنے کفر و شرک اور جملہ گناہوں کا الزام اللہ ہی پر تھوپتے تھے اور آج کا جدید کفر بھی یہی کر رہا ہے۔ اللہ ہمیں ان کافروں کے حال سے باخبر کرتا ہے:

---

[1] بشرطیکہ باپ نامعلوم نہ ہو۔

[2] Passing behaviours

[3] Beneficial for the immune system.

[4] نہایت افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ مذکورہ جملے مغرب سے متاثر ایک پاکستانی نوجوان کے منہ سے ادا ہوتے ہیں، اور اس کا یہ ویڈیو کلپ سوشل میڈیا پر خوب وائرل ہوا۔

[5] افسردہ/Sad

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ لَوْ شَاءَ اللّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلاَ آبَاؤُنَا وَلاَ حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم حَتَّى ذَاقُواْ بَأْسَنَا...... (سورة الانعام:۱۴۸)

”جن لوگوں نے شرک اپنایا ہوا ہے وہ یہ کہیں گے کہ: اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ کسی بھی چیز کو حرام قرار دیتے، ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح (رسولوں کو) جھٹلایا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔“

لیکن کام اس سے بھی نہیں چلتا! دراصل انسان کے اندر ضمیر یا نفسِ لوامہ کا ”تھرماسٹیٹ“ ہوتا ہے۔ جو ہر گناہ اور غیر انسانی حرکت پر جوش مارتا ہے۔ گناہوں کی کثرت سے اس کی کارکردگی ماند پڑتی جاتی ہے۔ لیکن اللہ کا کرم ہے کہ یہ کلیتاً کام نہیں چھوڑتا۔

”مغربی جانوروں“ کے ضمیر کے کسی کونے کُھدرے سے اگر کبھی ملامت کی آواز اٹھتی ہے تو اس کو کسی سائکاٹرسٹ کی دکان کو چوکا کر دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن وہ دبتی کہاں ہے؟ ڈپریشن دور کرنے والی دوائیاں کھا کھا کر ان کی زندگی اور اجیرن ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی زور نہیں چلتا تو شراب نوشی کی اس قدر کثرت کرتے ہیں کہ موت واقع ہو جاتی ہے۔ دیگر بہت سے افراد خودکشی کرکے 'ضمیر کی اس آواز' کو ہمیشہ کے لیے ختم کر لیتے ہیں۔

وکی پیڈیا میں درج، اس قسم کے لوگوں کی خودکشیوں کے حوالے سے ایک حیرت انگیز انکشاف دیکھنے کو ملا۔ ملاحظہ ہو:

“A number of reviews have found an increased risk of suicide among transgender, lesbian, gay, and bisexual people. Among transgender persons rates of attempted suicide are between 30 and 50%.”

”بہت سی رپورٹیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اپنی جنس تبدیل کرنے والوں میں، ہم جنس پرست مردوں اور عورتوں میں اور دونوں جنسیت پرست لوگوں میں خودکشیوں کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اپنی جنس تبدیل کرنے والوں میں خودکشی کی کوشش کرنے والوں کی تعداد تیس سے پچاس فیصد ہے۔“

اور کیوں نہ ہو......؟ اللہ اور اس کے دین کے باغیوں کا یہی انجام ہوا کرتا ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكاً وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى (سورۃ طہ: ۱۲۴)

”اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔“

درحقیقت یورپ انسانوں کی نہیں بلکہ جرائم پیشہ غنڈوں اور جنونیوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ پچھلے سال 'بے نور لائٹوں کے شہر' پیرس کی لاکھوں خواتین نے اپنے ہی معاشرے کے خلاف مظاہرے کیے کیونکہ یہ خواتین خود کو جنسی طور پر ہراساں کیے جانے پر سخت پریشان تھیں۔

اس لیے گزارش یہ ہے کہ اس قسم کے 'حقائق اور اعداد و شمار' کو پڑھتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ کہیں آپ اس گناہ اور اس گندگی کو ہلکا نہ سمجھ بیٹھیں! بہت سے اعداد و شمار لکھنے والوں کے دماغوں میں دراصل یہ دُھن کارفرما ہوتی ہے کہ اتنے لوگوں کو اس گناہ میں مبتلا دیکھ کر رپورٹ پڑھنے والا انسان بھی پھسل جائے۔

وزیرستان میں شہید ہونے والے حسین گلدستۂ شہدا کے ایک مہکتے پھول 'نبیل مالدیپی بھائی' تھے۔ آپ ابو حمزہ المالدیپی کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔ راہِ جہاد میں ڈرون طیاروں کی ایک بمباری میں آپ اپنی ایک ٹانگ اللہ کی راہ میں قربان کر چکے تھے۔ بلا کی ذہانت رکھنے والے ہمارے یہ پیارے بھائی کئی سال تک بقیہ ایک ٹانگ اور بیساکھیوں کے سہارے جہادی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بالآخر ڈرون طیاروں ہی کے خلاف ایک منصوبہ بناتے ہوئے آپ کو ڈرون طیاروں نے نشانہ بنایا اور آپ مثلِ سیدنا جعفر طیارؓ جنتوں کو پرواز کر گئے۔ نحسبہ کذالک. آپ رحمہ اللہ ہمیں بتایا کرتے تھے کہ جب وہ سکول کے زمانے میں تھے، تو مالدیپ میں چرس نوشی اور دیگر منشیات کا استعمال نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن اچانک ان کے ملک کے تعلیمی اداروں میں غیر ملکی این جی اوز نے اپنی سرگرمیاں بڑھائیں۔ اور آئے روز منشیات کے خلاف بڑے بڑے سیمینارز کروانا شروع کیے۔ جن میں وہ بتاتے کہ چرس فلاں پودے سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور دنیا کے فلاں اور فلاں ملک میں اتنے فیصد عوام اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ انسانی صحت پر اس کے برے اثرات پڑتے ہیں۔ لیکن ان سیمینارز سے کیا نتیجہ برآمد ہوا......؟ وہ یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے نوجوانوں خصوصاً طالب علموں کی ایک بہت بڑی تعداد چرس کی عادی ہو گئی۔ یوں وہ مالدیپی عوام جو شاید چرس کے نام سے بھی ناآشنا تھی اس کی نوجوان نسل ضائع ہوتی چلی گئی۔

اسی طرح مجھے یاد ہے کہ ۲۰۱۰ میں مَیں نے وزیرستان میں پاکستانی فوج کی جانب سے ہیپاٹائٹس کے خلاف عوام میں بٹنے والے ایک پمفلٹ کا مطالعہ کیا تھا۔ یہ پمفلٹ اردو اور پشتو زبان میں تھا جو کہ خاص طور پر قبائلی علاقوں کے لیے نشر کیا گیا تھا۔ میری یادداشت کے مطابق اس پمفلٹ کا اول نکتہ ہی یہ تھا کہ 'ہیپاٹائٹس سے بچنے کے لیے صرف اپنی شریکِ حیات تک محدود رہیں'۔ تھوڑا آگے چل کر کچھ یوں بھی درج تھا کہ 'جن افراد میں ہیپاٹائٹس مرض مثبت آ چکا ہو ان سے جنسی تعلقات بنانے سے احتراز کریں!'۔ اب آپ خود سوچیے کہ قبائل کی غیرت مند اور باعزت قوم سے اس قسم کی باتیں کر کے فوج کا مقصد کیا ہے؟ یہی ہے کہ 'بدکاری کوئی بڑا جرم نہیں صرف اس سے ہیپاٹائٹس ہونے کا خطرہ ہے، باقی آپ کی اپنی مرضی!!!' دراصل

یورپ و امریکہ کے نظام کو یہاں نافذ کرنے والی فوج، اس معاشرے کو بھی مغرب کی طرح ’حیوان‘ بنانا چاہتی ہے۔[1]

پھر جن سرویز (surveys) کو یہ عالمی حقائق بنا کر بیان کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہوتی ہے۔ ان میں کتنی عدالت اور کتنی احتیاط ہوتی ہے یہ سب متنازع ہے۔ سروے تیار کرنے والے اکثر ادارے اپنی سوچ اور نظریے کے مطابق تین چار مختلف طبقہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے ایک ایک فرد سے چند سوالات پوچھ کر ایک مکمل رپورٹ تیار کر لیتے ہیں اور اس کو عوام کی رائے کے عنوان سے چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ فیا للظلم![2]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے سینوں میں کفر اور کافروں کی تہذیب کی دشمنی مزید بڑھائے۔ ہمارا ایمان، عقیدہ، اعتماد اور یقین وحی کی لائی ہوئی تعلیمات پر مضبوط کرے۔ اور اپنے معاشرے کو نورِ ایمانی سے مزین کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات کی توفیق بھی دے کہ ہمارے ہر ہر فعل، اقدام اور جہاد سے مغربی اقوام کو بھی ایمان کی دولت نصیب ہو۔ آمین ثم آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

بقیہ: توحیدِ عملی

”جہاد کے ابتدائی سالوں میں لوگ ہماری مدد نہیں کر سکتے تھے۔ ہم تعداد میں تھوڑے تھے اور پہاڑ کی چوٹی پر تھے، کوئی ہمارے پاس نہیں آ سکتا تھا نہ ہماری مدد کر سکتا تھا...... ہم چائے گرم کرنے کے لیے آگ تک نہیں جلا سکتے تھے، کہ کہیں اس سے دھواں نہ ہو (اور دشمن ہمارے مورچے دیکھ لے) اور یہ اس حد تک تھا کہ سلطنت کو بھی نہیں پتہ تھا کہ ہم کہاں ہیں، اور زمین ہم پر تنگ ہو رہی تھی...... کھانا ختم ہو گیا، اگر آپ بیمار ہو جائیں تو صبر سے برداشت کر سکتے ہیں لیکن اتنا کم درجۂ حرارت اور بھوک، کہاں؟ وہ کیسے برداشت ہو سکتی ہے؟ آپ بغیر کچھ کھائے پیے کیسے رہ سکتے ہیں؟ میں نے نمازِ فجر ادا کی اور پریشانی کے عالم میں جائے نماز پہ بیٹھا ہوا تھا کہ مجھ پر اونگھ اور نیند طاری ہو گئی، اور پھر اچانک کسی نے اس طرح میرا کندھا ہلایا (کر کے دکھاتے ہیں)، وہ جائے نماز پہ اس طرح بیٹھا تھا جیسے نماز میں جلسے کے دوران بیٹھتے ہیں۔ اور اس نے کہا: اے جلال الدین! تمہارے رب نے تمہیں تیس سال تک کھلایا تو تم نے اس کی راہ میں جہاد نہیں کیا، تو اگر وہ تمہیں بھول جائے، کیا تب تم جہاد کرو گے؟“

اسی لیے ایک مصری بھائی جو ہمارے ساتھ تھے (افغانستان آنے سے پہلے) ان کی بیوی نے ان سے پوچھا: آپ کہاں کام کریں گے؟ انہوں نے کہا: میں براہِ راست رب العالمین کے ادارے میں کام کروں گا! فلاں، فلاں تجارتی ادارے کے تحت کام کرتا ہے، فلاں فلاں گورنر کے لیے کام کرتا ہے...... اور میں تمام جہانوں کے رب کے لیے کام کروں گا! کون مجھ سے بہتر ہے؟ کون مجھ سے زیادہ بلند ہے؟ کس کی زندگی اس زندگی سے زیادہ عزت والی ہے؟

اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول حقیقت میں اتنا سچا ہے جب آپ نے کہا کہ:

”لوگوں میں سے بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے کی باگیں تھامے ہوئے ہے، اس کی پشت پر اڑتا پھرتا ہے؛ جب کبھی وہ (جنگ کی) پکار یا دشمن کی طرف پیش قدمی کی پکار سنتا ہے تو اڑ کر اس کی طرف جاتا ہے، شوق سے اس کی راہ میں مرنے اور موت کی تلاش میں۔“ (مسلم)

چنانچہ سب سے پہلا فرض توحید ہے، اللہ کو ایک ماننا۔ توحید عبودیت، اور اللہ سے اس کے نام اور صفات کے مطابق طرزِ عمل رکھنا۔ اللطیف سے اس کی نرمی اور بردباری کے مطابق رویہ رکھنا، اور القریب سے اس کے قرب کی مناسبت سے رویہ رکھنا اور السمیع سے اس کی سماعت کی مناسبت سے عمل کرنا وغیرہ۔

دوسرا یہ کہ عزت کی تربیت لوگوں کو دی جائے (یعنی امت کی شان اور مرتبے کو پروان چڑھانا)۔ یہ اس لیے کیونکہ بے عزتی اور شکست خوف کا نتیجہ ہے...... اور بے خوفی اور شجاعت عزت اور شرف ساتھ لاتے ہیں۔ لیکن اس زندگی، مال اور جاہ کا خوف شکست اور ذلت ہمراہ لاتے ہیں، اور اپنے آپ کو ان چیزوں سے آزاد کرنے سے عزت کا پھل ملا کرتا ہے۔

”عزت تو گھوڑوں کی سخت پیٹھوں پر ہے
اور عظمت راتوں کے جاگنے اور راتوں کے سفر کی کوکھ سے پیدا ہوتی ہے“

☆☆☆☆☆

[1] گناہوں کے طبی نقصانات بتانا شرعاً کوئی ناجائز امر نہیں لیکن جب اس میں سے آپ گناہ اور سزا کی بحث کو نکال کر محض طبی نقصانات بتائیں گے تو اس گناہ کی حرمت اور اس سے اجتناب بہت مشکل ہو جائے گا۔ جبکہ اس کے برعکس شرعی اور طبی دونوں نکات بیان کرنے سے اجتناب یقینی ہو گا۔

[2] اس طرح کے مخصوص سروے وغیرہ کی حقیقت کے متعلق حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتاب ”اسلام اور ہماری زندگی“ میں حضرت کے وعظ ”عقل کا دائرۂ کار“ کے ذیل میں ’آج کل کا سروے‘ کا عنوان دیکھنا مفید ہے (اسلام اور ہماری زندگی، ج ۱، ص ۵۵)۔ ہماری یہ بات تمام سروے کرنے والے اداروں کے متعلق نہیں ہے اکثریت کے بارے میں ہے، ہاں قلیل ادارے ایسے بھی ہیں جو اپنے ذرائع، مقاصد اور دیگر تفاصیل کا اعلان کرتے ہیں، تو ان کے سروے پر ان کے ذرائع، مقاصد اور دیگر تفاصیل کے مطابق ہی رائے قائم کرنی چاہیے۔ پھر یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ فی زمانہ سروے دراصل ’میڈیا وار‘ کا حصہ ہیں اور شاذ ہی ایسے ادارے پائے جاتے ہیں جو حقیقتاً ’غیر جانبدارانہ اور عادلانہ‘ سروے کرتے ہوں۔ انہیں سروے وغیرہ کی ایک قسم آج کل سوشل میڈیا ٹرینڈز ہیں، اصولی و تکنیکی طور پر وہ چیزیں ’ٹرینڈ‘ کرتی ہیں جن کے متعلق لوگ بات کر رہے ہوں، لیکن درپردہ حقائق اور سازشی نظریات (Conspiracy Theories) چھوڑیے کچھ سال قبل فیس بک کے مالک ’مارک زکربرگ‘ کی معافی کہ ’ہم فیس بک پر حقیقی ٹرینڈز کے بجائے جو خود مناسب جانتے اس کو ٹاپ ٹرینڈ دکھاتے تھے‘ ہی کافی ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ سروے وغیرہ میں پیش کردہ ’حقائق اور اعداد و شمار‘ اگر حقیقت کے عکاس بھی ہوں تو ان کو پرکھنے کی کسوٹی ’شریعتِ مطہرہ‘ ہے، محض ان کا شفاف ہونا یا اکثریت کی رائے ہونا وغیرہ کافی نہیں!

نظریاتی جنگیں

مولانا محمد اسماعیل ریحان

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب (زید مجدہ) کی تالیف 'أصول الغزو الفكرى' یعنی 'نظریاتی جنگ کے اصول'، نذرِ قارئین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اہلِ باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری و نظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔ اس یلغار کے مقابلے کے لیے 'الغزو الفکری' کو دینی و عصری درس گاہوں کے نصاب میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔ دینی و عصری درس گاہوں میں اس مضمون کو شامل کرنے کے ساتھ ساتھ 'الغزو الفکری' یعنی نظریاتی جنگ کے مضمون و عنوان کو معاشرے کے فعال طبقات خصوصاً اہلِ قلم، اسلامی ادیبوں اور شاعروں، اہلِ دانش، صحافیوں، پیشہ ور (پروفیشنل) حضرات نیز معاشرے کہ ہر مؤثر طبقے میں بھی عام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے 'اصول الغزو الفکری' کے عنوان سے اس علم کے اہم مباحث کو مختصر طور پر مولانا موصوف نے پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف ہی کے الفاظ میں 'در حقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک و ہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے'۔ یہ تحریر اصلاً نصابی انداز میں لکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود خشکی سے پاک ہے اور متوسط درجۂ فہم والے کے لیے بھی سمجھنا آسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو نظریاتی و عسکری محاذوں کو سمجھنے، ان محاذوں کے لیے اعداد و تیاری کرنے اور پھر ہر محاذ پر اہلِ باطل کے خلاف ڈٹنے کی توفیق ملے۔ اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ انہوں نے ایسے اہم موضوع کے متعلق قلم اٹھایا، اللہ پاک انہیں اور ہم سب اہلِ ایمان کو حق پر ثبات اور دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

افكار الغزو الفكرى

یہاں دو اہم فکری تحریکوں کا جائزہ لیں گے جو کہ مسلمانوں کی اعتقادی، نظریاتی اور عملی بیخ کنی کر رہی ہیں۔ یہ تحریکیں "العَلمانیۃ" (سیکولرازم) اور "التغریب" (ماڈرن ازم) ہیں۔

العَلمانية / سیکولرازم (Secularism):

العَلمانیۃ یا سیکولرازم کی تعریف یہ ہے: "فصل الدین عن الدول والحیاۃ"۔ یعنی دین کو زندگیوں اور حکومت سے الگ کرنا۔ بالفاظِ دیگر اس کا مطلب "لادینیت" ہے۔ سیکولرازم کی ابتدا یورپ میں اصلاحِ مذہب کی تحریک کے بعد ہوئی۔ یورپ نے یہ دیکھ لیا کہ نصرانیت کی خلافِ عقل تعلیمات زندگی کے حقائق کا ساتھ نہیں دے سکتیں اس لیے انھوں نے دین اور دنیا کو الگ الگ کر لیا۔ اسی طرح بدھ مت اور ہندو مت سمیت ہر مذہب کے پیروکاروں کو یہ بات سمجھ آگئی کہ ان کے مذاہب جیتی جاگتی زندگی کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں اس لیے وہ سیکولرازم کے قائل ہو گئے۔ مگر اسلام زندگی سے فرار نہیں چاہتا بلکہ گھر سے لے کر حکومت تک زندگی کے تمام مسائل کو حل کرتا ہے اور دنیا کے ہر خطے میں نافذ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی لیے مغربی مفکرین اسلامی دنیا میں سیکولرازم کو زیادہ شدت کے ساتھ پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سیکولرازم کے داعی غلط طور پر مسلمانوں کے ذہن میں یہ بٹھاتے ہیں کہ دین اور دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دیگر ادیان کی طرح اسلام بھی زندگی کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس مقصد کے لیے مغرب نے مستشرقین کے شاگردوں کو بطورِ خاص استعمال کیا۔ جو شریعت، سیرت اور تاریخ کو مسخ کر کے سیکولرازم کو قابلِ قبول بنانے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔

سیکولرازم کے بنیادی اہداف:

عالمِ اسلام سے متعلق سیکولرازم کے بنیادی اہداف یہ ہیں:

1. مسلمانوں کے عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کرنا۔
2. مغرب کے ملحدانہ افکار اور مادیت پرستانہ خیالات کو رواج دینا۔
3. اسلام کو حکومت، سیاست اور معاشرت سے خارج کر کے مغربی اقدار کے مطابق "سیکولر" حکومتیں تشکیل دینا۔

سیکولرازم کے تین خطرناک حربے:

سیکولرازم کے تین اہم حربے ہیں:

1. جاہلی عصبیت کو فروغ دینا۔
2. مسلمانوں کو صالح قیادت سے متنفر کرنا۔
3. آزادیٔ نسواں۔

التغريب / ماڈرن ازم (Modernism)

التغریب کا مطلب "مغربیت زدگی" ہے۔ یہ تحریک بتاتی ہے کہ مذہب ایک فرسودہ اور از کارِ رفتہ چیز ہے، جو چیز حواس، مشاہدے، تجربے اور عقلیت کے زمرے میں نہ آئے وہ قابلِ ترک ہے چاہے وہ قومی رسم و رواج ہو یا مذہبی عقائد و اقدار۔ مغرب خود اسی راہ پر چل رہا ہے اور دنیا سے بھی اپنی تقلید کروانا چاہتا ہے اس لیے یہ "تحریکِ التغریب" کہلاتی ہے۔ اسے ماڈرن ازم یا جدت پسندی بھی کہا جاتا ہے۔ جدت پسندوں کے اہم ترین اہداف یہ ہیں:

1. صورتِ اسلام کو مسخ کر کے نیا اسلام تشکیل دینا۔
2. مسلمانوں کو اپنے ماضی سے شرمسار کرنا۔
3. مسلمانوں کو موجودہ حالات سے مایوس کرنا۔
4. مستقبل سے ناامید کرنا۔
5. امت کی شخصیت کو موم کی گڑیا بنا دینا۔
6. ماڈرن ثقافت کا فروغ۔
7. اسلامی تحریکوں اور قیادتوں کو سبوتاژ کرنا۔

وسائل الغزو الفکری

اب ہم ان وسائل و ذرائع اور ہتھیاروں کا جائزہ لیں گے جن کو ہمارے حریف ہمارے اذہان کو تبدیل کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ وسائل درج ذیل ہیں:

1. نظام تعلیم۔
2. میڈیا۔
3. معلومات کے ذرائع۔
4. میدان سیاست۔
5. قانون۔
6. معیشت و تجارت۔
7. رفاہی ادارے، این جی اوز۔
8. جدت پسند اسلامی مفکرین۔
9. فنون لطیفہ۔
10. ادب۔
11. کھیل کود اور تفریح۔
12. ثقافتی ہیرو۔
13. علاقائی تہذیب و ثقافت۔
14. جاہلی عصبیت کا فروغ۔
15. صالح قیادت سے متنفر کرنا۔
16. آزادئ نسواں۔

(۱) تعلیم (Education)

تعلیم اہل باطل کی فکری پیش قدمیوں کا سرچشمہ ہے۔ باطل نظریات کے فروغ میں نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کا بنیادی کردار ہے۔ اس نئے نظام تعلیم سے عالم اسلام کی درسگاہوں میں درج ذیل اہم تبدیلیاں سامنے آئی ہیں:

1. تدریسی زبان کی تبدیلی۔
2. رسم الخط کی تبدیلی۔
3. غیر ملکی زبانوں کو لازمی قرار دینا۔
4. دین کا احترام ختم۔
5. لادینیت پر مبنی مواد کی شمولیت۔
6. علمائے دین اور طلبہ دین کی تحقیر۔
7. لادین مدرسین کا چناؤ۔
8. مخلوط تعلیم۔
9. دینی مدارس کے گرد گھیرا تنگ۔
10. دینی مدارس اور عصری تعلیمی اداروں میں خلیج۔

نصابِ تعلیم کی خصوصیات:

نصاب تعلیم میں درج ذیل خصوصیات پیدا کر دی گئی ہیں:

- مغربی اقدار کا فروغ۔
- ملحدانہ و مادہ پرستانہ ذہن سازی۔
- تاریخ سے جاہل رکھنا، غلط تاریخ پڑھانا۔
- مغرب اور مغربی ایجنٹوں کے معائب (عیبوں) اور زیادتیوں کو چھپانا۔
- اسلامیات کو محض ایک نظری چیز بنا دینا۔
- جغرافیائی اور سیاسی تقسیمات پختہ کرنا۔

نظام تعلیم پر گرفت:

مسلم دنیا کے تعلیمی نظام کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے گئے ہیں:

1. عالمی سطح پر یونیسکو (Unesco) اور یونی سیف (Unicef) جیسے علمی و ثقافتی اداروں کا قیام۔
2. مسلم دنیا میں مغربی اداروں کے تحت ٹیچر ٹریننگ کورس کے پروگرام۔
3. تعلیمی شعبے میں غیر ملکی امداد۔
4. مسلم دنیا کی تعلیمی وزارتوں پر غیر ملکی ماہرین تعلیم کی اجارہ داری۔
5. مسلم درسگاہوں میں غیر ملکی مدرسین اور دانشوروں کی آمد و رفت۔
6. ذہین مسلم طلبہ کے لیے تعلیمی اسکالرشپ۔

نظام تعلیم کے اثرات:

1. ہمارے طلبہ برائے نام مسلمان رہ گئے۔
2. علم دین سے متنفر ہو گئے۔
3. علم دنیا اور علم دین کے راستے الگ الگ ہو گئے ہیں۔
4. ارباب اقتدار دن بدن دین سے دور ہو گئے۔
5. مسلمان اپنی علمی وراثت سے قطعاً بیگانہ ہو گئے۔
6. علمی، تمدنی اور سیاسی قیادت مغرب کے پاس چلی گئی۔
7. دین اور اہل دین کا سرعام مذاق اڑانا معمول بن گیا ہے۔
8. نسل نو ذہنی طور پر مغرب کی غلام بن گئی۔

(۲) میڈیا (Media)

میڈیا ہر محاذ پر حریف کا سب سے زیادہ خطرناک اور مؤثر ہتھیار ہے۔ میڈیا پر جس نظریے کا غلبہ ہوتا ہے، عوام اسی ذہن کو اختیار کر لیتے ہیں۔ ہر جنگ مضبوط اعصاب کے بل بوتے پر

لڑی جاتی ہے۔ ہمارا حریف میڈیا کے ذریعے ہمارے اعصاب پر حملہ آور ہے اور ہمیں عمومی طور پر مایوسی، کم ہمتی اور کج فہمی کا شکار بنا رہا ہے۔

لوگوں کی دو قسمیں اور میڈیا کا شبہاتی اور شہوانی جال:

لوگوں کی دو قسمیں ہیں: (الف) ذمہ دار لوگ۔ (ب) غیر ذمہ دار لوگ۔

میڈیا ذمہ دار لوگوں کو شبہات کے ذریعہ پھنساتا ہے۔ شبہات پھیلانے کا ذریعہ خبری شعبہ (News) ہے جس میں خبروں اور تجزیوں کی بھر مار ہوتی ہے۔ غیر ذمہ دار طبقے کو شہوات میں ڈبوتا ہے۔ اس کا راستہ تفریح (Entertainment) ہے۔ جس میں موسیقی، رقص، فلمیں، ڈرامے وغیرہ شامل ہیں۔

یہودی لابی اور میڈیا:

اس وقت دنیا میں میڈیا پر یہودیوں کی اجارہ داری قائم ہے۔ ان کے مشہور زمانہ پروٹوکولز میں سے بارہویں پرٹوکول میں یہ طے کر لیا گیا تھا کہ دنیا میں خبروں کے تمام ذرائع یہود کے پاس ہوں گے۔ دنیا کی مشہور ترین خبر رساں ایجنسیاں رائٹرز، ایسوسی ایٹڈ پریس، یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل اور فرانسیسی نیوز ایجنسی انھیں کے پاس ہیں۔ میڈیا پر یہودی سرمایہ داروں کی اجارہ داری کا تناسب ۹۰ فیصد تک ہے۔ میڈیا پر مسلط یہودی اور عیسائی پالیسی سازوں نے تین باتوں پر اتفاق کر رکھا ہے۔

1. مسیحی اور یہودی اتحاد پر زد نہیں پڑنے دی جائے گی۔
2. امریکی سیاست کی ہمیشہ باعظمت ترجمانی ہوتی رہے گی۔
3. سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کی ہمیشہ وکالت ہو گی۔

(۳) ذرائع معلومات: الاعلام (Knowledge)

اہل مغرب نے دنیا کو درکار معلومات کے راستوں پر تسلط حاصل کر لیا ہے۔ کسی بھی موضوع پر تلاش کیا جانے والا مواد ہمیں عموماً مغربی مصنفین، مغربی کتب خانوں، مغربی انسائکلوپیڈیاز اور انھیں کی ویب سائٹوں سے ملتا ہے۔ اس سے لوگ بے دین مصنفین، صحافیوں اور محققین کی مہارتِ فن اور کارکردگی سے متاثر ہو جاتے ہیں اور بعد میں ان کے دیگر خیالات سے بھی اتفاق کرنے لگتے ہیں۔

(۴) میدان سیاست (Politics)

جمہوری نظام اور سیاست کا میدان مغربی افکار و اقتدار کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جمہوریت کو فروغ دے کر اسلام کے خالص سیاسی نظام پر یقین رکھنے والے مسلم رہنماؤں کو سیاست سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ جمہوری سیاست کے میدان میں سیاسی پارٹیاں مملکت کے شہریوں کے مطالبات، خواہشات اور امنگوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ جمہوری مملکت میں جمہوری عمل اور انتخابات پر یقین رکھنے والی پارٹی ہی کو سیاسی عمل میں کوئی کردار ادا کرنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ انتخابی عمل کے نتیجے میں کچھ لوگ عوام کے نمائندے بن کر قانون ساز اداروں میں آتے ہیں جنھیں پارلیمنٹ (ایوانِ زیریں) اور سینیٹ (ایوانِ بالا) کہا جاتا ہے۔ یہاں ملک کا نظام چلانے کے لیے قانون سازی کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔

(۵) قانون: (Laws)

باطل نظریات و افکار کے فروغ کا چوتھا بڑا سرچشمہ غیر اسلامی قانون ہے۔ اس وقت اکثر اسلامی ممالک میں مغربی قانون ہی نافذ ہے۔ اس کا نفاذ عدالتوں اور بیوروکریسی کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ عدالت وہ ادارہ ہے کہ جہاں ملک میں رائج قوانین کے تحت مختلف تنازعات کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ ماضی میں ہماری عدالتوں میں صرف فقہ اسلامی کے تحت فیصلے ہوتے تھے مگر اب مغربی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے فقہاء، مجتہدین، محدثین اور علماء کی ساڑھے تیرہ سو سالہ محنت برباد ہو کر رہ گئی ہے۔

عدلیہ ملکی قوانین کے مطابق جو فیصلے دیتی ہے، اسے نافذ کرنے کا کام بیوروکریسی (نوکر شاہی) انجام دیتی ہے۔ اس کا سلسلہ پولیس، ڈپٹی کمشنر اور گورنر سے لے کر صدر مملکت تک پہنچتا ہے۔ یہ ادارے قانون کے محافظ ادارے کہلاتے ہیں مگر حقیقت میں یہ سیکولر اور لبرل نظام کے محافظ ہیں۔

(۶) معیشت و تجارت

معیشت و تجارت کا استحکام کسی بھی قوم کی ترقی اور استحکام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ دشمن نے معاشی و اقتصادی طور پر عالم اسلام کو محصور کر لیا ہے۔

(۷) رفاہی خدمات۔ این جی اوز

دنیا بھر میں مغربی ممالک کے ہزاروں رفاہی ادارے کام کر رہے ہیں جو مسلم ممالک کے پس ماندہ عوام کا اعتماد حاصل کر کے اپنے افکار و نظریات کو فروغ دیتے ہیں۔

(۸) جدت پسند اسلامی مفکرین

جدت پسند اسلامی مفکرین اہل باطل کے خاص آلۂ کار ہیں۔ مغرب کو راضی کرنے کے لیے اسلام کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

(۹) فنون لطیفہ

فنون لطیفہ یعنی موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی، رقص و سرود وغیرہ پر نفس کی لذتوں کی انتہا ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو بے دین بنانے مین ان ہتھکنڈوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

(۱۰) ادب

ادب کے نام پر عشقیہ، اور ملحدانہ نظم و نثر کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ دین اور خدا کا تمسخر اڑانے والے ادیبوں اور شاعروں کی جسارت کو قابل داد ٹھہرایا جاتا ہے۔

(۱۱) تفریح، سپورٹس

تفریح اور کھیل کود کے میدان بھی اغیار کی تہذیبی یلغار کا ایک ذریعہ ہیں۔ کھیل کے میدانوں میں ایمان کُش ماحول نسل نو کو دین و مذہب سے بالکل بے گانہ بنا دیتا ہے۔

(۱۲) ثقافتی ہیرو

ثقافتی ہیرو وہ کھلاڑی، اداکار اور فن کار ہیں جو معاشرے کے آئیڈیل بن گئے ہیں۔ لوگ ان کے قول کو کسی عالم دین کے فتوے سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

(۱۳) علاقائی تہذیب و ثقافت

مغربی دنیا اربوں ڈالر خرچ کر کے اسلامی ممالک میں دبے ہوئے ہزاروں سال پرانے آثار اور زمانۂ جاہلیت کے کھنڈرات سامنے لا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو علاقائی تہذیب و ثقافت کے عنوان سے اسلامی تاریخ اور شناخت سے برگشتہ کیا جائے۔

(۱۴) جاہلی عصبیت، قومی و وطنی عصبیت کو فروغ دینا

قومی اور وطنی عصبیت کا فروغ، عالمگیر اسلامی وحدت کو توڑ کر کئی چھوٹی چھوٹی وحدتیں پیدا کر دیتا ہے اور یوں لادینیت کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

(۱۵) مسلمانوں کو صالح قیادت سے متنفر کرنا

لادین طاقتوں کی خواہش ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی صالح قائد نہ رہے۔ اس مقصد کے لیے مسلمانوں میں ابھرنے والی ہر صالح قیادت کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔

(۱۶) ''آزادیٔ نسواں''

حدیث میں عورتوں کو شیطان کا جال کہا گیا ہے [1]۔ مغرب اس جال کو پوری عیاری سے استعمال کر رہا ہے۔ آزادیٔ نسواں کا نعرہ لگا کر خود عورت کو گمراہ کیا گیا اور پھر عورتوں کو بازاری جنس بنا کر ان کی تذلیل اور مردوں کی گمراہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ اسلامی دنیا میں آزادیٔ نسواں کے نعرے کے پیچھے اہل باطل کے تین بڑے مقاصد ہیں:

۱۔ اسلامی اخلاق و معاشرت کی بربادی:

اسلامی اعلیٰ اخلاق و اقدار مغرب کے لیے حسد کا باعث بن گئی تھیں۔ پس وہ انھیں برباد کرنے پر تل گئے۔

۲۔ اسلامی معاشرہ کی خصوصیات کا خاتمہ:

وہ مسلمانوں کے ہاں رائج عفت و عصمت کے مثالی نظام کو تہس نہس کرنے پر اس لیے بھی آمادہ ہوئے تاکہ اسلامی معاشرے کی طرف غیر مسلموں کے رجحان کا امکان نہ رہے۔

۳۔ مسلمان عورتوں کو بازاری جنس بنا دینے کی قدیم خواہش:

مسلمان عورتیں گزشتہ تیرہ صدیوں سے مستور تھیں۔ اہل مغرب نے اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے مسلمان عورت کا ذہن تبدیل کر دیا تاکہ وہ خود ان کی جھولی میں آ گرے۔

آزادیٔ نسواں کے لیے پراپیگنڈا مہم:

آزادیٔ نسواں کو فروغ دینے اور مسلم عورت کا ذہن بدلنے کے لیے اہل مغرب نے جو پراپیگنڈا مہم شروع کر رکھی ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام میں عورت مظلوم ہے۔ وہ ہر معاملے میں مردوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ اسلام کو عورت کے بنیادی حقوق کا غاصب مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

اس سلسلے میں درج ذیل نکات خاص طور پر اٹھائے جاتے ہیں:

1. اسلام میں عورت کو گھر کا قیدی بنا دیا گیا ہے۔
2. عورت کو خود کفیل ہونے اور کمائی کے لیے باہر نکلنے سے منع کیا ہے۔
3. اسلام نے تو عورتوں کو ناقصات العقل قرار دیا ہے۔
4. اسلام میں عورت کو میراث میں مردوں سے کم حصہ دیا جاتا ہے۔
5. اسلام میں طلاق کا حق صرف مردوں کو دیا گیا ہے۔
6. مردوں کو بیک وقت چار چار شادیوں کی اجازت ہے مگر عورت کو نہیں۔
7. عورت کی گواہی نصف مانی جاتی ہے۔

مستشرقین کے گھڑے ہوئے ان اعتراضات کا پرچار کر کے مسلمان عورت کو خالص اسلامی اقدار سے برگشتہ کرنے کا کام تقریباً ڈیڑھ صدی سے جاری ہے۔

۱۹۱۳ء میں ایک باقاعدہ سازش کے تحت ایسی جدت پسند مسلمان عورتوں کو سامنے لایا گیا جنھوں نے سرِعام نقاب اتارے اور برقع و چادر کو اٹھا کر پھینک دیا۔ مصر میں 'ہدیٰ شعراوی' پہلی عورت تھی جس نے پردے کے خلاف آواز اٹھائی۔

۱۹۲۳ء میں ''مؤتمر النساء'' کے نام سے اٹلی کے شہر روم میں خواتین کی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں 'ہدیٰ شعراوی' نے برقع اتار کر اپنے پاؤں کے نیچے رکھا اور اسے مسل کر اعلان کیا ''آج کے بعد پردے کا رواج ختم۔ جو عورت جس طرح کا چاہے لباس پہنے''۔

آزادیٔ نسواں کے نقیب بے پردگی کی دعوت پانچ مراحل میں دیتے ہیں:

پہلا مرحلہ، نقاب کھولنا:

قرآن پاک کی آیات اور احادیث کی غلط تاویلات کر کے عورتوں کو نقاب کھولنے یا برقعے کو اتارنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔

---

[1] یہ موقع تفصیل کا نہیں ہے، ورنہ مولانا کا اس حدیث کو نقل کرنے کا مقصد عورتوں کو حقیر دکھانا یا عیسائیت و دیگر ادیان و نظریاتِ باطلہ میں عورت کے متعلق جو خیالات ہیں ان کی طرز اختیار کرنا نہیں، بلکہ عورت کا ایک خاص تناظر میں ذکر کیا جا رہا ہے، ورنہ عورت (ماں) ہی کے پاؤں تلے جنت ہے اور اس سے بڑھ کر عورت کے لیے کیا اعزاز ہو گا کہ بندۂ مومن کی زندگی کے مقصد (رضائے الٰہی و حصولِ جنت) کو عورت سے جوڑ دیا گیا ہے۔ (ادارہ)

دوسرا مرحلہ، غیر محرم مردوں سے میل ملاپ:

عورتوں کو مردوں کے ساتھ ملنے جلنے اور مخلوط تقاریب میں شریک ہونے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ نرسری سکولوں میں بچوں اور بچیوں کو اکٹھے بٹھانے سے مخلوط ماحول ان کی عادت بن جاتا ہے۔

تیسرا مرحلہ، چہار دیواری کی قید سے آزادی:

گھر سے باہر قدم رکھ کر دنیا کا نظارہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کے لیے جدت پسند مسلمان قائدین کی بیگمات کو نمونہ بنا کر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

چوتھا مرحلہ، مردوں کے شانہ بشانہ کام کاج:

مخلوط ماحول میں وقت گزارنے والی جدید عورت مردوں کے شانہ بشانہ کام کے لیے بہت جلد تیار ہو جاتی ہے اور تعلیم، تجارت اور ٹرانسپورٹ سے لے کر فوج، پولیس اور سیاست تک مردوں کے سنگ سنگ کام کرتی ہے۔

پانچواں مرحلہ، فن و ثقافت میں عورت کی آمد:

پانچویں مرحلے میں عورت کو زیادہ آمدن اور شہرت کا لالچ دے کر ماڈل، اداکارہ، رقاصہ اور کال گرل بنادیا جاتا ہے۔

بے پردگی کے مفاسد

بے پردگی کے بے شمار مفاسد ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1. میاں بیوی میں بداعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔
2. گھروں میں محبت کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ محبت سے محروم ہو کر اولاد آوارہ ہو جاتی ہے۔
3. خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے لہٰذا جب خاندان بگڑتے ہیں تو پورا معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔
4. بے پردہ ماحول اور عصمت سے ناآشنا معاشرے میں خاندانی نظام ختم ہو جاتا ہے۔

مغرب میں عورت کو کیا ملا؟

مغرب میں آزادئ نسواں کے کھوکھلے نعرے کی حقیقت عیاں ہو چکی ہے۔ مغربی عورتیں اب بھی شوہروں کے تشدد کا شکار ہیں۔ زنا کی قانوناً اجازت کے باوجود ہر سال ہزاروں کی تعداد میں زنا بالجبر کے کیس رجسٹر ہوتے ہیں۔ سکول میں پڑھنے والی بچیوں کے ماں بننے کے واقعات اتنے بڑھ چکے ہیں کہ کم سن ماؤں کے الگ سکول بن چکے ہیں، ان مفاسد کو دیکھنے کے بعد یورپ میں یہ تحریک شروع ہو چکی ہے کہ آزاد عورت کو دوبارہ گھریلو عورت بنایا جائے تاکہ خاندان کا تصور دوبارہ فروغ پا سکے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

مجاہدینِ پاکستان کے نام نصیحتیں

”ہم پاکستان میں موجود مجاہدین کو کہیں گے کہ

1. آپ اپنے اعمال میں اخلاص کو لازم پکڑیں۔ آپ کا جہاد کسی جاہلی عصبیت کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی وطنیت و قومیت آپ کے قتال کا مقصد ہو۔ بلکہ آپ کے پیشِ نظر صرف اور صرف ایک ہی مقصد ہونا چاہیے اور وہ یہ کہ زمین پر اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور یہ بات سمجھیے کہ اخلاص ہی فتح کی کنجی ہے اور اسی سے نصرت وابستہ ہے۔
2. دوسری بات یہ ہے کہ کہ آپس میں یک جان و یک زبان ہو جائیں اور ایک مضبوط صف کی طرح ہو جائیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب بھی ہے۔
3. آپ کے جہاد کے مقاصد و اہداف واضح ہونے چاہئیں۔ یعنی آپ کے پیشِ نظر یہ مقصدِ جلیلہ ہونا چاہیے کہ اس خطے میں ایسی اسلامی سلطنت قائم کی جائے جس میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت ہو، جو مشرق و مغرب کے نظاموں سے یکسر اثر پذیر نہ ہو۔ ایسی مملکت جس میں مرجع و مصدر صرف اور صرف کلمۂ 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' ہو۔
4. آپ جہاد کے ثمرات کو محفوظ رکھنے کا تہیہ کریں اور اہلِ مکر و فریب کی تمام چالوں سے خبردار رہیں۔ کیونکہ یہ فریبی لوگ دن رات اس کوشش میں مصروف ہیں کہ جہاد کو اس کے حقیقی راستے سے ہٹا دیں اور اس کے ثمرات چُرا لیں، اور مجاہدین اپنے مقصدِ حقیقی یعنی امامت کے حصول میں ناکام رہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ مجاہدین اقامتِ دین کے مقصد کے ساتھ مضبوطی سے جڑ جائیں اور اس وقت تک جہاد کرتے رہیں جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو جائے۔“

(شیخ ابو یحییٰ اللیبی شہید رحمہ اللہ)

مدارس کا نصابِ تعلیم کون بنائے گا؟

شیخ الحدیث مولانا لطف اللہ پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

علمائے کرام انبیائے کرام کے وارث ہیں اور امتِ محمد یہ (علی صاحبہا صلاۃ و سلام) کے قائد و رہنما ہیں۔ علومِ نبوت اور علمائے دین کی ہدایات اس امت کے اعصابی نظام کی مانند ہیں۔ اس امت کو یرغمال بنانے اور اس کی دنیا و آخرت بگاڑنے کے لیے لادین حکمران ہمیشہ سکیموں اور سازشوں کے جال بنتے رہے ہیں۔ ایوب خان کے زمانے کی ایسی ہی چند کوششوں اور محدثِ عصر حضرت علامہ سیّد یوسف بَنوری جیسے علمائے ربانی کا مبنی بر حق موقف اور جہاد (کلمۃ حقٍ عند سلطانٍ جائرٍ) کا مختصر احوال ذیل میں، حضرت بنوریؒ کے رفیقِ خاص حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ کی تحریر سے منتخب کر کے پیش کیا جارہا ہے۔ مولانا بنوریؒ کا اسوہ آج 'یکساں نصاب' اور 'پیغامِ پاکستان' کے دور میں ایک روشن ستارے کی مانند جگمگارہا ہے۔ اللہ پاک علمائے حق کی حفاظت فرمائیں اور ان کے فیوض و برکات کو عام فرمائیں، آمین یاربّ العالمین! (ادارہ)

سکندر مرزا کے زمانے میں پاکستان میں مغرب زدہ لوگوں کا طوطی بولتا تھا، حکومت کے اربابِ حل و عقد پر بھی ہمیشہ اسی طبقہ کا اثر رہا، ان لوگوں کو یہ تکلیف تھی کہ حکومت جو بھی تجدد پسندانہ نئی حکمتِ عملی تجویز کرے، اس کے لیے صرف علما کا طبقہ سنگِ راہ بن جاتا ہے۔ مولانا نور الحق صاحب، سابق ڈین اسلامیہ کالج پشاور نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سابق صدر ایوب خان نے مجھ سے کہا کہ:

> ”تیونس، مراکش، مصر، شام کسی جگہ بھی علما حکومت کے خلاف دم نہیں مار سکتے، محکمہ اوقاف نے سب کو باندھ رکھا ہے، ایک پاکستان ایسا ملک ہے کہ حکومت کچھ کرتی ہے تو کراچی سے پشاور تک علما اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دیتے ہیں اور ملک میں ایک ہلچل پیدا ہو جاتی ہے۔ تم مصر جاؤ اور وہاں جا کر جائزہ لو کہ حکومتِ مصر نے کس ترکیب سے علما کو باندھ رکھا ہے، پاکستان میں بھی علما کو پابند کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کرو۔“

بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے بھی میرے سامنے اسی قسم کے خیالات صدر ایوب سے نقل کیے تھے۔

چنانچہ ڈین صاحب مصر گئے اور واپسی پر صدر ایوب کے سامنے تمام مساجد اور مدارس عربیہ کو حکومت کی تحویل میں لینے کا نسخۂ کیمیا تجویز کیا۔ صدر ایوب نے جب اس منصوبے پر عمل درآمد کے لیے تمام مدارسِ عربیہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ڈین صاحب نے ان سے کہا کہ مصر اور پاکستان کے حالات مختلف ہیں۔ ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم مدارس کو حکومت کے قبضے میں لے لیں تو مولانا محمد یوسف بنوری جیسے علما مدارس کے بجائے مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ عرب ممالک میں تو عوام کو مدارس کے لیے چندہ دینے کی عادت نہیں، مگر پاکستان میں ایسے علما ہیں کہ اگر انہوں نے مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تو عوام اور مخلصین ان کو بغیر رسید کے چندے دیں گے اور مسجدوں میں پھر سے نئے آزاد مدرسے قائم ہو جائیں گے۔ حکومت کے سرکاری مدارس میں تو دینی علوم پڑھنے کے لیے کوئی نہیں آئے گا، اس طرح ہمارا یہ منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔

(یہ جان کر) صدر ایوب نے ڈین صاحب کو مدارس کے لیے نیا نصابِ تعلیم بنانے کا حکم دیا۔ ڈین صاحب بڑے طمطراق کے ساتھ کراچی تشریف لائے، حیدرآباد یونیورسٹی کے داؤد پوتا بھی ان کے ہمراہ تھے، ڈین صاحب نے مفتی محمد شفیع مرحوم اور مولانا بنوری مرحوم سے ملاقات کی اور انہیں نصابِ تعلیم میں ترمیم کا مشورہ دیا۔ مولانا بنوریؒ نے ان کی پوری وعظ و تقریر سن کر فرمایا:

> ”مدارسِ عربیہ کا نصابِ تعلیم کون بنائے گا؟ حدیث، تفسیر اور فقہ کے نصاب مرتب کرنے میں آپ جیسے سرکاری ملازمین کی کیا حیثیت ہے؟ نصاب علمائے راسخین ہی بنا سکتے ہیں اور وہی بنائیں گے۔“

ڈین صاحب بولے: ”وہ علمائے راسخین کون ہوں گے؟“

آپ نے فرمایا:

> ”یہ کام یوسف بنوری اور مفتی محمد شفیع صاحب کا ہے۔ آپ کون آئے نصاب بنانے والے؟“

اس گفتگو سے یہ لوگ سخت خفیف ہوئے اور اس 'نئے نسخے' کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ انہی مغربی سامراج کے پروردوں نے لادینی عناصر کے ساتھ مل کر ایک اور سکیم بنائی، وہ یہ کہ مختلف ممالکِ اسلامیہ سے علما کو جمع کر کے ایک مجلسِ مباحثہ (کولوکیم/colloquium) منعقد کی جائے۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے علما تنگ نظری اور قدامت پسندی میں مبتلا ہیں اور مصر و شام وغیرہ کے علما آزاد خیال اور تجدد پسند ہیں۔ یہاں کے علما کا دین سب سے مختلف ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں وہ بینک کے سود کو حرام سمجھتے ہیں، خواتین کی حیا و عصمت کی حفاظت کے لیے پردوں کے حامی ہیں اور ڈاڑھی نہیں منڈاتے، بلکہ اسے اسلام کا شعار، مردانہ چہرے کی زینت اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں۔ (غلام احمد) پرویز وغیرہ جیسے ملاحدہ نے حکومت کو یقین دلایا تھا کہ اس مجلسِ مباحثہ سے قدامت پسند طبقہ کو شکست ہو گی اور مصر و شام کے علما یہاں کے مولویوں کو تجدد پسندی کا درس دیں گے۔

(باقی صفحہ نمبر 30 پر)

اللہ کی راہ میں نکلنے والے سب ہی اچھے لوگ ہیں

اسیری سے رہائی پا کر آنے والے ایک ساتھی کو مشفقانہ نصیحت

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمہ اللہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالا ہے۔ اس کو لکھنے والے القاعدہ برِّ صغیر کی لجنۂ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم ہیں، جنہیں میادین جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ

میرے پیارے بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حمد و ثنا اور سلام کے بعد بندۂ ناچیز دعاؤں کے ساتھ حاضرِ خدمت ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل و کرم سے خیر و عافیت میں ہوں گے۔ خاکسار بھی اللہ رب العالمین کی مہربانی اور آپ لوگوں کی نیک دعاؤں سے خیر و عافیت میں ہے۔ خاکسار ایک دفعہ پھر آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ کبریٰ کو یاد دلاتا ہے جو آپ کو ہدایت کے اصلی سرے (کو پانے) کی صورت میں نصیب ہوئی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے ایک جاں گسل ریاضت (قید کی صعوبتوں) سے گزارا جس میں آپ سرخرو ہوئے ہیں۔ یہ اسی کی توفیق سے ہوا اور یہ آپ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دوسرا بڑا انعام ہے۔ اس طویل عرصے میں جو کچھ عین الیقین کے طور پر آپ کو حاصل ہوا ہے، یہ تو نصیب والوں ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ شکرانے کے طور پر اپنے آپ کچھ وقت اسی کے راستے میں پاؤں غبار آلود کرتے گزاریں، جس سے حاصل شدہ ایمان و یقین میں اور زیادہ نکھار پیدا ہوتا ہے۔

یہ بات غور طلب ہے کہ اگر لوہے کے کسی اوزار کو تیز کر کے اس سے کام لینے کے بجائے اسے ایسے ہی رکھ دیا جائے تو یہ اوزار کچھ عرصہ کے بعد اپنی دھار کھو دے گا۔ بعینہٖ انسانی قلب کا معاملہ بھی یہی ہے، بلکہ انسانی قلب کا معاملہ تو لوہے کے اوزار سے بھی آگے کا ہے کیونکہ لوہے کے اوزار پر زنگ لگنے میں شیطان کا عمل دخل نہیں ہوتا ہے جبکہ انسانی قلب پر شیطانی وار کا عمل دخل بھی ہوتا ہے۔ انسانی قلب کی صفائی کے بعد اس پر مسلسل محنت کرنے کے بجائے اسے چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی زنگ آلود ہو کر رہ جاتا ہے۔

میرے پیارے بھائی! ایک لحہ کے لیے آپ کی توجہ دنیا کی بے ثباتی کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ اللہ کے رسول (ﷺ) نے اس دنیا کو بکری کے بچے کی مردہ لاش سے تشبیہ دی ہے جس کی قدر و قیمت کسی کے ہاں کوئی نہیں۔ یہ دنیا ایک کشتی کی مانند ہے جس سے انسان اپنا دامن بچا کر ہی گزرتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف یہ خوشخبری ہے کہ ایک صبح اور ایک شام اللہ کی راہ میں لگانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ تو پھر کس بات کی دیر ہے! میں جو کچھ بتا رہا ہوں، یہ آپ کے زخم پر نمک چھڑکنے کے لیے ہرگز نہیں کہہ رہا ہوں۔ مجھے حالات کا بخوبی اندازہ ہے۔ کیا چیز اللہ کے راستے میں نکلنے میں مانع ہے؟ کیا کوئی اللہ پر تنہا بھروسہ کیے بغیر بھی اس کے راستے میں نکل سکتا ہے۔ اس کے راستے میں نکلنے کے لیے کسی اور پر معمولی آس بھی لگائی نہیں جا سکتی ہے۔ اللہ کے بے شمار بندے نہ جانے کہاں کہاں سے اس کی راہ میں وقت لگانے کے لیے نکل کر آ رہے ہیں اور دنیا کے کونے کونے پر گشت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (سورۃ النساء: ۱۰۰)

"اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا۔"

خاکسار کو ماضی و حال کے بہت سے اولیاء اللہ کے سفر ناموں کے مطالعے سے یہاں تک یقین ہو گیا ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اس کے راستے میں سفر اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے مٹی کے ذرے بھی اس کی مدد و نصرت میں اپنے پَر بچھا دیتے ہیں۔ اللہ کے رسول (ﷺ) جب اپنے رفیقِ سفر حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ نکلے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کس طرح مدد کی۔ جان کے دشمن ان کے غار کے دہانے پر اور اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو حکم دیا کہ جالا تان لے، اس نے آناً فاناً جالا تانا اور دشمن کو خبر بھی نہ ہوئی کہ یہاں کوئی ہے!

اسی طرح اس کے راستے میں نکلنے والوں کے لیے قدم قدم پر مدد و نصرت اترتی ہے۔ صرف ایک دفعہ نکلنے کی دیر ہوتی ہے اور یہ مدد و نصرت اللہ کی راہ میں نکلنے والوں ہی کو ملے گی۔ مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے تو شاید آپ کسی پر آس لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ آپ کو خوش آمدید کہے گا (تو آپ نکلیں گے) تو یہ بات مناسب نہیں۔ اللہ کے راستے میں نکلنے کے لیے فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے اور اس کے لیے خود ہی آپ کو ہاتھ پیر مارنا ہے۔ جہاں تک اخلاقی سپورٹ کا تعلق ہے تو اللہ کی راہ میں نکلنے والے سب ہی اچھے ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 43 پر)

مع الأُستاذ فاروق

معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں، بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ اللہ جو ہمارا ربّ ہے، ہمارا ہے، ہمارا اللہ ہے! اسی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہمیں موت دیتا ہے اور بلاشبہ اس نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ دیکھے کہ ہم میں سے کون ہے جو بہترین عمل کرتا ہے۔

مع الأستاذ فاروق، استاذ احمد فاروق کے ساتھ چند ملاقاتیں، ان کی چند یادیں، ان کی قیمتی باتیں، ان کی بعض ایسی باتیں جو مجھے خاص طور پر اچھی لگیں۔ حضرتِ استاذ سے آج تک جتنی ملاقاتیں رہیں، سب کا احوال اور سب کی سب تو یاد نہیں، لیکن جتنی ذہن میں تازہ ہیں سب ہی لکھنے کا ارادہ ہے کہ یہ ان شاء اللہ توشۂ آخرت ہوں گی، مجھ سمیت حضرتِ استاذ کے محبّین کے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات، صحیح نیت اور صحیح طریقے سے کہنے والوں میں شامل فرمالے۔ نوٹ: ان سلسلہ ہائے مضامین میں جہاں بھی 'استاذ' کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ ہوں گے۔

جواد عارف شہید[۱]

ألحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.

أللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليک يسير، آمين!

سلسلۂ مع الأستاذ ہی کی طرز پر مصعب بھائی کا کچھ ذکر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مصعب بھائی کا اصل نام جواد عارف تھا، اولاً جہاد میں معوّذ کے نام سے معروف تھے، پھر مصعب کے نام سے اور قلمی نام ابنِ عفراء تھا۔

مصعب بھائی کا ذکر پہلی بار میں نے راہِ ہجرت بننے سے قبل سنا۔ میں اپنے شہر میں ایک ساتھی کے گھر میں بیٹھا تھا (اللہ اکبر، اس محفل میں میرے علاوہ تین ساتھی تھے اور تینوں آج امریکی غلام آئی ایس آئی کی خفیہ جیلوں میں ہیں، اللہ پاک ان سب کو رہائی عطا فرمائے اور ہمیں ان کی رہائی کا سبب بنائے کہ ہم ان امریکی غلاموں کے سروں پر ضربِ حدید لگائیں کہ یہ اس کے سوا اور کوئی زبان نہیں سمجھتے، آمین)، ہم کھانا کھا رہے تھے اور ایسے میں ایک نیکی کی صفت کا بیان ہوا۔ اس محفل میں سب سے بڑے اور سب سے زیادہ پرانے داعی و مجاہد فی سبیل اللہ نے اس نیک صفت کا ذکر 'مصعب' بھائی کی نسبت سے کیا۔ یہ صفت، نیکی کے معاملے میں سبقت اور نیکی کی بات کو زیادہ سوچ بچار کے بغیر اس پر عمل کرنے سے متعلق تھی۔ یوں میں مصعب بھائی سے پہلی بار متعارف ہوا، لیکن تعارف بس یہی تھا اور نام معوّذ ذکر ہوا۔

ارضِ ہجرت میں میری جائے آمد میران شاہ، شمالی وزیرستان تھی اور مصعب بھائی سے جائے ملاقات وانا، جنوبی وزیرستان۔ ان دو مقامات کے درمیان میرے سفر کی مدت تین ماہ ہے۔ ان تین ماہ میں بھی میں نے مصعب بھائی کی نیکی ہی کا سنا، ذکر معوّذ کے نام سے ہی ہوتا۔ اکثر ذکر یوں ہوتا کہ 'عمر میں چھوٹے ہیں لیکن نیکیوں میں بڑے ہیں'۔

پہلی ملاقات وانا میں ہوئی، بلکہ کئی ملاقاتیں ہو گئیں، لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ جن مصعب بھائی سے میں تعلقِ محبت قائم کر چکا ہوں، یہی معوّذ ہیں جن کو میں ایک سال قبل سے غائبانہ جانتا ہوں۔

مصعب بھائی کو میں نے اپنے گرد موجود مسلمانوں کا قدر دان پایا، ان کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کا خیال رکھنے والا، ان کے لیے سامانِ راحت بہم کرنے والا اور ارد گرد کے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانے والا۔

مصعب بھائی بعض اصولوں پر سختی سے کاربند ہوتے اور عمومی انسانی مزاج میں اصول پسندی کے معاملے میں تساہل کا عنصر پایا جاتا ہے۔ دنیا کی اکثریت ایک مقررہ وقت اور مقررہ اصولوں پر چلتی ہے، لیکن سچ یہ ہے کہ چلتی نہیں ہے چلائی جاتی ہے، اس میں 'جبر' کو دخل حاصل ہے۔ اسی جبر یا اصول پسندی کے سبب اصول پسند لوگ یا اصولوں کو نافذ کرنے والے لوگ عموماً لوگوں میں محبوب نہیں ہوتے بلکہ کثیر تعداد مبغوض ہوتی ہے یا اگر مبغوض سخت تبصرہ ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم محبوب نہیں ہوتی۔ مصعب بھائی کو میں نے جس ایک اصول پر سختی سے کاربند پایا تو وہ 'امنیت' یا 'احتیاطی تدابیر' تھا۔ مصعب بھائی امنیت میں سخت تھے اور بظاہر 'خشک' بھی محسوس ہوتے تھے، لیکن اس اصول پسندی اور سختی کے باوجود محبوب بھی تھے۔

میری نظر میں اس کا سبب اولاً ان کی نیک نیتی اور ثانیاً ساتھیوں کے ساتھ نرمی کا اور محبت کا رویہ تھا۔ وہ امنیت میں خوب زبردست تھے لیکن جس قدر نرمی کی جا سکتی کرتے اور دیگر تمام معاملات میں بھی نرم ہوتے اور ان کا انگ انگ محبت کا اظہار کر رہا ہوتا۔ بالفرض اگر کسی کو ان کی امنیت میں اصول پسندی کی وجہ سے ان سے طبیعت میں 'دوری' محسوس ہوتی بھی تو ان کی دیگر معاملات میں محبت و نرمی مخصوص شخص کو سوچنے پر مجبور کر دیتی کہ یہ آدمی برا نہیں ہے، پھر وہ امنیت میں سختی کا سبب سمجھ پاتا یا نہیں لیکن ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ ایک بار کسی نے ان سے حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کے حوالے سے 'چھیڑنے' کی غرض سے پوچھا کہ کیا ان کے یہاں بھی امنیت ہوتی تھی؟ تو مصعب بھائی نے بڑے مزے سے، لمبا سا 'ہاں' کہا اور کہا کہ 'بہت ہوتی تھی'، محفل میں موجود سب ہی لوگ مسکرا اٹھے۔

مصعب بھائی کا معاملہ ایسا تھا کہ ہر کوئی ان کے بارے میں یہ خیال کرتا کہ یہ مجھ سے ہی زیادہ محبت کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات بالکل بھی ضروری نہیں تھی۔

مصعب بھائی وقت کو قیمتی بنانے والوں میں سے ایک تھے۔ اگر کوئی محفل 'فائدہ مند' نہ ہوتی تو میں نے اکثر دیکھا کہ 'ایم پی تھری پلییئر' سے ائیر فون لگاتے اور کسی درس وغیرہ کو سننے میں مگن ہو جاتے۔ اکثر شیخ انور العولقی کو سنتے جو اس وقت حیات تھے۔ شیخ انور کا ذکر آ ہی گیا تو عرض کروں کہ مصعب بھائی شیخ انور سے بہت خاص تعلق رکھتے تھے (جو ظاہر ہے کہ شیخ شہید کے اکثر محبین و مداحین کی طرح غائبانہ ہی تھا)، لیکن یہ تعلق والہانہ بھی تھا اور دیوانہ وار بھی۔ مجھے یاد ہے کہ شیخ انور کا ایک ویڈیو بیان سنہ ۲۰۱۱ء کے اوائل میں آیا، مصعب بھائی کو معلوم ہوا تو وہ دیوانہ وار اس بیان کو سننے اور دیکھنے کو لپکے۔

ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ گھر رابطہ رکھتے ہیں؟ (مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان کا گھرانہ پورا ہی مہاجر ہے)۔ کہنے لگے کہ پہلے رکھتا تھا، پھر اللہ نے غنی کر دیا۔ میں سمجھا نہیں اور کہا کہ میں سمجھا نہیں تو بولے کہ وہ یہیں ہوتے ہیں۔

یوں تو چھوٹی سی بات ہے، ایک بار میں نے ان سے قلم منگوایا۔ انہوں نے فوراً جیب سے ایک 'پوائنٹر' نکال کر دے دیا، میں نے کہا، مجھے کالے رنگ کا چاہیے یہ نیلا ہے، تو فوراً واپس لے لیا اور شام کو نیا، کالے رنگ کا لا دیا۔ پھر کئی مہینے یا پھر سال سے بھی زیادہ گزر گیا اور کسی اور محفل میں مجھے قلم کی ضرورت پڑی، کسی نے جیب سے نیلا قلم نکال کر دیا تو انہوں نے فوراً اپنی جیب سے کالا قلم نکال کر دیا اور کہا 'ان کو تو کالا قلم چاہیے' اور دھیما سا مسکرائے۔

مستقل تہجد گزار تھے۔ میں نے طویل عرصہ ان کے ساتھ گزارا تو محض اٹھارہ انیس سال کی عمر میں تہجد پڑھتے تھے اور کم بھی نہیں عموماً گھنٹہ گھنٹہ پڑھتے تھے۔

حافظِ قرآن تھے اور خود ہی حفظ کیا تھا۔ حافظِ قرآن بھی تھے اور عاشقِ قرآن بھی۔ مصحف مستقل جیب میں ہوتا، لمبی لمبی تلاوت کرتے، اس کو یاد رکھتے، تفسیر سبقاً پڑھتے اور جو عالِم میسر آتا تو اسے معارف و مسائل پوچھتے اور ان کے اصل استاذ و مرشد تو 'استاذ' ہی تھے۔ رمضان میں تراویح میں قرآن پاک تلاوت کرتے اور تراویح میں عموماً رائج طریقۂ تلاوت 'حدر' کے بجائے 'ترتیل' یعنی خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے اور اہلِ ہمت ہی ان کا ساتھ تراویح میں دے پاتے۔ یہ نفلی نماز کی بات ہے نہ کہ فرض نماز کی، اور نفلی میں بھی وہ کسی کو مجبور تھوڑا ہی کرتے تھے کہ میرے پیچھے نماز پڑھو، اس لیے جیسا علما سے سنا سیکھا ہے تو یہ مستحسن ہی قرار پائے گا۔

والدہ کی بے مثال خدمت کرتے۔ میں بہت زیادہ تفصیل تو نہیں جانتا لیکن سنا کہ والدہ کے بیت الخلاء جانے سے پہلے لوٹے میں پانی بھر کے رکھتے، وضو کرواتے۔ والدہ کے بہت محبوب تھے۔ محبوب تو ماں کو ہر بچہ ہی ہوتا ہے، لیکن یہ محبوب اپنی صفات کے سبب تھے، بلکہ اعلیٰ صفات کے سبب۔

طبعاً درویش مزاج تھے۔ جھوٹا کھا لیا، موٹا پہن لیا۔ بہت سی چیزوں کی خبر ہی نہ ہوتی۔ ہمارے اسلاف میں کئی بزرگوں کے جیسے واقعات سنے ہیں تو اس طرح کی درویشی ان میں دیکھی بھی اور سنی بھی۔

خدمت میں بھی خوب آگے آگے ہوتے۔ میں نے ایسا وقت کم ہی ان کے ساتھ گزارا کہ ہم کسی مرکز میں ہوں اور وہاں خدمت کے مواقع بھی ہوں، اکثر وقت اکٹھے مہمان خانوں میں یا مراکز میں بطورِ مہمان ہی اکٹھا گزرا۔ لیکن جب ان کے گھر سے ہمارا ایک مرکز متصل تھا اور ہم ساتھی اپنا کھانا خود پکاتے تھے تو یہ بھی آ جاتے اور بعض دفعہ تو پورا کھانا ہمارے لیے پکاتے لیکن خود چکھتے بھی نہیں تھے۔ پھر جسمانی خدمت بھی خوب کرتے جس میں تھکاوٹ زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً کسی کے یہاں ہینڈ پمپ ٹھیک کرنے کے لیے پائپ اور سلاخوں کو نکالنا ہے یا پانی کی کنویں میں اتاری جانے والی مشین (submersible) اتارنی ہے یا پانی کے کین ڈھوڈھو کر پانی بھرنا ہے تو اس سب میں مستعد ہوتے۔

بلا کے ذہین تھے۔ بہت کم عرصے میں عربی زبان جدید طریقۂ تعلیم کے مطابق سیکھی۔ اس کے لیے 'مدینہ کورس بکس' یا 'تعلیم اللغۃ العربیۃ لغیر الناطقین بہا' مؤلفہ ڈاکٹر ف۔ عبد الرحیم سے استفادہ کیا۔ یہ کتاب استاد آصف علی مہر صاحب نے پڑھائی ہے اور اس کی ویڈیوز موجود ہیں، جنہیں دیکھ کر با آسانی یہ کتاب پوری پڑھی جا سکتی ہے۔ غالباً برادرِ محترم داود غوری نے یہ بات کہی جو خود بھی استاد آصف علی مہر صاحب کے شاگرد ہیں کہ آصف علی مہر صاحب ہر درس کے شروع میں یا آخر میں یہ دعا کرتے ہیں کہ ......وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَاماً، تو یہ دعا تو ان کی قبول ہو گئی ان شاء اللہ کہ ان سے کتنے ہی لوگوں نے استفادہ کیا ہے اور عربی سیکھی ہے۔ آصف علی مہر صاحب کے چند متقی شاگردوں میں، جنہیں میں جانتا ہوں تو ان میں شہید انجنیئر ملک محمد عادل (سہیل بھائی، استادِ بارود و برقیات)، شہید انجنیئر حافظ خرم حفیظ (حافظ سعد صاحب جو مصعب بھائی کے بہنوئی بھی تھے)، شہید انجنیئر چودھری عفان غنی (ریحان بھائی، یہ بھی مصعب بھائی کے بہنوئی تھے)، شہید قتادہ کشمیری (یہ بھی مصعب بھائی کے بہنوئی تھے)، شہید سافٹ ویئر انجنیئر علی سلمان اشرف ملک اعوان (ہشام گل بھائی، یہ بھی مصعب بھائی کے بہنوئی تھے[1])، شہید سافٹ ویئر انجنیئر وقاص احمد (طیب بھائی)، شہید کیڈٹ ڈاکٹر عبد الرافع (عبد الودود زاہد بھائی)، شہید صدام حسین (یعقوب بنگلہ دیشی بھائی) رحمۃ اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں، ان کے علاوہ بھی استاد آصف علی مہر صاحب کے بہت سے حیات مجاہد شاگرد موجود ہیں[2] (حفظهم الله وفقهم الله)۔ خیر اس کے بعد مصعب بھائی نے روایتی طریقے سے بھی صرف و نحو پڑھنی شروع کی از کتاب 'عربی کا معلم'۔

---

[1] ماشاء اللہ والحمد للہ...... ایں خانہ تمام آفتاب است!

[2] ان شاء اللہ، روزِ قیامت اپنے نامۂ اعمال میں اتنے مجاہد شاگردوں کے نام دیکھ کر استاد آصف علی مہر صاحب خوش ہو جائیں گے!

خود اپنے تعلیمی معمول کے متعلق انہوں نے اپنے اور ہمارے شیخ و مرشد 'استاذ احمد فاروق' کے نام اپنے آخری خط میں لکھا:

"میرے وقت کا آدھا حصہ (مکمل نصف حصہ) آپ کے امر کے مطابق تحصیلِ علم کے لیے مختص ہے۔ بلکہ میری اپنی خواہش تو اس نصف کو دو ثلث اور اس سے بھی زیادہ بلکہ کاملاً علم کے لیے وقف ہو جانا ہے......

......تفسیرِ ابنِ کثیر، معارف الحدیث (اور) فقہِ حنفی (کتاب) پڑھ رہا ہوں......یہ کتاب (عربی کا معلم) باضابطہ شروع کر رکھی ہے۔"

یہاں تین باتیں 'تحصیلِ علم' کے ذکر پر مزید ذہن میں آ گئیں، دو مصعب بھائی کے حوالے سے اور ایک عموماً مجاہدین کے حوالے سے۔

مصعب بھائی جب کوئی چیز پڑھتے، خاص کر تعلیمی انداز میں تو اس کو اپنے اندر اتار لیا کرتے تھے یا ہضم کر لیتے تھے۔ لہٰذا جب وہ ذکر کرتے ہیں کہ میں تفسیرِ ابنِ کثیر پڑھ رہا ہوں، معارف الحدیث پڑھ رہا ہوں اور فقہ میں 'فقہِ حنفی' تو یہ پڑھنا اس انداز کا نہیں ہے جیسے ہم عام لوگ پڑھتے ہیں کہ 'آگے دوڑ پیچھے چھوڑ'۔ ساتھ میں ایک اور خوبی جو شاید تواضع کا ایک باب ہو، مصعب بھائی میں یہ تھی کہ جو جو علم اندر انڈیلتے تو فوراً ظاہر نہ کرتے یعنی ہر جگہ بولتے نہ تھے۔

ایک بار استاذ نے بتایا کہ شیخ عطیۃ اللہؒ نے ایک محفل میں کہا:

"طالبِ علم کو چاہیے کہ وہ جو علم حاصل کرے تو اس کو جذب کرے، فوراً ہی (تقریر و خطبے کی صورت میں) باہر نہ نکال دے۔"

مجاہدین کے تحصیلِ علم کے حوالے سے بات پر بھی استاذ ہی کا ایک قول یاد آ گیا۔ ایک بار کہنے لگے کہ مجاہدین جو تحصیلِ علم کرتے ہیں تو یہ عموماً رسمی انداز میں نہیں ہوتا اور عموماً رسمی انداز میں مجاہدین کے لیے تحصیل ممکن بھی نہیں ہے۔ پھر استاذ نے میدانِ جہاد کے دو تین علما کا ذکر کیا۔ للأسف، مجھے ان میں سے صرف شیخ عطیۃ اللہ کا نام ہی یاد رہ گیا ہے۔ مجاہدین اور علمِ دین کے تعلق کی بہترین مثال بلکہ وسیع ترین مثال 'امارتِ اسلامیہ افغانستان' ہے۔ 'طالبان' کی کثیر تعداد واقعی 'طالبانِ علم' ہے۔ عام درجے کا مجاہد یا طالب بنیادی کتبِ درسِ نظامی پڑھا ہوتا ہی ہے، لیکن امارت میں ضلعی قائدین کے درجے پر (جو انتظامی طور پر سب سے چھوٹا درجہ ہے) شاذ ہی کوئی ذمہ دار ایسا ہوگا جو مکمل عالم یا 'مولوی' نہ ہو، ورنہ درجۂ مشکوٰۃ شریف تک تو پڑھا ہوتا ہی ہے۔ پھر یہ سب 'ملا' و 'مولوی' حضرات مجاہد بھی ہوتے ہیں۔ ان کی عمریں عام طور پر پچیس سے پینتیس سال کے پیٹے میں ہوتی ہیں اور ان میں اکثر کو جہاد کرتے ہوئے پندرہ پندرہ سال ہو چکے ہوتے ہیں۔ جہاد اور مجاہدین کی زندگی سے واقف لوگ خوب جانتے ہیں کہ جہاد میں اتنا فاضل وقت نہیں ہوتا کہ باقاعدہ علمِ دین حاصل کیا جائے، جبکہ دوسری طرف یہ ضروری بھی ہے۔ یہ سب طالبان سال میں کم از کم دو سے ڈھائی ماہ رسماً علم حاصل کرتے ہیں۔ ایک کتاب ایک جگہ پڑھی، دوسری دوسری جگہ، تیسری تیسری جگہ۔ جو تحصیلِ علم کے شوقین ہیں یا جو مجاہدین پڑھنے لکھنے کا مزاج رکھتے ہیں یا ذہین ہیں تو ان کو ان کے امرا یا ذمہ داران باقاعدہ مدارس میں بھی داخل کرواتے ہیں۔ دن میں یہ مجاہد طالبِ علم ہوتا ہے اور رات میں یہ طالب مجاہد بن کر پہرہ دیتا ہے۔

علمائے کرام نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حصولِ علم کا طریقہ بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔ کتنے علما صحابہ دورِ مدنی میں ایمان لائے۔ یہ دور کل کتنا ہے؟ محض دس سال! اور دس سال میں ستائیس (۲۷) غزوات بنفسِ نفیس حضورؐ نے لڑے، جبکہ تہتر (۷۳) سرایا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمائے۔ سو سے زیادہ جنگیں محض دس سال میں، یعنی تناسب نکالیں تو ہر سال دس جنگیں۔ پھر صحابہ میں کون ہے جو پیچھے رہ جائے، خاص کر غزوات میں تو کوئی بھی پیچھے نہیں رکتا، الّا یہ کہ کوئی عذر ہو یا حضورؐ خود روک دیں۔ اسی کے ساتھ یہ علم بھی حاصل کرتے ہیں۔

آج صحابہؓ کے روحانی بیٹے بھی مثلِ صحابہ ہیں۔ ان میں جو طلبائے علم ہیں وہ کچھ یہاں، کچھ وہاں، کچھ آج، کچھ کل، تھوڑا تھوڑا، آہستہ آہستہ، یوں علمِ دین پڑھتے ہیں۔ اللہ پاک مجھے بھی اپنے دین کا طالبِ علم بنالے، آمین۔

مصعب بھائی جہاد میں آنے سے قبل 'بیکن ہاؤس' میں پڑھتے تھے اور وہاں رائج او لیولز (کیمبرج) کے طریقِ تعلیم کے مطابق تین سالوں میں سیکنڈری درجے کی تعلیم مکمل کروائی جاتی ہے، یعنی آٹھویں جماعت کے بعد تین جماعتیں مزید ہوتی ہیں۔ مصعب بھائی او لیولز کے پہلے درجے میں (O1) تھے جب وہ راہِ ہجرت کے راہی بنے۔ اپنی اس جماعت (O1) میں بھی اور اس سے قبل بھی مستقل اعلیٰ پوزیشن حاصل کرتے رہے۔ ڈسٹنکشن (distinction) کیمبرج و لندن امتحانات میں ایک ایسا درجہ ہوتا ہے (گو یہ نظام ہمارے بعض مدارسِ دینیہ میں بھی موجود رہا ہے) کہ اگر کوئی طالبِ علم غیر معمولی نمبر حاصل کرلے تو اس کو دیا جاتا ہے، یعنی عام اعلیٰ گریڈز اور عام اعلیٰ نمبروں سے بھی زیادہ، حتیٰ کہ بعض مرتبہ سو نمبر کے پرچے میں سو سے زیادہ بھی نمبر قابلیت کے سبب دے دیے جاتے ہیں۔ راقم بیکن ہاؤس کے داخلی امتحانی نظام سے واقف نہیں لیکن مصعب بھائی کے ایک قریبی رشتہ دار کے بقول انہوں نے اس میں (O1 میں) ڈسٹنکشن حاصل کی۔ یہ نظام ہو یا نہ ہو لیکن مصعب بھائی ایسی قابلیت والے شخص ہی تھے۔

مصعب بھائی کے ذکر کی پہلی وعدہ کردہ مجلس یہیں روکتا ہوں۔ اللہ پاک توفیق دے کہ ان کی زندگی کے بعض دیگر پہلو جو شاید زیادہ اہم ہوں خاص کر جہاد و قتال کی خدمت کے پہلو، تو ان پر اگلی محفلِ استاذ میں لکھ سکوں۔

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمدلله ربّ العالمين.

و صلى الله على نبينا و قرة أعيننا محمد و على آله و صحبه و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

جمہوریت...... ایک دینِ جدید

فضیلۃ الشیخ حسن قائد شہید (ابو یحییٰ اللیبی) رحمہ اللہ

ہر مسلمان جو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہے، اور ان جملوں کے حقیقی معانی سے آگاہ ہے، اسے مکمل طور پر اس بات کا ادراک ہو گا کہ دین اسلام فی ذاتہٖ ایک مکمل دین ہے، اس میں کوئی کمی یا نقص نہیں کہ جس کی تکمیل کی جائے، اور یہ ایسا دین ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس کے دامن میں انسانیت کی فلاح و بہبود کا تمام سامان موجود ہے، لہٰذا اسے کسی دوسرے نظریے کے ساتھ خلط ملط کرنے کا نہ تو کوئی جواز ہے اور نہ ضرورت۔

یہ دین عقائد کے اعتبار سے بھی کامل ہے اور احکامات کے لحاظ سے بھی مکمل۔ اسی طرح عبادات، معاملات، سیاسیات، عدل و انصاف، اخلاقیات اور اقدار...... غرض ہر معاملے میں مکمل اور واضح ہے اور اپنے تمام ضابطوں اور ان کے حصول و تنفیذ کے لیے یہ کسی خارجی معاون کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۃ المائدہ:۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا۔“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا أبداً، کتاب الله و سنة نبیه.“ (الحدیث رواہ الحاکم)

”یقیناً میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اس سے چمٹے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت۔“

اور یہ دینِ اسلام کے مکمل ہونے کا ثبوت ہے جس کی بنا پر ہر اختلاف کی صورت میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی اور کتاب و سنت کامل نہ ہوتے تو پھر ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم بے معنی اور لغو ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (سورۃ النساء:۵۹)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور اولوالامر (صاحبان اختیار) کی جو تم میں سے ہوں، البتہ جب کسی چیز میں تمہارے درمیان اختلاف و تنازع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔“

علمائے کرام بیان فرماتے ہیں اللہ کی طرف لوٹانے کا معنی اس کی کتاب کی طرف لوٹانا ہے، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے کا مطلب ان کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اور اللہ کا فرمان ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ (سورۃ الشوریٰ:۱۰)

”اور تم جس چیز میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہو گا۔“

لہٰذا شریعتِ اسلامی سے ہٹ کر جس چیز کی بھی اتباع کی جائے وہ خواہشاتِ نفس کی اتباع ہی کہلائے گی، خواہ اُسے کوئی خوب صورت نام دے کر اس میں کیسی ہی خوبیاں کیوں نہ گنوائی جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ الجاثیہ:۱۸)

”پھر ہم نے تمہیں دین کے کھلے راستے پر (قائم) کر دیا تو اسی (راستے) پر چلو اور نادانوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا۔“

اور فرمایا:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ (سورۃ الشوریٰ:۱۵)

”تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی (دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہنا اور جیسا تمہیں حکم ہوا ہے (اسی پر) قائم رہنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔“

اور فرمایا:

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (سورۃ یونس:۴۱)

”تو اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجیے کہ میرے لیے میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے، تم میرے عمل سے بری اور میں تمہارے عمل سے بری و لاتعلق ہوں۔“

راہ حق صرف ایک ہے، جو انتہائی واضح اور ثابت شدہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بطور دین پسند فرمایا ہے، اور اس کے سوا کوئی راہ بھی عند اللہ مقبول نہیں ہے، اور اس واحد راہ کا نام ''دینِ اسلام'' ہے۔ اس کے برعکس گمراہی و خواہشات کی بہت سی راہیں اور طریقے ہیں۔ جن کی پیداوار اور نوعیت ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے، لیکن دین اسلام کے سوا تمام راہیں یکسر غلط و باطل ہیں، خواہ وہ کسی بھی نام یا بہروپ کے ساتھ سامنے آئیں۔ باطل بہر حال باطل ہی کہلاتا ہے خواہ اس کا نام حق ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○(سورۃ الانعام:۱۵۳)

''اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے کہہ دیجیے) کہ یقیناً میرا راستہ سیدھا راستہ ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دیگر راستوں کی پیروی مت کرو کہ وہ تمہیں اس راہ (حق) سے ہٹا دیں گے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور پھر فرمایا:

''یہ اللہ کا راستہ ہے۔''

پھر اس کے دائیں بائیں کچھ لکیریں کھینچیں اور فرمایا:

''یہ مختلف راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہے جو لوگوں کو ان کی طرف دعوت دے رہا ہے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔''(مسند احمد)

جب تک امت مسلمہ نے اس راہ حق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا اور عملی طور پر اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا، تب تک آسمانوں سے مدد اور نصرت اترتی رہی، خلافت و تمکن حاصل ہوئے، اور دشمنوں پر اس کی ہیبت بیٹھی رہی۔ مگر اس کے برعکس امت نے جب بھی حق سے منہ موڑا تو اللہ کی نصرت اور خلافت و تمکین کا استحقاق بھی کھو دیا۔ اگر کسی کو اس بات میں شک ہو تو شریعت کا مطالعہ کر کے یہ حقیقت معلوم کر سکتا ہے۔ اور اس پر بھی تسلی نہ ہو تو امتِ مسلمہ کی سابقہ تاریخ اور موجودہ حالتِ زار کا مشاہدہ کرنے کے بعد تو کچھ تذبذب بھی باقی نہیں رہتا۔

ہر مسلمان کے پیشِ نظر یہ بات رہنی چاہیے کہ اس حوالے سے ادنیٰ سا اضطراب اور اس حقیقت کے فہم اور علم میں تھوڑا سا تذبذب بھی گمراہی در گمراہی کا باعث بن سکتا ہے۔ ایک قدم پر انحراف کا نتیجہ ہر اگلے قدم پر ایک اور انحراف کی صورت میں نظر آتا ہے۔ ایک بگاڑ سے مزید بگاڑ پیدا ہوتے ہیں، ایک فتنے سے دوسرا فتنہ جنم لیتا ہے، اور پھر گمراہی کا یہ سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لیتا۔

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں راہِ ہدایت اور ہدایت یافتہ لوگوں کی سنت کو تھامنے کا حکم دیا ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نت نئی گمراہیوں اور بدعات سے دور رہنے کا حکم بھی دیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

''فانه من يعش منكم فسيرىٰ اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي و سنة الخلفآء الراشدين المهديين تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ واياكم و محدثات الأمور فأن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة.''(مسند احمد، ابو داود)

''جو تم میں سے زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ تو اس وقت تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت (طریقے) کو تھام لینا اور اس کو اپنی داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لینا۔ اور دین میں نئی باتوں سے خود کو بچا لینا۔ کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو اپنے دل کی گہرائیوں میں بسا لے!

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○(سورۃ الزخرف:۴۳)

''پس تم اس بات کو مضبوطی سے تھام لو جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے، پھر یقیناً تم صراط مستقیم پر ہو گے۔''

مومن کو چاہیے کہ اسی صراطِ مستقیم کو اپنے لیے صد افتخار سمجھے، اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دے، اسی کے لیے ہر قسم کی قربانی دے اور اس کے نشر و اعلان کے لیے ہر قسم کی تکلیف و صعوبت برداشت کرے۔ اس کے ماسوا کی طرف ادنیٰ سے التفات سے بھی بچے۔ خواہ اس کے ثبوت کے لیے کیسی ہی ملمع ساز دلیلیں کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ ترکِ حق کے بعد تو صرف باطل ہی باقی بچتا ہے۔ باطل کی طرف بلانے والوں کی خوش رنگ باتوں اور جمہوری دلدل میں ڈوبتے لوگوں کی کثرت دیکھ کر کسی فتنے کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ہی اس بات کو خاطر میں لائیں کہ کتنے ممالک، انجمنیں اور تنظیمیں اس باطل کے نفاذ و ترویج کے لیے کوشاں ہیں۔ باطل باطل ہی ہے چاہے کوئی بھی اس کی طرف بلائے یا اس کی تابعداری کی دعوت دے۔ اور کوئی مانے نہ مانے، حق تو حق ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○(سورۃ البقرہ:۱۳۷)

''تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں تو (جان لو کہ) وہ گمراہی میں

ہیں۔ سو ان کے مقابلے میں تمہیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اور فرمایا:

وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَ ہُمۡ وَاحۡذَرۡہُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡکَ عَنۡ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّصِیۡبَہُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِہِمۡ وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ○(سورۃ المائدۃ:۴۹)

"اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجیے، اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے اور محتاط رہیے کہ یہ آپ کو اللہ کی طرف سے نازل کردہ کسی حکم سے بہکا نہ دیں، پھر اگر یہ روگردانی کریں تو جان لیجیے کہ اللہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو مصیبت میں ڈالنا چاہتا ہے، اور یقیناً بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔"

اور جس نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا اور خالی الذہن ہو کر خالص شرعی نکتۂ نگاہ سے اِسے سمجھ لیا اور خواہشات کی لپیٹ میں آنے سے بچ رہا تو اس کے لیے نت نئے نظریات اور سیاسی و انتظامی افکار کو صحیح تناظر میں سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے ممکن ہے کہ بغیر کسی تردد یا تحیّر کے ان پر درست حکم لگا سکے۔ تاکہ جسے ہلاک ہونا ہو وہ واضح دلیل کی روشنی میں ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کی برکت سے زندہ رہے۔

عصرِ حاضر کی عظیم ترین مصیبت اور دینِ اسلام کو درپیش بڑی آزمائش مغرب کا یہ کفری نظام ہے جسے جمہوریت کہا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش سر تا پا کفر میں غرق مغرب میں ہوئی، اس کی پرورش مغرب کے حیا سے عاری ماحول نے کی...... اور فسق و فجور میں ڈوبی اس دنیا میں ہی یہ نظام اوجِ کمال تک پہنچا۔ اور آج یہ نظام مسلمانوں کی غفلت، ان کی حکومت کے ارتداد اور ان کے معاشروں کی کمزوری کے باعث مسلمان معاشروں میں پھیل چکا ہے۔ اس کے پھیلاؤ میں علما کی خاموشی اور عوام کی جہالت نے بھی گہرا حصہ ڈالا ہے، الا من رحم اللہ۔

معاشرے میں صالح قوتوں کے فقدان کی وجہ سے جمہوریت کو مسلم علاقوں میں اپنے جھنڈے گاڑنے اور زہریلے عقائد پھیلانے کا موقع ملا۔ ہمارے ہاں دو قسم کے لوگوں نے اس کے لیے اپنا دامن پھیلا دیا اور بسر و چشم اسے قبول کیا۔ ایک تو بیوقوف اور نادان لوگ جو اس کفری نظام کے خوش نما دعوؤں سے دھوکے کا شکار ہو گئے اور دوسری قسم دھوکے باز مفسدین کی ہے جنہوں نے جان بوجھ کر اپنی قوم کو ہلاکت کی راہ پر ڈال کر ان کو جان کنی کی حالت تک پہنچا دیا۔ لہٰذا شوریٰ کے نام پر کفرِ اکبر نے رواج پکڑا، آزادی کے نعروں میں فاشی پروان چڑھی، آزادیٔ اعتقاد کے بھیس میں الحاد و زندقہ نے جڑ پکڑی، حریتِ فکر کے نام پر جاہلوں میں دین پر طعن و تشنیع کی جرأت پیدا ہوئی اور آرا کے تنوع و تعدّد کی دلیل پر یہ امت مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ اور ان تمام قباحتوں کے باوجود اس دینِ جدید کی حمایت میں منبر و محراب تک سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہر قسم کے پڑھے، سنے اور دیکھے جانے والے وسائلِ نشر و توزیع لوگوں کو اس دینِ جدید کو قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں اور فوجوں کی فوجیں اس دین کی حمایت اور تنفیذ کی خاطر جمع کی جا رہی ہیں۔

اللہ کی قسم! یہی دینِ جمہوریت عصرِ حاضر کا سب سے بڑا بت اور فتنہ ہے جس کی آگ نے اسلام کے روشن چہرے کو گہنا دیا ہے اور اس شفاف چشمۂ ہدایت کو گدلا دیا ہے اور اگر فساد فی الارض سے روکنے والے کچھ بچے کھچے اہلِ علم و ایمان نہ ہوتے، تو اس دینِ متین کو اس کے نام لیواؤں ہی کے ہاتھوں اکھیڑا جا چکا ہوتا اور اس عظیم محل کی بنیادیں تعمیر کرنے والی کدالوں ہی سے اسے زمین بوس کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ ربّ العزّت کا ارادہ یہی ٹھہرا کہ اپنے دین کی حفاظت کرے اور اپنی شریعت کو باقی رکھے اور اس مقصد کے لیے اپنے کچھ ایسے بندوں کو کھڑا کرے جو اپنی زبان اور تلوار سے اس دین کے دفاع کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق بنیں:

"میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا، انہیں بے یار و مددگار چھوڑنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر (قیامت) آ جائے گا جبکہ وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔"

باقی رہی یہ بحث کہ جمہوریت آخر ہے کیا چیز جسے مغربی سیاستدان ہم پر لاگو کرنا چاہتے ہیں، سیکولر طبقے اس کے فروغ کے لیے تڑپے جا رہے ہیں اور جاہل مسلمان بھی اس کے پیچھے سرپٹ بھاگے جا رہے ہیں۔ بلکہ ان میں بہت سے مدعیانِ علم تو اس اجنبی اور متعفن نظام کو 'اسلامیا' کر کے اسے شرعی سہارا دینا چاہتے ہیں۔ اس کج فہمی کی وجہ سے، کہ اسلام اور جمہوریت ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں ہمیں کئی عجیب کلمات سننے کو ملتے ہیں۔ جیسے جمہوری اسلام...... یا اسلامی جمہوریت، یہ اور ایسی ہی دیگر عبارات جو جہلِ مرکب کی پیداوار ہیں اگرچہ ان کے قائلین اعلیٰ فہم و فراست کے دعوے دار ہی کیوں نہ ہوں۔ (جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: پاک فوج کی نظریاتی اساس

[اور اس جنگ کے بعد سے آج تک 'ہم' جب بھی حوالدار محمد رمضان کی 'شہادت' کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ میں 'میڈم' نور جہاں کے 'نغمے' گونجنے لگتے ہیں 'اے وطن کے سجیلے جوانو...... ' اور......

چلے جو ہو گے 'شہادت' کا جام پی کر تم
حضور پاکؐ نے بانہوں میں لے لیا ہو گا
علیؓ تمہاری شجاعت پہ جھومتے ہوں گے
حسین پاکؓ نے ارشاد یہ کیا ہو گا:
'تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں'
اے راہِ 'حق' کے 'شہیدو'، 'وفا' کی تصویرو!

ذرا سوچیے......(سیلاب خان)]

ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زُنّاریوں کو دَیرِ کہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے اُن کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ خُتن سے نکال دو
اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!

محمد اقبال

ابلیس کا منشا یہ ہے کہ صدیوں تک بت خانوں میں پوجا پاٹ کرتے زنّار بند ہندوؤں کو ان کے مندروں سے نکال کر سیاست وسیادت کے ایوانوں میں لایا جائے۔ برِّصغیر میں جو برہمن صدیوں سے مندروں اور بت خانوں کی نیازیں کھا رہے تھے، وہ مسندِ اقتدار پر بیٹھیں اور اپنا مذہب 'ہندوتوا' رائج کریں جیسے آج 'مودی'، 'اَمت شا' و 'یوگی ادتیاناتھ' کی صورت میں ہو رہا ہے۔

مسلمانِ غیور اور مومنِ جسور جس کے ہر شوق ومستی کی انتہا، 'لا الہ الا اللہ' کی خاطر گردن کٹوا دینا ہے، جو پیٹ پر پتھر باندھ کر، مشقتیں جھیل کر، قربانیاں دے کر دینُ اللہ کو نافذ کرنے کے مشن میں مگن ہے..... اس کے اس جذبے کا سبب 'محمد رسول اللہ' پر ایمان ہے۔ یہ روحِ محمد (علیہ الف صلاۃ وسلام) یعنی اتباعِ سنتِ محمدؐ ہے، جو مومن کو ہر مشکل سے ٹکرا جانے کا حوصلہ بخشتی ہے۔ ابلیس نے اپنے سیاسی فرزندوں کو یہی نصیحت کی ہے اور یہ سیاسی فرزند اس نصیحت پر خوب عامل بھی ہیں کہ اگر 'اتباعِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اس مسلم ومومن کے قلب وعمل سے نکال دی جائے تو اس کا وجود ایک مٹی کے پتلے سے زیادہ کچھ نہیں۔

جزیرۂ عرب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و وطن، جہاں سے دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھوٹا، پھلا اور پھولا، وہاں جدیدیت، ماڈرن ازم، سیکولر ازم، عریانی وفحاشی، بادہ نوشی وعیاشی، موسیقی ومصوری پھیلا کر اسلام کو حجاز ویمن سے نکالنا ابلیس کی خواہش ہے جسے اقبالؒ نے بیان کیا۔ لیکن اقبال کو کیا معلوم کہ آج ابنِ زاید وابنِ سلمان کی صورت میں وہاں بدیسی فرنگی نہیں، بدیسی فکر وقلب کے یہودی مسلط ہیں جنہوں نے وہاں مطمحِ ابلیس سے بڑھ کر کفر وفسق ابلیسیت مسلط کر رکھا ہے۔

ابلیس واصحابِ ابلیس خوب جانتے ہیں کہ افغانیوں کی غیرتِ دیں کا علاج 'مُلّا' کو وہاں سے نکال دینا ہے۔ الحمد للہ، یہ 'مُلّا' ہی ہیں جنہوں نے 'معراجِ انسان پرستی' کے دور میں، دین کو اس کی اصل تعبیر کے ساتھ نافذ کیا ہے۔ دو دہائیاں پیش تر ابلیس نے اپنے حواریوں کو ابھارا تھا اور وہ 'مُلّائے افغان' کو مٹانے آئے تھے، لیکن 'پھونکوں سے یہ چراغ بجھائے نہ بجھے گا'!

ترکستان کا خُتن جس کی مشک دنیا بھر میں مشہور ہے اور آہو یعنی ہرن جس سے مشکِ قیمتی کشید کی جاتی ہے، اس ہرن کو ترکستان سے نکال دو۔ اشارتاً یہ ہرن جس کی مشک نے دنیا بھر کو معطر کیا، وہ تُرکانِ مسلم ہیں جنہوں نے پرچم اسلام کو صدیوں بلند رکھا۔ کاشغر و سمرقند و بخارا، اسی ترکستان کے علاقے ہیں جو علم وتہذیبِ اسلام کے مراکز رہے۔ انہی ترکوں میں وہ ترکانِ عثمانی بھی ہیں جنہوں نے نفاذِ شریعت کی مشک سے دنیا بھر کو معطر کیے رکھا اور ابلیس و اس کے کارندے کسی درجے میں اس سازش میں سقوطِ خلافتِ عثمانیہ کی صورت کامیاب بھی ہوئے اور آج مشرقی ترکستان (سنکیانگ) میں ملحد چینی اژدھا اس 'آہوئے مسلم' کو نگلنا چاہتا ہے۔

وہ داعیانِ اسلام جو آج دنیا بھر میں اہلِ ایمان کو بیدار کرنے کی محنت میں لگے ہیں، ان کی آواز کو ہر وسیلہ بروئے کار لا کر دبا دیا جائے کہ ان کی تقریر وتحریر میں، شعر ونثر میں اور ترانے وخطاب میں وہ جلا دیتی ہوائیں ہیں جس سے آتشِ عشقِ اسلام دِلوں کی بھٹیوں میں بھڑکتی ہے اور رگوں میں دوڑتے خون کو گرماتی ہے۔ اس فرمانِ ابلیس کی تکمیل میں کبھی شاہ عبد العزیزؒ جیسوں کے شانے اکھڑوائے جاتے ہیں اور کبھی عبد الرشید غازیؒ جیسوں کو قتل کیا جاتا ہے۔

تشریح و ترجمانی: محمد عفان عثمان جے پوری

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: جنوری ۲۰۲۱ء

دُرودوں کی، سلاموں کی ہو بارش ذاتِ اطہرؐ پر
اور اُنؐ کی آل پر، اصحابؓ پر، امت کی ماؤںؓ پر
جنہوں نے غم پہ غم سہہ کر عَلَم دِیں کا اُٹھا رکھا
جنہیں فُسّاق نے گرچہ مسلسل ہی ستا رکھا
مگر غافل ہوئے ہر گز نہ وہ، دِیں کی حفاظت سے
کہ بڑھتی ہی گئی شمع کی لو، خوں کی تمازت سے[1]

اللّٰھم اجعلنا منھم، وصلی اللہ علی النبی، آمین!

موت کیا شے ہے، فقط عالَمِ معنیٰ کا سفر

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالَمِ معنیٰ کا سفر

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اس شعر کا کیا مطلب ہے؟

ذہن میں آنے والے خیالات میں سب سے بہتر اس کی تعبیر جو محسوس ہوتی ہے وہ فدائینِ اسلام کی موت وحیات کی صورت ہوتی ہے۔

یہ فدائین بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں، شاید عشاق کا اعلیٰ ترین طبقہ۔ اہلِ دنیا کے درمیان رہتے اور بستے ہیں، کھاتے اور پیتے ہیں، ہنستے اور مسکراتے ہیں، ان کے ماں باپ بھی ہوتے ہیں، بہن بھائی بھی، یہ صاحبِ اہل واولاد بھی ہوتے ہیں، ان کے محبّین و دوست یار بھی بہت ہوتے ہیں اور یہ لوگوں سے محبت کرتے بھی بہت ہیں، لیکن ان کا دل کسی اور ہی بستی کا مکین اور کسی اور ہی دنیا کا رہین ہوتا ہے۔ ان کے دل میں ہر وقت یہ شمع جلتی رہتی ہے کہ کس طرح اپنی جاں لوجہِ اللہ نذر کریں؟ کیسے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچیں؟ کیسے حور وخیام کی جا، جنتِ ابدی میں داخل ہوں؟ ان کے جو ساتھی ان سے پہلے نذر پوری کر چکے، کیسے یہ ان سے جا ملیں؟ ان کے لیے یہ حیاتِ دنیوی کوئی چیز نہیں اور موت کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ موت کے پیچھے یہ خود بھاگتے ہیں اور موت ان کے آگے آگے ہوتی ہے اور پھر رضائے ایزدی سے کسی لمحے یہ موت کو دبوچ لیتے ہیں۔

ہم دنیا کے باسی کیسے ہوتے ہیں؟ موت سے خائف، دبکے دبکے، سہمے سہمے، موت سے فراری۔ یہ انہی کی شان ہے کہ موت ان کے لیے بس عالَمِ معنیٰ کا سفر ہے!

شہیدی جوانو! فدائی مجاہدو! عشاق کے سرخیلو! اے زندہ شہیدو! اے جنتوں میں محوِ پرواز شہیدو! ہماری زندگیاں تمہاری ہی رہینِ منت ہیں، تم ہی وہ ہو جو ہماری زندگیوں کی ضمانت ہو، تم خوش رہو، شاد و آباد رہو۔ ہم تمہارے وسیلے سے مانگتے ہیں: اے اللہ ہمیں بھی ایماں کی لذت چکھا، ہمیں بھی ان سعادت و شجاعت کی راہوں کا، شہادت کی منزلوں کا متلاشی بنا، یا غیاث المستغیثین، یا ربّ المستضعفین، یا ارحم الراحمین، انّك علی كل شئ قدیر، آمین!

لاپتہ افراد

عدالتوں نے 'لاپتہ افراد' کو بازیاب نہ کرا سکنے پر بعض حکومتی عہدیداروں کو ایک ایک کروڑ روپے تک کے جرمانے کیے ہیں۔ عدالتوں میں ایک بار پھر اس کیس کی شنوائی کے سبب لاپتہ افراد کا معاملہ کچھ کچھ منظرِ عام پر آیا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ لوگوں کو ریاستی ادارے کیوں لاپتہ کرتے ہیں؟

اس لیے کہ ریاستی ادارے، ریاست کے مفادات کے محافظ ہیں (گو کہ اس محافظ ہونے اور حفاظت کرنے پر سیر حاصل بحث کی جا سکتی ہے کہ یہی ادارے دراصل گھر کے بھیدی ہیں بلکہ ریاست کا گھن ہیں ہاں ذاتی مفادات کو البتہ ریاستی مفاد ضرور کہتے ہیں)۔

جدید ریاست کیا ہے؟

جدید ریاست مختصراً وہ خیالی شخصیت ہے جو لوگوں کے حقوق کی ضامن، جمہوریت کی علم بردار، مساوات و ترقی کو یقینی بنانے والی ہے۔ اس کے کچھ حقوق ہیں اور کچھ واجبات۔ یہ ریاست 'ماں کے جیسی' ہے، جو 'ہر شہری سے پیار کرے گی'!

لاپتہ افراد کے جرم کا ہمیں اقرار ہے اور خود لاپتہ قیدیوں کو بھی اپنے جرم کا اقرار ہے۔

ان کا جرم کیا ہے؟

بس دو لفظوں میں: 'حمایتِ اسلام'!

[1] اشعار: شاعرِ جہاد شیخ احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

چلیں مان لیا کہ یہ جدید ریاست جس کا نام 'اسلامی جمہوریۂ پاکستان' ہے، لا پتہ افراد اس کے خلاف سازشوں اور جرائم میں ملوث تھے۔ لیکن یہ تو 'ماں جیسی' ہے، اس نے 'ہر شہری سے پیار کرنا ہے'، ٹھیک ہے کہ اگر کوئی مجرم ہو تو اس سے بقدرِ جرم 'نفرت' کی جاسکتی ہے اور اس کی تادیب کے لیے اس کو کڑی سے کڑی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ کیا کہ جس 'جمہوریت' کے لیے یہ ریاستی ادارے 'دن رات' 'کام' کر رہے ہیں (جس کے خلاف یہ 'شہری' ریاستی اداروں کے مطابق تھے)، اسی ریاست کی بنیاد، جمہوریت و مساوات و حقوق کو پامال کر کے شہریوں کو غائب کر دیا جائے؟

ان سے اچھا تو طاغوتِ اکبر امریکہ ہے کہ ظلم کرتا ہے، لیکن خود ساختہ قانون اور ریاست کے اصولوں کے خلاف تو نہیں کرتا۔ اس نے اپنے قانون میں حیلہ ڈھونڈا اور گوانتاناموآباد کیا، پھر بھی اس کے قیدیوں کے نام تو دنیا کو بتائے، قیدیوں کے اہلِ خانہ کو یہ تو بتایا کہ تمہارے پیاروں کو ہم عقوبت خانوں میں اذیت سے دوچار کرتے ہیں، کرنٹ لگاتے ہیں، واٹر بورڈنگ کرتے ہیں۔ عافیہ صدیقی کے ساتھ ظلم کیا، لیکن عدالت میں پیش تو کیا۔ چھیاسی سال قید کی غیر انسانی سزا سنائی تو کچھ انسانی حقوق چاہے حیوانی قسم کے ہی، لیکن عطا تو کیے (مثلاً حقِ شنوائی)؟ مسعود جنجوعہ کی بیوی کو اور فیصل فراز کی ماں کو، نوید بٹ کی بیٹی کو کم از کم اتنا حق تو دو کہ انہیں یہ بتا دو کہ تم نے ان کے شوہروں، بیٹوں اور باپوں کو اگر مار دیا ہے تو لاش کو کہاں گاڑا ہے؟ اگر وہ زندہ ہیں تو کس حال میں ہیں؟ تم نے جو گوانتاناموسجایا ہے اس کی کس شاخ میں انہیں زندہ در گور کر رکھا ہے؟!

ریاستی اداروں کے غنڈو! تمہارے یہ سب کام تمہاری اپنی ہی ریاست، اس کی پالیسی اور اس کے وجود کے خلاف جاتے ہیں۔ بنگالی برے تھے، چھوٹے قد کے تھے، کالے تھے، انگریزی تمہارے بابوؤں کی طرح نہ بول سکتے تھے، ان کے سب جرم انہیں بھی تسلیم، ہمیں بھی تسلیم، لیکن تم نے جو 'عدل' و 'انصاف' وہاں بویا، اس کو کس برے طریقے سے کاٹا، بلکہ آج تک کاٹ رہے ہو، سارا زمانہ تمہیں ظالم، زانی اور قاتل کہتا ہے، آج بھی تم ڈھاکہ کا نام سن کر سرخ انگارہ بن جاتے ہو۔

چلو مشرقی پاکستان تو پرایا تھا۔ اسلام و کفر کو بھی چھوڑو۔ سوچو! اب تو تم اپنے گھر میں یہ بیج بو رہے ہو۔ کیسی فصل کاٹنے کی تیاری میں ہو؟! ۷۱ء سے ۷۱ء، چوبیس سال میں تمہارے ظلم نے پاکستان کو آدھا کر دیا۔ اب بیس سال اس آدھے میں یہ 'لاپتہ' کرتے بیج بوتے ہو گئے، چار چھ سال بعد یا تو مریخ پر جا بسنا یا جہنم میں!

مچھ میں شیعوں کا قتل اور شیعوں کی طاقت

ماہِ جنوری کے شروع میں کوئٹہ کے قریب مچھ میں درجن کے قریب شیعوں کا قتل کیا گیا۔ اس کے تین پہلو ہیں۔

پہلا پہلو شیعوں سے جنگ کرنے کا ہے اور اس کے متعلق حکیم الامت شیخ ایمن الظواہری (دامت برکاتہم) فرماتے ہیں:

> "منحرف گروہوں جیسا کہ رافضیوں، اسماعیلیوں، قادیانیوں اور منحرف صوفی گروہوں سے لڑائی نہ کی جائے جب تک وہ اہلِ سنت سے لڑائی نہیں کرتے۔ اگر وہ لڑیں تو جوابی لڑائی صرف اسی واحد گروہ سے ہونی چاہیے۔ اس صورت میں شفافیت کے لیے وضاحت دینا ضروری ہے کہ ہم صرف اپنا دفاع کر رہے ہیں۔ ان کے غیر عسکری افراد، خاندانوں، گھروں، عبادت گاہوں، تہواروں، مذہبی جلوسوں کو نشانہ بنانے سے سختی سے گریز کرنا چاہیے۔ تاہم ان کے بہتان اور ان کے عقیدے اور اخلاق کے انحراف کو مسلسل طشت از بام کرتے رہنا چاہیے۔"[1]

اسی طرح شیخ حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

> "جو ہمارے ساتھی عراق میں شیعہ گروہوں سے لڑ رہے تھے اور اب بھی شام اور یمن میں لڑائی جاری رکھے ہوئے ہیں تو یہ اس لیے کہ یہ مسلح گروہ ہیں جو اہلِ سنت پر حملے اور امریکیوں کے ساتھ تعاون اور سمجھوتے کرتے ہیں۔"[2]

سو یہ تو اصولی بات ہے کہ بلاوجہ اس وقت شیعوں سے لڑنا ہماری نظر میں مناسب نہیں، ہاں اگر یہ رافضی دہشت گرد ہم اہلِ سنت کے علما کو قتل کرنا شروع کر دیں اور ہم اہلِ سنت کو میدان میں آنے پر مجبور کر دیں تو ان سے لڑا جائے گا، لیکن ان کے ان لوگوں سے ہی جو ہم سے جنگ کرتے ہیں، ان لوگوں سے بہر حال لڑنا ٹھیک نہیں جو ہم سے جنگ نہیں کرتے۔ پھر یہ بھی اہم بات ہے اور یہ عمومی تبصرہ نہیں، لیکن مچھ میں جس طرح کے شیعہ قتل ہوئے تو ان کے متعلق شاید یہ کہنا ٹھیک ہو کہ رافضی دہشت گرد ریاستی اداروں (خاص کر آئی ایس آئی) سے ڈیل کر کے ہمارے علما کو شہید کرتے ہیں، حق نواز جھنگوی، ضیاء الرحمٰن فاروقی، اعظم طارق، علی شیر حیدری، یوسف لدھیانوی، احسان الٰہی ظہیر، حبیب اللہ مختار، اسلم شیخوپوری...... اور جواب میں کوئلے کی کان میں کام کرتے مزدور؟!

دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ حرکت داعش نے کی ہے۔ داعش کی گمرہی اپنی فکر اور وجود دونوں میں دم توڑ چکی ہے۔ اہلِ باطل کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ اس طرح کے گمراہ لوگوں کی سرپرستی کرتے

---

[1] 'جہادی عمل کے لیے عمومی ہدایات'، بحوالہ بیان 'صدی کا بہترین سودا...یا...صدیوں سے جاری صلیبی جنگ ؟!'

[2] بحوالہ بیان 'صدی کا بہترین سودا...یا...صدیوں سے جاری صلیبی جنگ ؟!'

ہیں۔ آج جب داعش ختم ہو چکی ہے تو باطل قوتوں کی ایجنسیوں نے اس مردہ پتلے کی ڈور ہلا کر ان سے ایسا کام کروایا ہے۔ اور داعش کی 'مردانگی' ملاحظہ ہو کہ غیر مسلح مزدوروں پر ان کے 'عقیدے' اور 'بندوق' کا زور چلا ہے۔

تیسرا پہلو، شیعہ گردی اور شیعوں کی طاقت کا ہے کہ کیسے یہ اپنے ہلاک شدگان کی لاشیں لے کر سڑکوں پر بیٹھے رہے۔ چند سال قبل بھی ایسا ہی ہوا تھا اور ریاست و حکومت کو شیعوں کے مطالبات پر گھٹنے ٹیکنا پڑے۔ آج بھی ایسا ہی ہے۔ پی ایم، سی ایم اور وزیرِ داخلہ سب ہی ہاتھ جوڑ رہے ہیں، لیکن مجال ہے کہ یہ اپنے موقف سے پیچھے ہٹیں۔ عجیب بات ہے کہ شیعے 'پیغامِ پاکستان' کو بھی چیلنج کرتے ہیں، نیشنل ایکشن پلان کو بھی، لاشیں بھی نہیں اٹھاتے، حکومتی رِٹ کو چیلنج کرتے ہیں لیکن حکومت و ریاست بے بس ہے۔

یہی معاملہ اگر اہلِ سنت کرتے تو حکومت و ریاست کا جواب آتا کہ 'ہم تمہیں وہاں سے ہٹ کریں گے جہاں سے تمہارا گمان بھی نہ ہو گا'!

سوچنے کا مقام اہلِ سنت کے لیے ہے کہ کیا ان کے پاس کوئی منصوبہ ہے؟ کیا اہلِ سنت کے پاس بھی کوئی پلان ہے؟ ایسا منصوبہ و پلان جو اہلِ سنت والجماعت کے منہج یعنی شریعتِ مطہرہ کو نافذ کرنے والا اور کفر اور تمام منحرف گروہوں کی پھیلائی فکری و عسکری برائیوں کا سدِ باب کرنے والا ہو؟

بت شکنی سے بت تراشی و بت فروشی و بت پرستی تک

اب ان واقعات کی تعداد ایک آدھ نہیں رہی، دسیوں بیسیوں ایسے واقعات ہیں جو موجودہ 'سمارٹ مارشل لائی' حکومت کے شرک و بت پرستی کے فروغ کے مظاہر ہیں۔

بڑی مثالوں میں کرتارپور راہداری، اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کے لیے سہولت کاری، لاہور کے شاہی قلعے میں رنجیت سنگھ کا مجسمہ اور اب 'گندھارا تہذیب' کے مراکز کی بحالی۔

ٹورازم کے نام پر ورلڈ بینک پاکستان کو سات کروڑ دس لاکھ ڈالر (تقریباً گیارہ ارب روپے) 'گندھارا تہذیب' کے مراکز کی بحالی کے لیے دے رہا ہے۔ ورلڈ بینک تو عالمی ادارہ ہے اور 'عالمی مذہب' کا خزانچی ہے، وہ تو 'عالمی مذہب[1]' کے فروغ کے لیے خرچ کرے گا ہی۔ شکوہ موجودہ حکومت سے بھی نہیں ہے کہ ان کے اعمال و اقوال واضح ہیں۔ شکوہ تو ان حضرات سے ہے جو اس حکومت کو اسلامی سمجھتے ہیں، جنھیں 'خاتونِ اول' کا نقاب نظر آتا ہے، جنھیں اس ریاست کے چہرے پر پڑا 'اسلامی' نقاب نظر آتا ہے، جو اس کے آئین کو اسلامی جانتے ہیں، اس کی فوج کو 'جہادی' سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ جو بھول گئے ہیں کہ آتش پرست مجوسی اور بت پرست بدھ مذہب کی پیروکار 'گندھارا تہذیب' کو نیست و نابود کرنے، اس کے بادشاہوں کو قتل کرنے اور شرک کو مٹا کر توحید کو قائم کرنے والے ہم اہلِ اسلام تھے اور ہم اہلِ اسلام کے اس 'بت شکن' کا نام محمود غزنوی تھا جس نے سنہ ۱۰۰۱ء میں پشاور تا کابل قائم اس سلطنت کو روندا تھا۔

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تُو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

علی گڑھ یونیورسٹی: مودی کا صدی تقریبات کا افتتاح

انڈیا 'سیکولر' ہے یا 'ہندو' یا یہ 'مسلم ہند' ہے۔ پچھلے ماہ (دسمبر ۲۰۲۰ء) میں یہ بحث علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سو سال پورے ہونے پر 'صدی تقریبات' کے حوالے سے مسلمان اساتذہ اور مسلمان طالبِ علموں کے درمیان شروع ہوئی جب جامعہ کی انتظامیہ نے نریندر مودی کو صدی تقریبات کے افتتاح کی (کورونا کے سبب آن لائن) دعوت دی۔ جیت ظاہر ہے کہ 'سیکولر' انڈیا والوں کی ہوئی۔ ہندوستان میں آج کل 'سیکولر' انڈیا کی آڑ میں مودی سے دوستی صرف اپنی مسلم شناخت پر انڈین شناخت غالب دکھانے کے لیے ہے۔ انڈیا میں مانا کہ سیکولرازم کے معنیٰ و مفہوم میں مسلمانوں کا بچاؤ بھی پنہاں ہے، لیکن ہندوستان کے حالیہ واقعات اور ہندوستان میں غالب ہندوؤں اور ان کی حکومت کا رویہ سیکولر نہیں ہے، ایسے میں مودی کو سیکولر جاننا یا تو سادگی ہے یا زیادہ چالاکی۔ بہر کیف ہندوستان کی فضا میں یہ بحث فکر انگیز بھی ہے اور مسلم زندگی کی علامت بھی۔

پی ڈی ایم اور اسٹیبلشمنٹ

حکومتِ پاکستان نے پہلی بار حزبِ اختلاف کی جماعتوں کے اتحاد پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ (پی ڈی ایم) کو ریڈ زون میں مظاہرہ کرنے کی اجازت دی ہے۔

حکومت تو پہلے ہی 'سمارٹ مارشل لائی' ہے، لیکن یہ خاص اجازت تو 'چیف' صاحب کی طرف سے ہی آئی ہے۔ پی ڈی ایم کو منانے کے لیے اسٹیبلشمنٹ نے چند ہفتے قبل اپنے پرانے اور بوڑھے مُہرے محمد علی درانی کو اتارا جبکہ پون سال پہلے پرویز الٰہی کو اسی کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ سیاسی تجزیے دس قسم کے ہو سکتے ہیں اور سب کے سب ہی غلط ہو سکتے ہیں، لیکن اسٹیبلشمنٹ اور اس جعلی جمہوریت کو سمجھنے کے لیے ایک عرض ہے۔

پچھلے الیکشن میں اسٹیبلشمنٹ 'عوام کی طاقت' کے ذریعے تحریکِ انصاف کو حکومت میں لے کر آئی اور اس حکومت کے ابھی تین سال پورے نہیں ہوئے کہ حزبِ اختلاف مچلنے لگی ہے[2]۔ حزبِ اختلاف کا ایک نیا اتحاد تشکیل پا گیا جو بظاہر وقت کے ساتھ مضبوط ہی ہوا ہے۔ پاکستان کی ملکی ~~سیاہ ست~~ سیاست کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ اگر کوئی پارٹی اگلے الیکشن (۲۰۲۳ء) میں

[1] عالمی مذہب: اسلام اور ضدِ اسلام، توحید اور ضدِ توحید جو کچھ ہے وہ عالمی مذہب ہے۔ اس میں آپ عیسائیت سے لے کر ہندو مت، بدھ مت، جین مت اور آتش پرستی تک سب کچھ شامل کر سکتے ہیں۔

[2] گویا زبانِ قال و حال سے کہہ رہے ہیں: 'سانوں وی لے چل نال وے، باؤ (ستاریاں نال سجی) سوہنی گڈی والیا'

دوبارہ برسرِ اقتدار کلی طور پر ~~لائی جاسکتی~~ آسکتی ہے تو وہ تحریکِ انصاف ہو۔ لیکن تحریکِ انصاف کی پرفارمنس اتنی کمال کی رہی ہے کہ شاید جو گندے انڈے اور ٹماٹر تحریکِ انصاف کو پڑ رہے ہیں ان میں سے بعض 'آملیٹ' بنانے کے لیے براہِ راست آبپارہ و جی ایچ کیو میں بھی گر جائیں، اس لیے اسٹیبلشمنٹ اگلے الیکشن میں کسی اور کو لانے کا سوچ سکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اب نہ تو نواز شریف کو پوری حکومت دی جاسکتی ہے اور نہ ہی پیپلز پارٹی کو۔ تو ایک نئی آئی جے آئی تیار ہو سکتی ہے جس میں آج کی پی ڈی ایم کی ساری جماعتیں موجود ہوں اور جو سدا بہار لوٹے ہیں، چودھریوں سے پیر پگاڑوں تک، وہ تو ہیں ہی 'لوٹے' وہ کسی بھی طرف منہ کر کے کھڑے ہو سکتے ہیں۔

ٹوٹی فروٹی

ٹوٹی فروٹی کھانے والے حضرات ناراض نہ ہوں۔

پہلے وفاقی کابینہ میں کم نمونے تھے جو ایک کی تبدیلی اور ایک نئے کا تقرر ہو گیا؟ بس دو نام پڑھیے، حظ اٹھائیے اور پھر روئیے:

شیخ رشید احمد: وفاقی وزیرِ داخلہ

طاہر محمود اشرفی: مشیر وزیرِ اعظم برائے مذہبی امور

سوچیے کہ اسٹیبلشمنٹ کتنی کمزور ہو گئی ہے؟ یا ہم مسلمانانِ پاکستان کتنے کمزور ہیں کہ ایسے لوگ ہم پر مسلط ہیں؟!

وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا

'وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا'، اور کہیں ہو نہ ہو، 'سیاسی' و 'جمہوری' وعدوں کے لیے یہ بات بہر کیف درست ہے۔ جمہوریت 'اسلامی' ہو یا 'مغربی'، 'انگریزی' ہو یا 'امریکی'، ہر جگہ اس کا 'حُسن' ایک سا ہے۔ انتخابات سے پہلے بائیڈن نے کہا تھا کہ 'میں سونامی لے آؤں گا'، یعنی امریکہ کو جن مسائل کا سامنا ٹرمپ دور میں کرنا پڑا خاص کر 'کورونا'، تو ان کو اتنے اتنے دنوں میں حل کر دوں گا۔ یہ ٹائم فریم ہے، یہ ہمارا منشور ہے، یہ اہداف ہیں۔

الیکشن ہوئے، بائیڈن جیتا اور جیتنے کی خوشی منائی، مٹھائی وِٹھائی یا جو بھی کچھ وہ لوگ کھاتے پیتے ہیں، وہ ہوا۔ پھر طریقہ وہی ہے کہ شہ سرخی میں اعلان اور یک کالمی و یک سطری تردید۔ پھر یک سطری بیان آیا کہ ہم نے جو وعدے کیے تھے ان کو پہلے بتائے گئے ٹائم فریم میں پورا کرنا ممکن نہیں، کچھ وقت مزید لگے گا۔

بائیڈن کا کاتو ہے نہیں کہ اسے مسائل کا پہلے سے ادراک ہی نہ تھا، نہ ہی 'ٹرمپ' ہے کہ دگڑ مگڑ جو منہ میں آئے بک دے۔ پھر ماجرا کیا ہے؟

'یوٹرن' ہے بھائی![1]

یمن میں قحط

ایک ملک ہے یمن۔ یہ قدیم ملک ہے، دنیا کی قدیم وجدید تاریخ اس سے وابستہ ہے اور یہ جزیرۃ العرب کا حصہ ہے۔

اس سال یمن میں قحط کا شکار ہونے والے لوگوں کی امکانی تعداد ایک کروڑ سات لاکھ ہے۔ کل آبادی ڈھائی کروڑ ہے۔ یعنی تقریباً نصف آبادی سے کچھ کم کا قحط کا شکار ہونے کا امکان ہے۔

یمن اس وقت سیاست کا اکھاڑا بھی ہے۔ ایک طرف ایرانی مفادات ہیں کہ موجودہ 'اثنا عشری-جمہوری-صفوی-شہنشاہی' ایران کا ماضی میں یمن ماتحت صوبہ رہا ہے، وہاں حُوثیوں کو عسکری خوراک یمن دیتا ہے اور اہلِ سنت میں سے نادار و مفلوک الحال، روتے بلکتے بچوں کے باپ اور بھائی مجبوری میں شیعہ حوثیوں کی طرف سے لڑ کر یومیہ دو چار ڈالر کماتے ہیں۔

اس کے پڑوس میں سعودی عرب بھی ہے اور دنیا کے امیر ترین ممالک کی فہرست میں ایک نام 'سعودی عرب' کا ہے۔ ابھی آگے پیچھے کے چند ہفتوں میں اس سال کی G20 ممالک کے سالانہ اجلاس کا میزبان بھی سعودی عرب ہے۔ سعودی عرب بھی اس سیاست میں خوب اترا ہوا ہے۔ وہاں جنگ کا ایک محاذ سعودی عرب ہی کے پاس ہے۔

ایران کے پاس بھی تیل کی دولت ہے اور سعودی عرب کے پاس بھی۔ پھر باقی امت مل جائے تو دنیا کے امیر ترین لوگ اس امت میں شامل ہیں۔ انسانیت کے نام پر ادارے بنانے، بڑی بڑی شیشے کی عمارتوں میں دفتر جمانے کے سیکڑوں ادارے موجود ہیں۔

امت کے اہلِ خیر کو چاہیے کہ فی اللہ اہلِ یمن کی مدد کریں۔

اہلِ دنیا کو سوچنا چاہیے کہ کورونا سے زیادہ بڑی مصیبت میں اہلِ یمن پھنسے ہوئے ہیں۔

ایران و سعودی عرب پر تف ہے کہ وہاں گولیوں و بارود کے ٹِن تو بھیجتے ہیں لیکن روتے بلکتے بچوں کے لیے گندم اور دال کے ٹِن نہیں بھیجتے۔

قطر سعودی ڈِیل

بالآخر تین سال سے زائد تک قطر اور سعودی عرب کی چلنے والی قطع تعلقی اپنے اختتام کو پہنچی۔ باقی سب چھوڑیے ہماری فی الحال صرف ایک نقطے پر توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سعودی عرب میں محمد بن سلمان اور تمیم بن حمد الثانی کی ملاقات جس میں یہ مفاہمت رسماً ہوئی، اس ملاقات میں مہمانِ خاص 'جیرڈ کشنر' تھا، ٹرمپ کا یہودی داماد۔ ٹرمپ کے ساتھ کشنر بھی رخصت ہو رہا ہے اور ریاستِ اسرائیل کے استحکام و دفاع کی خاطر، جاتے جاتے وہ ایک اور 'خدمت' کر گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

[1] نئی لغت میں یوٹرن کا معنیٰ: دھوکہ، جھوٹ، فریب وغیرہ وغیرہ

یہ عرب اسرائیل مسئلہ نہیں!

یوسف علی ہاشمی

سب سے پہلے امت مسلمہ کی توجہ اِس نکتے پر مبذول کروانا ضروری ہے، جو اسرائیل کے قیام سے لے کر اب تک خصوصیت سے میڈیا پر زیر بحث لایا گیا اور وہ یہ ہے کہ 'یہ دراصل عرب اسرائیل مسئلہ ہے'۔ عرب ممالک کے حکمرانوں کا رویہ بھی ایسا ہی ہے اور ان کا اسرائیلیوں کے ساتھ آج معاہدے کرنا بھی یہ تاثر دے رہا ہے کہ یہ دو قوموں 'عربوں' اور 'یہودیوں' کے درمیان ایک تنازع ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ پچھلی ایک صدی کی غلامی نے مسلمانوں کے اذہان کو اس حد تک پراگندہ کر دیا ہے کہ وہ مغرب کے تمام نظریات پر ایمان لانا شروع ہو گئے ہیں۔ انہی میں سے ایک نظریہ جغرافیائی حدود کے تحت جدید قومیت کا نظریہ ہے۔ اسی بنیاد پر مسئلۂ فلسطین کو عرب اسرائیل مسئلہ بنا دیا گیا۔ پس میری یہاں یہی کوشش ہے کہ مسلمانوں کے اذہان سے مغربی نظریات کے خول کو ہٹا پھینکوں۔ آیئے! تاریخ کے آئینے میں اس معاملے کی تنقیح کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل حضرت یوشع بن نونؑ کے دور میں سرزمینِ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت داودؑ کو یہاں اقتدار عطا فرمایا۔ آپؑ کے بعد حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا فرمائی۔ آپؑ نے بیت المقدس کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں اسلام کی عظیم عبادت گاہ تعمیر کروائی جسے ہم مسلمان مسجدِ اقصیٰ کے نام سے جانتے ہیں، جبکہ یہود اس عبادت گاہ کو اپنا ہیکلِ سلیمانی کہتے ہیں۔ آپؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے اپنی سرکشی جاری رکھی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں غرق رہے۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طور پر بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا۔ بخت نصر نے انہیں بیت المقدس سے نکال کر غلام بنا لیا اور بابل لے آیا، اور ہیکلِ سلیمانی کو بھی ڈھا دیا۔ تاہم اس کے بعد حضرت دانیالؑ نے ان کے حق میں دعا کی کہ "۱۔ یہ دوبارہ بیت المقدس میں جا بسیں، ۲۔ ہیکلِ سلیمانی دوبارہ تعمیر ہو جائے، ۳۔ انہیں حضرت سلیمانؑ والی سلطنت مل جائے"۔

یہی دعائے دانیالؑ آج کے یہودیوں کا مقصدِ اعظم ہے۔ یہ دعا قبول ہوئی اور اس کے نتیجے میں بنی اسرائیل جن کا نام اس وقت تک یہود پڑ چکا تھا، واپس بیت المقدس میں جا بسے اور ہیکل دوبارہ تعمیر ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ کے نبی ان میں آتے رہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی سرکشی پر اڑے رہے، اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور انہیں ناحق قتل کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کے قتل کی سازش کی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طور پر حضرت عیسیٰؑ کی سازشِ قتل کے پچاس سال بعد رومی بادشاہ کو ان پر مسلط کر دیا۔ اس نے انہیں دوبارہ بیت المقدس سے بے دخل کر دیا، یوں بیت المقدس یہودیوں سے عیسائیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس کے بعد سے انیسویں صدی تک عیسائیوں نے یہودیوں کو کہیں چین سے رہنے نہیں دیا۔ بیت المقدس عیسائیوں کے ہاتھوں میں جانے کے قریباً ۵۶۰ سال بعد اللہ تعالیٰ نے حجاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو کامل صورت میں آپؐ پر نازل فرمایا اور آپؐ ہی پر دینِ اسلام کی تکمیل فرمادی۔ لہٰذا اسلام کے دورِ آغاز میں اسلام کی عظیم عبادت گاہ یعنی مسجدِ اقصیٰ ہی مسلمانوں کا قبلہ تھا، جو ہجرتِ مدینہ کے بعد تبدیل ہو کر مسجدِ حرام بن گیا۔ اب دنیا کی امامت مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ بیت المقدس چونکہ انبیا کی سرزمین تھی، اس لیے بیت المقدس کی وراثت بھی مسلمانوں کو دے دی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات مسجدِ اقصیٰ میں ہی تمام انبیا کی امامت کی تھی، لہٰذا اس وراثت کو وصول کرنے آپ کی رحلت کے بعد حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں خود فلسطین گئے۔ یوں بیت المقدس عیسائیوں سے مسلمانوں نے حاصل کر لیا اور خلافتِ اسلامیہ کا حصہ بن گیا۔

امید ہے کہ یہاں تک تاریخ کے تذکرے سے بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کی اہمیت واضح ہو گئی ہو گی۔ اسی تناظر کی وجہ سے عیسائی اور یہودی بیت المقدس (موجودہ فلسطین) پر اپنا حق جتاتے ہیں۔ اس تناظر کو سمجھتے ہوئے بعد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے دور میں فلسطین خلافت کا حصہ بن چکا تھا اور پھر ۳۵۰ سال تک مسلمانوں کے پاس رہا۔ اس کے بعد عیسائیوں کے پوپ اربن دوم نے پوری عیسائی دنیا میں صلیبی جنگ کی آگ بھڑکائی اور اس آگ کی حرارت نے صلیبیوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ یوں صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور عیسائیوں نے فلسطین مسلمانوں سے چھین لیا۔ تاہم اس وقت کے مسلمان جانتے تھے کہ فلسطین ہمارے انبیا کی سرزمین ہے اور مسجدِ اقصیٰ ہمارا قبلۂ اول ہے۔ اس دور کے مسلمانوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ عربوں کا مسئلہ ہے لہٰذا عرب جانیں اور عیسائی جانیں۔ نہیں، بلکہ وہ جانتے تھے کہ یہ پوری امتِ مسلمہ کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا کرد نسل کے ایک سپہ سالار اٹھے اور صلیبیوں کو شکست دیتے ہوئے بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کو واپس حاصل کر لیا اور وہاں دوبارہ اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اس سپہ سالار کو دنیا سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے نام سے جانتی ہے، اور رہتی دنیا تک مسلمان اور کافر سب ان کے نام سے واقف رہیں گے، ان شاء اللہ۔ اس کے بعد برابر نو صدیوں تک فلسطین پر اسلام کا جھنڈا لہراتا رہا۔ لیکن بیسویں صدی عیسوی میں صلیبی اور صہیونی پھر اٹھے اور آپس میں صلیبی صہیونی اتحاد قائم کیا، اور امتِ مسلمہ کی جانب پیش قدمی شروع کی۔ سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا، امتِ مسلمہ ٹکڑوں میں بٹ گئی تاہم افسوس کہ مسلمان ان حالات میں بے خبر اور غافل سوتے رہے۔ اس کے بعد برطانیہ کی مدد سے یہودی فلسطین میں داخل ہو گئے، وہاں سے مسلمانوں کو بے دخل کر دیا گیا اور جدید اسرائیل کی ریاست قائم کر دی گئی۔ نہایت افسوسناک امر ہے کہ صلیبی وصہیونی تو جانتے ہیں

کہ وہ یہ سب کچھ مذہب کی بنیاد پر کر رہے ہیں، جس کا اظہار وہ کئی بار کر بھی چکے ہیں، لیکن مسلمان ابھی تک یہ سب سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ستر سال سے فلسطین کے مسلمان، یہودیوں کے مظالم اکیلے سہہ رہے ہیں، بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ وہ اپنے مقصدِ اعظم کے حصول میں مشغول ہیں۔ فلسطین میں دوبارہ آبادکاری وہ کر چکے ہیں، ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر بھی جاری ہے (مسجدِ اقصیٰ کی بنیادیں کھودنے کی صورت میں) اور گریٹر اسرائیل کا نقشہ بھی ان کی پارلیمنٹ کے دروازے پر چسپاں ہے۔ اسرائیل کے غزہ پر دس سے زائد حملے اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ گولان کی پہاڑیاں رسماً اب اسرائیل ہیں۔ امریکہ کا سفارت خانہ یروشلم میں کھل چکا ہے۔ متحدہ عرب امارات، بحرین و سوڈان اسرائیل کو تسلیم کر چکے ہیں، سعودی ابنِ سلمان عربی عباو قبا کے اندر یہودی دل و دماغ کا حامل ہے اور عمران خان پر بھی اسرائیل کو تسلیم کر لینے کا دباؤ ہے۔ شریعت تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اگر مسلمانوں کی چپہ بھر زمین بھی کفار کے قبضے میں چلی جائے تو اسے واپس حاصل کرنے کے لیے امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ ابھی تو ہمارا قبلہِ اول بھی اخبث الکفار یہود کے ہاتھوں میں ہے اور مسلمان اپنی زندگیوں میں مگن اور دنیا کی آلائشوں میں محو ہیں۔ قران مجید ہمیں پکارتا ہے:

وَمَالَكُمْ لَاتُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (سورۃ النساء:۷۵)

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو فریاد کر رہے ہیں کہ: اے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔"

ہم یہ پکار تو سن لیتے ہیں لیکن اپنے گھر میں بیٹھ کر تمنا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ کوئی صلاح الدین ایوبیؒ آجائے۔ لیکن افسوس! ہم یہ سوچتے ہی نہیں کہ صلاح الدین ایوبیؒ آسمان سے تو نہیں اتریں گے بلکہ ہم میں سے ہی کسی کو صلاح الدین ایوبیؒ بننا ہے۔

مجھے تو امت کی ماؤں سے شکایت ہے کہ ان کی مہد میں وہ بچے ہی نہیں جو صلاح الدین ایوبیؒ بنیں۔ ہر ماں دوسروں کے بچوں میں صلاح الدین ایوبیؒ تلاش کرتی ہے اور اپنے بچوں کو اپنے سینے سے لگا کر رکھتی ہے۔ وہ انہیں تیغ و تفنگ اور دشنہ و خنجر کے کھلونے کیوں نہیں دیتی اور ان میں صلاح الدین ایوبیؒ کے کردار کی جھلک کیوں پیدا نہیں کرتی؟! پھر بھی یہ تمنا ہے کہ امت کی بقا کی جنگ لڑنے اور مسجدِ اقصیٰ کو صہیونیوں سے چھڑانے کی خاطر کوئی صلاح الدین ایوبیؒ آجائے۔

مجھے امت کی بہنوں سے بھی گلہ ہے کہ کیا وہ حضرت صفیہؓ کے کردار سے واقف نہیں۔ کیوں وہ اپنے بھائیوں کو مجبور نہیں کرتیں کہ وہ گھروں سے نکلیں، صلیبی اور صہیونی کفار کے خلاف برسرِ پیکار ہوں اور فلسطین سمیت تمام مقبوضہ علاقوں پر دوبارہ اسلام کا جھنڈا گاڑیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو انہیں خنجر کیوں نہیں دکھاتیں! مجھے اپنے بھائیوں اور بزرگوں سے بھی شکوہ ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کے تمام حالات دیکھ کر بھی اس سے نظریں چراتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ آنسو بہاتے ہیں اور جلوس نکالتے ہیں۔ اپنے بھائیوں اور بہنوں کو سسکتا، بلکتا دیکھ کر بھی ان میں دینی حمیت کیوں جوش نہیں مارتی؟ وہ اپنے اسلاف کے کردار سے اس قدر بعید ہو گئے ہیں کہ فلسطین کی مائیں اپنے شہید بچوں کو دیکھ کر چیختی، چلاتی، روتی ہیں مگر ان کے اندر کچھ حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ فلسطین کی بہنوں کی ردائیں چھنتی ہیں، عصمتیں لٹتی ہیں اور ان میں کچھ ایمانی حرارت پیدا نہیں ہوتی۔ فلسطین کے نوجوان پتھروں کے ساتھ اکیلے یہودیوں سے لڑتے ہیں اور ان میں غیرت پیدا نہیں ہوتی کہ ان کی مدد کو پہنچیں۔ اس سب کے باوجود وہ مطمئن بیٹھے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کو کچھ جواب نہیں دینا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یونہی مل جائے گی؟ کیا جنت اسی طرح ان کا مقدر بن جائے گی؟

نہ خوئے مسلم ہے کچھ بھی باقی، نہ حسِ ایماں کا کچھ پتہ ہے
ہیں چلتی پھرتی ہوئی یہ لاشیں کہ جن پہ انسان کا گماں ہے
جہاں میں جیسے بھی کوئی تڑپے، انہیں مگر اس سے غرض کیا ہے
رگوں میں ان کے لہو نہیں ہے، اور حد سے اب بڑھ گیا زیاں ہے

خدارا! اب تو مسلمان بیدار ہو جائیں۔ دینی غیرت و حمیت کو جوش میں لائیں اور اپنے اندر ایمانی رمق پیدا کریں۔ جہادِ فی سبیل اللہ میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے پیش کر دیں۔ یہاں تک کہ صلیبی و صہیونی دشمن مسلمان علاقوں سے دفع ہو جائیں، قبلۂ اول مسلمانوں کے پاس دوبارہ آجائے اور دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو جائے۔

اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو، وہ وقت قریب آ پہنچا ہے
جب تخت گرائے جائیں گے، جب تاج اچھالے جائیں گے
اب ٹوٹ گریں گی زنجیریں، اب زندانوں کی خیر نہیں
جو دریا جھوم کے اٹھے ہیں، تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے
کٹتے بھی چلو، بڑھتے بھی چلو، بازو بھی بہت ہیں، سر بھی بہت
چلتے بھی چلو، کہ اب ڈیرے منزل ہی پہ ڈالے جائیں گے

بِعون اللہ!

کاش ہم میں بھی کوئی 'پینگوئن' ہوتا

معین الدین شامی

کچھ ہفتوں پہلے سنا تھا کہ عافیہ صدیقی کا خط آیا ہے۔

نامعلوم کتنے ہی خط پہلے بھی آ چکے ہیں۔

کتنے ہی خط، کتنی خبریں اور رپورٹیں ہم پڑھ چکے ہیں، عافیہ صدیقی سے متعلق کتنی کہانیاں اور قصے ہم سن چکے ہیں۔ عافیہ صدیقی کی قید کی کہانیاں اور ما قبلِ قید کی زندگی کے بارے میں شاذ ہی کوئی ہو گا جو اب نہ جانتا ہو۔

اس بار عافیہ کا جو خط آیا اور جو رپورٹیں بین الاقوامی و قومی اخبارات و ویب صفحات پر چھپیں وہ ہماری عزت کا نوحہ تھیں۔ عافیہ صدیقی ہم میں سے کتنوں کی بہنوں سی ہیں، کتنوں کے لیے ان کا رتبہ ماں جیسا ہے اور من حیث المجموع امت کی بیٹی تو وہ ہیں ہی۔ عافیہ کی عمر، صحت، ذہنی حالت وغیرہ آج اس سب سے بہت مختلف ہے جو آج سے اٹھارہ۔انیس سال پہلے تھی۔ عافیہ کے دشمنوں کا رویہ لیکن عافیہ کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا دمِ اغوا تھا۔

ذرا سوچیے آپ کی ایک پچاس۔پچپن سال کی بہن ہو، یا آپ کی ماں کی عمر کی یا کچھ زیادہ یا کم کی 'عافیہ' ہو اور اب بھی وہی چیخ و پکار ان کے پنجرے سے بلند ہوتی ہو جو قریباً دو عشرے قبل تھی۔ ذہن ایسی بات سوچنے پر آمادہ نہیں ہوتا، زبان سے اس بات کو بیان کرنا مشکل ہے اور نوکِ قلم پر یہ بات نہیں آپا رہی کہ عافیہ کے ساتھ اس عمر میں بھی کیا سلوک ہو رہا ہے؟

میرے پاس بھی کہنے کو کچھ نیا نہیں ہے۔ بس میں تو ایک 'عذر نامہ' لکھ رہا ہوں کہ اس رسوائی سے بچ سکوں کہ جب عافیہ صدیقی زندہ یا مردہ حالت میں ہمارے سامنے ہوں گی اور اس رسوائی سے بچ سکوں جو اصل رسوائی ہے کہ جب اولادِ آدمؑ روزِ قیامت جواب طلبی کے کٹہرے میں کھڑی ہو گی۔ آپ کی ماں کی، آپ کی بہن کی، صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی آبرو تار تار ہو رہی تھی اور ہر کوئی وہ کرب ناک اور سننے والے کے لیے ذلت آمیز چیخ و پکار سن رہا تھا، لیکن، کیا عجیب بے غیرتی کا عالَم تھا کہ زندگی کا پہیہ ہر ہر صورت میں ہر ہر طرح رواں تھا، کہیں کوئی فکر، کوئی دل میں پھانس یا ماتھے پر شکن نہ تھی۔

غزوۂ بنو قریظہ کے قصے، محمد بن قاسم کی غیرت، معتصم باللہ کی لشکر کشی یہ سب باتیں ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہم نے صرف سننے اور پڑھنے کے لیے رکھی ہوئی ہیں۔ میں کہوں یا نہ کہوں، میں ادب سے کہوں یا انداز جری ہو، کچھ بھی ہو، ہمارا عمل اجتماعی حیثیت میں ظاہر کر رہا ہے کہ ہم بے غیرتی کی بڑی سی گولی کو بغیر پانی کے نگل چکے ہیں۔

دنیا کے ہر چوراہے پر یہ خبر مشہور ہے کہ عافیہ کو فلاں فلاں زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، چھیاسی سال کی قید ان کے مقدر میں طاغوتِ زمانہ نے لکھ دی ہے، عافیہ کے دماغ کے کچھ گوشے مستقل بجھ چکے ہیں، وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہیں۔ عافیہ کو برہنہ کیا جاتا ہے، جی، میری ماں کو، میری بہن کو، میری بیٹی کو برہنہ کیا جاتا ہے، قرآنِ پاک پھر اس حافظۂ قرآن اور عالمۂ دین کے آگے، فرش پر بچھا جاتا ہے اور پھر عافیہ کو کہتے ہیں کہ تم اس پر قدم رکھو اور آگے بڑھو تب تمہیں تمہارے کپڑے لوٹائے جائیں گے۔

ہم زندہ ہیں؟ ہم غیرت مند ہیں؟ ہم انسان ہیں؟ ہم مسلمان ہیں؟

سنہ ۲۰۱۶ء میں، Discovery چینل کا ایک کلپ کسی نے واٹس ایپ پر بھیجا تھا۔ ایک نَر پینگوئن (Penguin) جو کہ ایک آبی پرندہ ہے، شکار کے بعد، ساحلِ سمندر پر واقع اپنے گھونسلے کو لوٹتا ہے۔ وہاں دیکھتا ہے کہ اس کے گھر پر ایک دوسرے نَر پینگوئن نے قبضہ کیا ہوا ہے اور اس کی مادہ کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ یہ پینگوئن، جسمانی طور پر کمزور ہے، لیکن ہم سے زیادہ غیرت مند ہے، بس برداشت کر کے، 'صبر شکر' نہیں کرتا، باہر کھڑا چیخ و پکار نہیں سنتا رہتا۔ یہ آگے بڑھتا ہے اور بے غیرت و غاصب پینگوئن پر حملہ کر دیتا ہے۔ لڑائی بہت شدید ہوتی ہے۔ حق کی خاطر لڑنے والا پینگوئن لہو لہان ہو جاتا ہے اور زمین پر گر جاتا ہے۔ غاصب اپنی فتح کا اعلان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فاتح ہوں، میں غالب ہوں، ہمت ہے تو اٹھ۔ اس میں ہمت کہاں ہے، خون بہہ رہا ہے، یہ کراہ رہا ہے، قوت جواب دے چکی ہے، لیکن دِل میں غیرت اب بھی موجود ہے، بلکہ صرف 'موجود' نہیں ہے 'موجزن' ہے۔ یہ اپنے جسم کی کل قوت جمع کرتا ہے اور پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ ہماری طرح خود سے اپنی بے غیرتی کی لاش پر فاتحہ نہیں پڑھتا۔ قدم ڈگمگا رہے ہیں، آنکھوں کے سامنے شاید اندھیرا ہو گا، لیکن دل میں غیرت کی روشنی ہے، اسی سے دیکھتا ہے۔ رگوں سے خون نچڑ چکا ہے، لیکن حمیت کی بجلی ابھی دوڑ رہی ہے۔ ایک بار پھر 'سپر پاور' پر حملہ آور ہوتا ہے اور 'سپر پاور' پینگوئن، اس جان کھوتے پینگوئن کا حملہ روکتے ہوئے اسے ایک ہی ہاتھ جڑتا ہے، اس پینگوئن کا کام تمام ہو جاتا ہے اور اب یہ کبھی نہ اٹھنے کے لیے گر جاتا ہے۔

یہ جانور ہے، حیوان ہے، اس کی کیا اوقات کہ اس کو یاد رکھا جائے، لیکن بڑی چیزوں سے نسبت 'بڑا' بناتی ہے، ہے تو وہ کتا ہی لیکن اصحابِ کہف کا ہے تو اس کا ذکر قرآن میں آ گیا۔ ہے تو یہ بھی ایک حقیر حیوان ہی لیکن 'غیرت' سے متصف ہوا تو عام لاکھوں پینگوئن کے غول سے جدا ہو کر خاص ہو گیا۔

کاش ہم میں بھی کوئی 'پینگوئن' ہوتا کہ اگر عافیہ کو بچا نہ سکتا تو کم از کم جان ہار کر ایمان و غیرت کا ثبوت دیتا......کاش......

☆☆☆☆☆

جلیبی اور قلعہ

محمد سعید حسن

بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس دعوے کی سچائی عموماً دگر مگر قسم کی دلیلوں سے ہی فراہم کی جاتی ہے۔ مثلاً: پاکستان رمضان شریف کی ستائیسویں تاریخ کو بنا تھا؛ اس کو بنانے کا نعرہ لا الہ الا اللہ تھا؛ لاکھوں لوگوں نے اس کے لیے قربانی دی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں لیکن اگر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ان میں سے ایک بھی پاکستان کو اسلام کا قلعہ نہیں بناتی! پاکستان کو اسلام کا قلعہ تو اس کا کردار بناتا ہے نا کہ اس کو بنانے کے لیے لگایا جانے والا نعرہ یا اس کا ستائیس رمضان کو بن جانا!

بعض اوقات تو ان دلیلوں کی سادگی پر ہنسی آجاتی ہے۔ کہیں پر یہ کہہ دیں کہ جناب یہ ہمارا وہم ہے کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے تو جواب میں یہی دلیلیں رکھی جاتی ہیں اور پھر نہایت معصومانہ نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے گویا کہہ رہے ہوں کہ 'بھائی جان! آپ کو یہ جلیبی جیسی سیدھی دلیلیں آخر سمجھ کیوں نہیں آتیں؟!' اب ایسے پیارے دوست کو کیا کہیں؟! مجبوراً اسے ہزار داستان سنانی پڑتی ہے۔

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء میں شمعِ رسالت کے دس ہزار پروانوں کو تہہ تیغ کیا گیا۔ لاہور میں ان دس ہزار شہدا کی یاد میں مال روڈ پر مسجدِ شہدا بنائی گئی ہے۔ بے شک وہاں جا کر دیکھ لیں، وہاں ایک کتبے پر یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے۔[1]

ذرا سوچیں کہ دس ہزار مسلمان، ایک ''اسلامی'' حکومت سے، نبی ﷺ کی نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والے کو غیر مسلم قرار دلوانے کی پاداش میں جلوسوں پر کھلی اور سیدھی فائرنگ کرکے شہید کر دیے گئے۔ ذرا تصور کریں کہ ایک ملک ہو اور وہاں مسلمان اپنے نبی کی نبوت پر ڈاکے کو روکنے کے لیے ستائیس سال جدوجہد کریں اور صرف ایک تحریک میں دس ہزار جانوں کی قربانی دیں! ایک لمحے کے لیے سوچیں کہ کیا انسانی عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ ملک پھر بھی اسلام کا قلعہ ہو؟ یقین جانیے، اس بات ہی کو دیکھ لینے کے بعد پھر بھی اسی خیال میں رہنا کہ یہ اسلام ہی کا قلعہ ہے ڈھٹائی کی کوئی آخری حد ہوگی۔ یہ کسی دینی جماعت کے سیاسی ایجنڈے کی بات نہیں تھی۔ یہ تو ایسی بات تھی جس کا مسلمان کے ایمان سے تعلق تھا۔ پھر بھی اس جیسے غیر متنازعہ اور غیر سیاسی مسئلے کو مسلمانوں نے ستائیس سال کی جدوجہد کے بعد حاصل کیا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ یہی ناں کہ یہاں جتنا بھی اسلام نظر آتا ہے اسے کسی نے پلیٹ میں رکھ کر نہیں دیا کہ لو صاحب مزے اڑاؤ! یہاں جو کچھ بھی دِکھتا ہے وہ بزورِ قوت لیا گیا ہے۔ بقول قدرت اللہ شہاب کے، ایک وقت میں تو صدر ایوب خان نے ملک کے نام سے اسلامی کا سابقہ بھی ہٹا ڈالا تھا وہ تو قدرت اللہ شہاب نے صدر کو قائل کیا کہ حضور ایسا ظلم نہ کریں۔ رہنے دیجیے۔ کیا جاتا ہے! ع دِل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے!! خیر، بات صرف یہ تھی کہ اس ملک میں جو ظلم خدا اور رسولؐ کے ساتھ روا رکھا گیا ہے وہ تو برطانیہ میں بھی نہیں رکھا گیا۔ یہاں لوگوں کے پاس اتنی سی بھی آزادی نہیں ہے کہ وہ اپنے شرعی کورٹس بنا لیں حالانکہ کہ برطانیہ میں مسلمانوں کو نہ صرف یہ اجازت ہے کہ اپنی شرعی عدالتیں بنا لیں بلکہ ان شرعی عدالتوں کے فیصلے برطانوی عدالتوں میں تسلیم بھی کیے جاتے ہیں۔ ان شرعی عدالتوں کی تعداد ایک دو نہیں بلکہ تقریباً پچاسی (۸۵) ہے۔

جناب! ۸۵ شرعی عدالتیں برطانیہ میں اور اسلام کے اس قلعے میں ایک چھوٹی سی شرعی عدالت آپ کسی کونے کھدرے میں بنا دیں اس کے بعد دیکھیں کہ پہلے میڈیا آپ کی مشکیں کستا ہے اور اس کے بعد ''ریاست میں ریاست'' کا جرم بتا کر آپ کو کم از کم بھی جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے۔ رہا کوئی ہلکا پھلکا فوجی آپریشن اور کوئی کمانڈو ایکشن تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آخر ہمارے جوانوں کو ہاتھ پیر بھی تو سیدھے کرنے ہوتے ہیں۔ باندھ باندھ کر رکھیں گے تو کہیں فالج ہی نہ ہو جائے!

اہم لنکس:

- http://www.independent.co.uk/news/uk/home-news/the-big-question-how-do-britains-sharia-courts-work-and-are-they-a-good-thing-1724486.html
- http://www.dailymail.co.uk/news/article-1196165/Britain-85-sharia-courts-The-astonishing-spread-Islamic-justice-closed-doors.html

☆☆☆☆☆

[1] ممکن ہے یہ مضمون پڑھنے کے بعد 'وقار' والے مسجدِ شہدا پہنچ جائیں اور اس کتبے کو اکھاڑ پھینکیں۔ اس سے وہ مزے دار 'حقیقی' لطیفہ یاد آگیا کہ نیشنل ایکشن پلان کے (۲۰۱۵ء میں) 'منظور' ہونے کے بعد کسی نے 'وقار' والوں کو بتایا کہ 'الفاروق' نامی ایک کتاب میں بھی 'دہشت گردی' کا مواد پایا جاتا ہے اور اس کے مصنف کا نام 'شبلی نعمانی' ہے۔ اس کے بعد بڑی بڑی مونچھوں والے، جی ایچ کیو اور آبپارہ میں بستے 'وقار' کی حفاظت کی خاطر 'اردو بازار لاہور' میں گھومتے پائے گئے۔ وِیگو ڈالوں سے اترتے اور مکتبوں اور بعض چھاپہ خانوں میں جاتے اور پوچھتے 'اے شبلی نعمانی کون اے تے کِتھے ریہندا اے؟ (یہ شبلی نعمانی کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟)'۔
یادش بخیر: مولانا شبلی نعمانیؒ نیشنل ایکشن پلان سے ایک سو ایک سال پہلے ۱۹۱۴ء میں وفات پا گئے تھے۔ (مدیر)

پاک فوج کی نظریاتی اساس

تحریر: نائلہ تبسم-حاشیے: سیلاب خان

زیر نظر مضمون پاک فوج کے ترجمان مجلّے "الہلال" سے لیا گیا ہے۔ اس مضمون میں واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان آرمی ایک 'پروفیشنل' سیکورٹی ادارہ ہے۔ اس کا کوئی تعلق مذہب، اخلاق اور کردار سے نہیں ہے۔ اس کے پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی میں پروفیشنل ازم ہی اصل عامل ہے۔ یہ تحریر پڑھیے اور سوچیے کہ کیا یہی فوج 'غزوۂ ہند' لڑے گی اور کیا اسی کو مسجدِ اقصیٰ کو آزاد کروانے جانا ہے؟ (سیلاب خان)

ہوش سنبھالنے کے بعد سے اکثر حلقوں میں یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ پاک فوج کی نظریاتی اساس کیا ہے؟ کیا اسے مسلم فوج کہنا چاہیے؟ کیا اس فوج کی مذہبی، اخلاقی اور پروفیشنل اقدار وہی ہیں جو قرونِ اولیٰ کی مسلم افواج کی تھیں؟ کیا اس کے ڈانڈے مغل فوج سے ملانے چاہییں جس میں ہندوستان میں رہنے والی تمام اقوام اور تمام مذاہب و ادیان کے لشکری شامل تھے؟ کیا اس کی نظریاتی اساس کا دارومدار برٹش انڈین آرمی پر تھا کہ جس کی کوکھ سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاک فوج نے جنم لیا؟

حقیقت یہ ہے کہ اگست ۱۹۴۷ء میں پاک فوج بالعموم اور پاک آرمی بالخصوص انہی نظریاتی بنیادوں کی امین تھی جو تقسیم سے پہلے برٹش انڈین آرمی نے اپنے لیے متعین کر رکھی تھیں یا جن کو خود سرکارِ برطانیہ نے متعین کرکے برطانوی ہند میں اپنی فوج پر نافذ کیا تھا (فوج سے مراد Military ہے جس میں تینوں سروسز یعنی آرمی، نیوی اور ایئر فورس کو شامل کیا جاتا ہے جبکہ پاک آرمی سے مراد صرف ایک سروس برانچ یعنی Army ہے)۔ یہ استدلال بجا طور پر درست سمجھا جاسکتا ہے کہ پاک فوج کی نظریاتی اساس وہی تصور کی گئی تھی جو برٹش انڈیا کی تقسیم کے وقت پاکستان کے عوام کی تھی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ اساس اسلامی نہیں تھی بلکہ شدت سے سیکولر اور پروفیشنل تھی۔[1]

برطانوی کمانڈروں کو دنیا کی مختلف اقوام و ممالک بلکہ مختلف براعظموں میں مختلف افواج کو کھڑا کرنے اور ان کو کمانڈ کرنے کا وسیع و بے مثال تجربہ حاصل تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ مذہب ایک نہایت حساس معاملہ ہے۔ اس لیے انہوں نے ساری دنیا پر حکومت تو کی لیکن اپنی فوج کو کسی ایک مذہب کی بنیاد پر استوار نہیں کیا۔ انہوں نے کثیر المذاہب اور کثیر الاقوام افواج کھڑی کیں اور ان کے حساس مذہبی معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کی۔ انہوں نے تمام مذاہب کو اپنے اپنے طریقے پر مذہبی رسوم ادا کرنے کی نہ صرف کھلی آزادی دی بلکہ ایسی فضا پیدا کی جس میں ان رسوم کی ادائیگی میں حتی المقدور معاونت اور امداد بہم پہنچائی جاسکے۔

انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی وجوہات کی نہایت باریک بینی سے چھان بین کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر اپنی رٹ مقبوضہ ممالک میں مضبوط کرنی ہے اور اپنی حکمرانی کو طول دینا ہے تو پھر ہر مذہب کے سپاہیوں اور افسروں کو یہ یقین دلانا پڑے گا کہ تاج برطانیہ سیکولر اقدار پر یقین رکھتی ہے۔ چنانچہ برطانوی حکمرانوں نے مذہب کے فیکٹر (عامل) کی بجائے پروفیشنل فیکٹروں (عوامل) پر زور دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ رہا یہ سوال کہ برٹش انڈین آرمی میں پروفیشنل اقدار کیا تھیں اور انگریز نے ان کو کس طرح انڈین آرمی کے مختلف مذہبی گروہوں پر لاگو کیا تو یہ ایک دوسرا موضوع ہے۔ ہمیں اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ اگست ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان وجود میں آیا تو پاک فوج کی نظریاتی اساس غیر مذہبی تھی۔ دو قومی نظریے کا اظہار جس انداز میں سویلین آبادیوں کے قتل عام میں ظاہر ہوا، اس کی کوئی چھوٹی سی مثال بھی پاکستان اور بھارت کی افواج میں دیکھنے کو نہیں ملتی، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ تقسیم کے وقت بٹوارے کا سب سے زیادہ صدمہ دونوں ممالک کی افواج کو ہوا۔ سپرٹ ڈیکور (spirit decor) کا یہ عالم تھا کہ جب دونوں مذاہب (نہ صرف ہندو اور مسلمان بلکہ سکھ بھی) کے سپاہی اپنی یونٹ اور رجمنٹ سے بچھڑ کر ایک ملک سے دوسرے ملک کو جارہے تھے تو ان کی آنکھوں میں نفرت کے انگاروں کی جگہ جدائی کے آنسو رواں تھے اور دل سے نظریاتی کدورت کی جگہ سیکولرانس و محبت کی آہیں اور سسکیاں پھوٹ رہی تھیں۔[2]

جیسا کہ میں نے سطورِ بالا میں ذکر کیا ہے، برطانوی افسروں نے برٹش آرمی کی ٹریننگ اور اس کی موٹیویشن (motivation) سیکولر بنیادوں پر استوار کی۔ انہوں نے اپنی افواج کو کسی بھی قسم کی نظریاتی، سیاسی اور مذہبی آمیزش سے پاک صاف اور مبرا رکھا اور ٹروپس (troops) کو

---

[1] فوجی نظریات کی ایک عکاس یا پاک فوج کے نظریات کی ایک عکاس، لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی (سابق ڈی جی 'آئی ایس آئی') اور اے. ایس. دُلت (سابق 'را' چیف) کی مشترکہ تصنیف 'The Spy Chronicles RAW, ISI and the Illusion of Peace' لائق مطالعہ ہے۔

[2] حاشیہ نمبر ۱: میں مذکورہ کتاب کے آن لائن نسخے کے صفحہ نمبر ۱۵ پر جنرل درانی دورانِ فوجی تربیت، افسروں اور جوانوں کو بیان کیے گئے گئے 'جنگی نظریے' کے بارے میں رقم طراز ہے:

"While training for war, we were taught that though we had to fight better than our large adversary, but must also keep in mind that our enemy too was doing this for his country."

ترجمہ: "فوجی تربیت کے دوران ہمیں اپنے سے بڑے حریف (ہندوستان) سے بہتر لڑنے کی تربیت دی جاتی تھی، لیکن ساتھ میں یہ بھی ذہن نشین کروایا جاتا تھا کہ ہمارا دشمن بھی ہم سے اپنے وطن ہی کی خاطر لڑ رہا ہے (لہٰذا وہ قابلِ تکریم ہے)۔"

پروفیشنل اور صرف پروفیشنل پہلوؤں کا اسیر بنائے رکھا۔ اس سیکولر ٹریننگ کی تاثیر کے ثبوت برصغیر تقسیم ہو جانے کے بعد بھی دونوں ممالک (پاکستان اور بھارت) کی افواج میں کثرت سے دیکھنے میں آئے۔

میں یہاں کرنل سکندر خان بلوچ کی کتاب ''عسکریت پسندیاں'' میں درج ایک واقعہ کا ذکر کرنا چاہوں گی۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک واقعہ جس نے مجھے بہت متاثر کیا، اس کا تعلق ۴۸-۱۹۴۷ء کی جنگ کشمیر سے ہے۔ یہ واقعہ مجھے ایک پرانے کشمیری صوبیدار نے سنایا جو بقول اس کے اس واقعہ کا چشم دید گواہ تھا۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ انڈین آرمی کا حوالدار جرنیل سنگھ اور پاکستان آرمی کا حوالدار محمد رمضان، دونوں کا تعلق مشرقی پنجاب کے ایک ہی گاؤں سے تھا۔ دونوں پڑوسی تھے اور ہم عمر بھی، بچپن میں مل کر کھیلے، ایک ہی سکول میں پڑھے اور کلاس فیلو بھی تھے لہٰذا دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی۔ دونوں ایک ہی دن فوج میں بھرتی ہوئے اور حسن اتفاق سے ایک ہی بٹالین میں گئے۔ دونوں والی بال کے بہت اچھے کھلاڑی تھے، لہٰذا یونٹ ٹیم میں کھیلتے تھے۔ رمضان کا باپ پیشے کے لحاظ سے کمہار تھا، سردار صاحب جب زیادہ جوش میں آتے تھے تو اسے 'او کمہار دے پترا' کہہ کر بلاتے۔ رمضان اسے 'او سکھ دے پترا' کہہ کر بلاتا...... لیکن دونوں کی دوستی مثالی تھی۔

پھر ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ جرنیل سنگھ ہندوستان میں رہ گیا اور رمضان پاکستان آ گیا۔ اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ دونوں کی بٹالینیں کشمیر کے ضلع پونچھ میں لڑائی میں آمنے سامنے آ گئیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کا پتہ چل گیا۔ لہٰذا دونوں نے ایک دوسرے سے ملنے کے لیے ایک کوڈ مقرر کیا۔ یہ کوڈ ایک پرانا کپڑا تھا، جب جرنیل سنگھ اپنا انڈرویئر سوٹی (چھڑی) پر رکھ کر اوپر کرتا تو رمضان اس کے جواب میں اسی طرح چھڑی پر کپڑا اوپر کر دیتا اور دونوں مقررہ جگہ پر مل لیتے۔

ایک دفعہ جرنیل سنگھ نے انڈرویئر اوپر کیا۔ رمضان نے اسی طرح جواب دیا۔ جرنیل سنگھ نے آواز دے کر پوچھا۔

'کچھ پتی چینی ہے صبح سے چائے نہیں ملی؟'

رمضان نے پتی اور چینی سٹور سے نکالی اور چپکے سے سامنے No Man's Land میں ایک چوٹی پر رکھ کر واپس آ گیا اور حسبِ روایت سوٹی پر انڈرویئر کھڑا کر دیا...... کچھ دیر بعد ان کی یونٹ کے ایریا سے دھواں اٹھتا ہوا نظر آیا، شاید جرنیل سنگھ کی یونٹ والے چائے بنا رہے تھے۔

ایک دن رمضان کی پلاٹون کو سامنے ایک ٹیکری پر قبضہ کرنے کا حکم ملا۔ علی الصباح نماز کے بعد حملہ شروع ہوا۔ سکھوں کی طرف سے سخت مزاحمت ہوئی، حوالدار رمضان آگے آگے راہ نمائی کر رہا تھا، گولی لگی اور وہ گر گیا۔ ایک سپاہی نے زور سے پیچھے آکر آواز دی۔

'استاد جی شہید ہو گئے ہیں جلدی آؤ'

جرنیل سنگھ کہیں دوربین سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظر رمضان پر پڑی تو اُس نے سیٹی مار کر اپنے علاقہ سے فائر بند کرا دیا۔ ایک چھتری کے اوپر سفید چادر لٹکا کر No Man's Land میں آکر آواز دی 'او موسلیو! گولی نہ چلانا، مینوں سجناں نال مل لین دینا'۔

لہٰذا ادھر سے بھی خاموشی ہو گئی۔ جرنیل سنگھ اس ٹیکری پر آیا جہاں رمضان گرا پڑا تھا۔ اس کا خون بہہ رہا تھا، جرنیل سنگھ نے رمضان کے منہ پر ہاتھ پھیر کر آنکھیں بند کیں، جیب سے رومال نکال کر اس کے چہرے پر ڈالا۔ ساتھ ہی ایک جنگلی بوٹی سے دو تین پھول توڑ کر اس کے چہرے پر ڈال کر سلیوٹ مارا۔ دو آنسو ڈھلک کر سردار صاحب کے چہرے پر آ گئے...... اس نے کہا 'او کمہار دے پترا!...... رب راکھا'۔ اور پھر تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا واپس چلا گیا۔ اپنے علاقے پہنچ کر پھر سیٹی بجائی...... جنگ شروع ہو چکی تھی!''[1]

(باقی صفحہ نمبر 59 پر)

[1] یہ تو حوالداروں کا ذکر تھا، اولاً مذکورہ تصنیف ہی کے حوالے سے ایک مسلمان جرنیل اور ایک کافر جرنیل کے تعلق کا اندازہ اس بات سے لگائیے، دُلت لکھتا ہے:

"Our wives met at one of the Track-II meetings on Kashmir, held in December 2015 at a Dead Sea resort in Jordan. My wife Paran and the Begum are poles apart. Paran enjoys an occasional smoke with the General whereas the Begum approves of neither smoking nor drinking."

ترجمہ: ''دسمبر ۲۰۱۵ء میں ہم دونوں کی بیویوں کی ملاقات اردن میں بحیرۂ مردار کے کنارے واقع ایک ریزورٹ میں ہوئی جہاں ہم مسئلہ کشمیر کے حوالے سے ایک 'ٹریک-ٹو' کی میٹنگ کے لیے جمع تھے۔ میری بیوی 'پَرَن' اور 'بیگم صاحبہ' کے مزاج میں بُعد المشرقین ہے۔ 'پَرَن' کبھی کبھار جنرل صاحب کے ساتھ بیٹھ کر سگریٹ نوشی سے محظوظ ہوتی ہے جب کہ 'بیگم صاحبہ' نہ سگریٹ نوشی منظور کرتی ہیں نہ پینا پلانا۔''

(The Spy Chronicles RAW, ISI and the Illusion of Peace، ص ۱۱، آن لائن نسخہ)

دِیے سے دِیا جلتا ہے

محمد راشد دہلوی

دِیے سے دِیا جلتا ہے! ظلمت کے اندھیرے چھٹتے ہیں جب نئی صبح دستک دیتی ہے۔ نجانے اس سفینے کو کس کی نظر لگ گئی ہے کہ اس میں سوار تو موجود ہیں لیکن منزل سے ناآشنا!!! طوفانی ہواؤں کے تھپیڑے انھیں جدھر چاہتے ہیں لے جاتے ہیں، کسی میں طوفان سے ٹکرانے کا یارا نہیں!!! ان کی ہمت و جذبے برف کی طرح ٹھنڈے پڑ چکے ہیں، خون رگوں میں جم چکا ہے۔ یہ نیّا کبھی ایک بھنور میں، تو کبھی دوسرے بھنور میں پھنستی رہتی ہے اور اس کے سوار اسے ہی اپنا مقدر سمجھ کر، بیٹھے اپنی موت کا تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ موت کے منہ میں جانے والوں پر صرف افسوس کیا جاتا ہے اور بچے رہنے والے اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں!!!

انھیں میں سے کچھ مردِ مجاہد طوفانی لہروں سے ٹکرانے کے لیے سمندر میں کود پڑتے ہیں۔ جو شرک و کفر کے طوفانوں کو چیرتے ہوئے ساحل تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ابطالِ امت یہ پیغام دیتے ہیں کہ اب اُن ہاتھوں کو کاٹ دیا جائے گا جو میرے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کے لیے کچھ بھی لکھیں گے۔ چاہے اس کے لیے ہمیں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں یا پھر ہمیں تختۂ دار پر ہی کیوں نہ چڑھا دیا جائے۔

جانیں تو یہاں بھی جاتی ہیں، سانسیں تو یہاں بھی ساتھ چھوڑتی ہیں، لہو تو یہاں بھی زمین کو رنگین کرتا ہے، لیکن اس طرف زمین و آسمان پر ایک ہی نعرہ بلند ہوتا ہے، 'یہ چہرے کامیاب رہیں!'۔

آسمان کیوں نہ سروں پر گر گیا؟ یہ زمین کیوں نہ پھٹ گئی؟ جب ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی گئی؟! اللہ رب العزت کی قسم، لعنت ہے ایسے لوگوں پر جو ہندوستان کے کفری آئین کو میرے نبی ﷺ کی عزت سے زیادہ مقدس سمجھتے ہیں۔ لعنت ہے ایسے لوگوں پر جو گستاخِ رسول ﷺ کے خلاف اقدام کرنے والوں کے عمل پر تنقید کرتے ہیں۔ عجیب ہیں ایسے لوگ، جو گستاخِ رسول ﷺ پر ہاتھ اٹھانے والے کو قبیح سمجھتے ہیں اور یہ کہتے پھرتے ہیں کہ جو بھی ہو، قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔ ربِ کعبہ کی قسم!!! اُن آنکھوں میں کیسے بینائی رہ سکتی ہے؟ اُن زبانوں میں کیسے حرکت باقی رہ سکتی ہے؟ جسموں میں خون کا ایک قطرہ بھی کیسے رہ سکتا ہے؟ دل کیسے دھڑک سکتے ہیں؟ جب میرے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی جائے اور ہم ٹھنڈی آہ بھر کر، خاموش بیٹھے رہیں اور اپنی 'ڈیلی روٹین' ڈسٹرب ہونا گوارا نہ کریں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

کہنے کو تو یہ واقعہ تقریباً دس سال پرانا ہے لیکن اس میں چھپا سبق قیامت تک کے لیے مسلمانوں کو ان کا فرض یاد دلاتا رہے گا۔

ایک امتحان اور اس کا نتیجہ

نیو مین کالج، تھوڈوپزا، کیرالا، مارچ ۲۰۱۰، بی کام (B. Com)، دوسرے سال کے امتحان کے پرچے میں سوال نمبر گیارہ (۱۱) پڑھ کر مسلم طلبہ کے اس وقت پاؤں تلے سے زمین نکل گئی جب انھوں نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمے دیکھے۔ **ٹی جے یوسف (ایک عیسائی پروفیسر)** نے ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے اپنی دینی نفرت اور ہندوستان کے اس اسٹر کچر کی عکاسی کی ہے جہاں نہ دین محفوظ نہ نبی ﷺ کی عزت۔ یہ ایسے کلمات تھے جنھیں کوئی بھی نبی ﷺ سے محبت کرنے والا برداشت نہیں کر سکتا۔ مسلمان طلبہ کے لیے عارضی امتحان کا پرچہ ختم ہو چکا تھا اور دائمی امتحان ان کے سامنے تیار تھا۔ اب کیا ہو گا؟ اب کیا کریں گے؟ اس نبی ﷺ کے امتی، جو اپنی امت کے لیے رحمت ہے۔ اب پتہ چلے گی مردانگی!!! گلی، کوچوں اور محلوں میں تیز رفتار سے موٹر سائیکل اڑانے والے، جِموں میں اپنی باڈی بنا کر شیشے کے سامنے گھنٹوں گھنٹوں اپنے جسموں پر ناز کرنے والے، چند ٹکوں کے واسطے دن رات سروس کرنے والے، رات رات بھر آنکھوں میں تیل ڈال کر پڑھنے والے، فیس بک اور سوشل میڈیا پر گھنٹوں مصروف رہنے والے!!! اس امتحان کے پرچے کو کیسے حل کریں گے؟ کیا وہ امتحان سے بھاگ جائیں گے؟ کیا وہ اس امتحان میں ناکام ہو جائیں گے؟ اور ہاں...... یہ امتحان دماغ سے زیادہ دل کے جذبات و احساسات سے حل کیا جائے گا۔ یہ ایسا امتحان ہے جس کا پرچہ پہلے ہی لیک ہو چکا ہے جس کے سوالوں جوابوں کا آپ کو پہلے سے ہی علم ہے۔ جس کے لیے کسی قلم، سیاہی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس پرچے کو خون گرا کر حل کیا جائے گا۔ اس کے لیے گھنٹوں گھنٹوں کتابوں میں آنکھوں کو تھکایا نہیں جائے گا۔ بلکہ اپنے رب کے سامنے آنسوؤں سے دامن کو بھگویا جائے گا۔ اس کا نتیجہ کسی ویب سائٹ یا اخبار میں نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کے نتیجے کا اعلان ساتوں آسمانوں پر ہو گا۔ اس امتحان میں کامیابی کے بعد آپ کو صرف ایک کاغذ کا سرٹیفیکیٹ یا چند روپے نہیں ملیں گے، بلکہ بہشت کے دروازے انعام کے طور پر کھول دیے جائیں گے۔

دشمنانِ دین و گستاخانِ رسول ﷺ نے شاید یہ سوچا ہو گا کہ مردہ قوم کے دل اپنے نبی ﷺ کی محبت میں کیسے دھڑک سکتے ہیں؟ انسانیت کے دشمن، فحاشی و عریانی کے پجاری، شاید یہ سوچ کر خوش ہوتے ہوں گے کہ مسلمانانِ ہند کے نبی ﷺ کی شان میں کتنی ہی گستاخی کر لو، کتنا ہی کچھ بک لو؟ کہیں کچھ بھی نہیں ہو گا!!! اگر ہوا تو اتنا کہ کچھ منہ بولے ہمدرد! گلا پھاڑ پھاڑ کر

چیخوائیں گے اور پھر مسلمانوں کے جذبات وغصے کو ٹھنڈا کر کے گھروں کو روانہ کر دیں گے۔ لیکن اب تو مودی انتظامیہ نے یہ بچی کھچی کسر بھی پوری کر دی ہے، اب احتجاج بھی کریں گے تو آپ لوگوں کو 'دیش دروہی' کے لیبل سے نوازا جائے گا۔

لیکن ہوا کیا؟ وہ...... جس کو دیکھنے کے لیے یہ دھرتی ترس گئی تھی، اب تلک مظلوموں و بے بسوں کے خون سے نہانے والی ہندوستان کی سرزمین ایک بدبخت کا خون بہا کر پکار اٹھی!!!

ایک کارروائی، ایک شروعات

۴ جولائی ۲۰۱۰ء۔ ہم آزاد ہیں، ہمیں بولنے کی آزادی ہے، ہمارے ساتھ ملک کی سب سے طاقت ور ایجنسی و فوج ہے، ہمارا کون کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لیکن نہیں!!! ایسی سوچ و فکر پر کاری ضرب لگانے کے لیے آٹھ مردِ مومن سر پر کفن باندھ کر تیار ہو چکے تھے۔ ٹی جے یوسف اپنے گھر سے نکلا ہی تھا، وہ اپنی اومنی وین میں سوار تھا کہ آٹھ مسلمانوں نے اسے گھیر لیا، مسلمان نوجوانوں نے بارود کا استعمال کر کے پروفیسر کے ہوش ہرن کر دیے۔ گھبراہٹ میں پروفیسر کو کچھ بھی سمجھ نہ آیا کہ کروں تو کیا کروں، اتنے میں نوجوانوں نے اسے گاڑی سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پروفیسر سے سوال پوچھے گئے کہ بتا!!! تو نے میرے پیارے نبی ﷺ کی شان میں بکواس کیوں کی؟ بتا!!! تو نے کیا سوچا کہ تو یہ سب کر کے بچ جائے گا؟ بتا!!! کیا تو نے ہم ہندوستانی مسلمانوں کو مردہ و بے حس سمجھ رکھا ہے؟ بتا!!! اب تیرا کیا بنے گا؟ پروفیسر ٹی جے یوسف جواب دیتا تو کیا دیتا؟ وہ تو یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ آیا وہ ہندوستان میں ہے یا پھر افغانستان میں۔ جس ہاتھ سے پروفیسر نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی، ان نوجوانوں نے اس ہاتھ ہی کو کاٹ ڈالا۔

اللہ ان نوجوانوں کو ایمان وہمت سے نوازے، لیکن حق یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے پر اکتفا کرنا سہو تھا، حق سر کاٹنا تھا، حضرتِ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یمن کی ایک گستاخ عورت کے بارے میں جس کے دانت توڑے گئے تھے، گردن توڑنے کا فرمان صادر فرمایا تھا۔

لیکن یہ پہلو بھی روشن ہے کہ راکھ کے ڈھیر میں ایک چنگاری جلی نہیں، دھماکے سے پھٹی!

یہ صرف ایک کارروائی نہیں بلکہ شروعات ہے۔ یہ صرف ایک حملہ نہیں بلکہ ایک پیغام ہے، ان لوگوں کے لیے جو دین اور نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے ذرا نہیں سوچتے۔

ہندوستانی عدلیہ وانتظامیہ کا متعصب چہرہ

حملے کے بعد پولس و ایجنسیاں ایسے حرکت میں آئیں جیسے یہ حملہ ان پر کیا گیا ہے اور فوراً ہی گرفتاریوں کا دور شروع ہو گیا۔ بات نہ کسی سیاسی جماعت کی ہے اور نہ ہی کسی فلاحی تنظیم کی ہے۔ بات نبی ﷺ کے لیے قربانی کی ہے۔ اس شخص کے ہاتھ کاٹنے کے جرم میں مسلمانوں کو آٹھ سال تک کی سزا اور آٹھ لاکھ (ہندوستانی) روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ جب کہ جس شخص نے یہ کام کیا اس کا کیا کوئی جرم نہیں؟ جولائی ۲۰۱۳ء کو کیرالا کورٹ نے ٹی جے یوسف کو سبھی الزامات سے بری کر دیا۔ یہ ہے ہندوستان میں عدل وانصاف!

ہم نہ کسی سیاسی جماعت کے پیروکار ہیں اور نہ ہی یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کو جمہوری نظام کے ذریعے نافذ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام کو صحیح طریقے سے پیش نہ کر کے مسلمانوں نے مجرمانہ غلطی کی ہے۔ ہم تو ہر اس مسلمان کی پیٹھ تھپتھپائیں گے جو نبی کی عزت کی خاطر جان نچھاور کر دے۔ ہر وہ مسلمان مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے جو دین کے لیے مر مٹے۔ تو پھر عزیزو!!! کیوں ہم اس باطل نظام سے امیدیں باندھیں!!! کیوں ناپاک لوگوں کے فیصلہ کا احترام کریں!!! جب میرے نبی کی بات ہو!!! سب کچھ تباہ ہو جائے!!! میں خاک میں مل جاؤں! میرے ماں، باپ قربان ہو جائیں!! کوئی فرق نہیں پڑتا!!!

ہندوستان کی کھلی فضا میں یا یوں کہیں کے ہندوستان کی گھٹی گھٹی سی فضا میں سانس لینا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ملک کی آب وہوا سازش، پراپیگنڈے، تعصب، بھید بھاؤ سے آلودہ ہو چکی ہے۔ کیا میڈیا، کیا سوشل میڈیا، اخبارات، میگزین وغیرہ وغیرہ کبھی پرو پاکستان، تو کبھی دیش کے غدار، تو کبھی ملا دہشت گرد کے نعروں سے گونج رہے ہیں۔ کل تک محبت، اخوت، برابری، بھائی چارگی کا راگ الاپنے والے آج مسلمانوں کو جرم کے کٹہرے میں کھڑا کیے ہوئے ہیں اور ایک کے بعد ایک الزامات ان پر لگائے جا رہے ہیں۔ ان سب میں گھرے ہندوستانی مسلمان حیران وپریشان، فکر میں ڈوبے چاروں طرف پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ بھئی! ہم نے آخر کیا کیا ہے؟ ہمارا جرم کیا ہے؟ ہم نے تو تقسیم ہند کے وقت آپ کا ساتھ دیا تھا؟ ہم نے تو آپ پر اعتبار کیا تھا؟ ہم تو آپ کو اپنا ہمدرد سمجھتے تھے؟ تو پھر اب میرے ساتھ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟؟؟

بات، باتوں تک محدود رہتی تو شاید ہم سہہ لیتے، لیکن یہاں تو معاملہ حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ جس طرح راستے کے جانور کو لوگ اس وقت تک نظر انداز کرتے ہیں جب تک وہ صرف بھونکنے تک ہی محدود رہتا ہے، لیکن جب وہ کاٹنے کے لیے دوڑتا ہے تو خلق اپنا دفاع کرتی ہے، اس سے اپنی جان ومال بچاتی ہے، اس سے نپٹنے کے لیے تیاری کرتی ہے۔ زخم تو ان کا مقدر بنتے ہیں جو خطرے کو خطرہ نہیں سمجھتے اور اپنے آپ کو کٹوانے لٹوانے کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔ ہندوستان میں بسنے والی میری ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کی عزتوں پر عرصۂ دراز سے ہاتھ ڈالے جا رہے ہیں۔ امت کے نوجوانوں کو قید خانوں میں بند کیا جا رہا ہے، انتہائی عزت کے قابل میرے بزرگوں کو سرِ عام بے عزت کیا جا رہا ہے، مسلمانوں کی خون پسینے کی کمائی اور ایک ایک پائی اکٹھی کر کے بنائی گئی املاک کو چند لمحوں میں تباہ وبرباد کیا جا رہا ہے۔ امت کے بچے جو کل تک اپنے ماں باپ کا لاڈ وپیار لوٹتے تھے آج در در کی ٹھوکر کھانے پر مجبور ہیں۔

سیدھی بات

ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے یہ سوچ کر جینا کہ ہم تو اقلیت ہیں، ہمیں تو دب کر رہنا ہے، ہمیں نعوذ باللہ شریعت پر، قرآن کریم پر، ہندوستان کے کفری آئین ونظام کو مقدم

رکھنے کے سوال کا جواب، مسلمانوں کی دنیا و آخرت کی بربادی ہے۔ زندگی اور اس کا مقصد تو نفاذِ شریعت ہے جس میں ہماری جان و مال سب کچھ محفوظ ہے۔ تاریخ کے پردے پر ہر نیا و پرانا افسانہ اس بات پر مہر لگاتا ہے کہ مسلمانوں نے سعادت سے جینا اور عزت سے مرنا دین کے راستے پر چل کر ہی سیکھا ہے۔ اس سے منہ موڑ کر قسمت میں صرف اور صرف رسوائی ہی آئی ہے۔

ہندوتوا کا علم بلند کرنے والوں نے ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں پر ایسا یودھ (جنگ) مسلط کیا ہے جس نے مسلمانوں کو جیتے جی مار دیا ہے۔ مسلمانوں کو معاشی، سیاسی، اقتصادی طور پر نڈھال کر دیا ہے اور ان کی تہذیب و ثقافت پر پے در پے حملے کر کے انھیں ادھ موا کر دیا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانون کی گرتی حالت کو دیکھ کر افسوس کرنے والے تو بہت ہیں، مگر مچھ کے آنسو تو دیکھے جاسکتے ہیں لیکن بھلا کوئی مسلمانوں کو موت کے کنویں سے نکلنے کا راستہ بھی بتائے گا۔

سیدھی سی بات ہے جب جان خطرے میں ہو تو دشمن سے کس طرح نپٹا جائے؟ اگر آپ پر کوئی چاقو سے وار کرے، تو کیا آپ قلم ہاتھ میں اٹھائیں گے؟ اگر کوئی تلوار سے آپ کے بھائی کا گلا کاٹنے آئے تو کیا آپ اس کے سامنے قرارداد پیش کریں گے؟ اگر خدانخواستہ کوئی آپ کی ماں، بیٹی و بہن کی عزت پر ہاتھ ڈالے، تو کیا آپ دھرنا و احتجاج کر کے عزتوں کو بچائیں گے؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی زندگی کا مقصد قرآن و حدیث کے مطابق طے کریں اور کم از کم ہم اپنی اور اپنے پیاروں کی حفاظت کرنے والے بن جائیں۔ جس کے لیے ہمیں وقت آنے سے پہلے اپنی تیاری کرنی ہو گی۔

کسی کو چھیڑو نہیں! اگر کوئی چھیڑے تو اسے چھوڑو نہیں!

بس اپنا تو اصول یہ ہے کہ کسی کو چھیڑو نہیں اور اگر کوئی چھیڑے تو اسے چھوڑو نہیں۔ آج ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے واحد راستہ ہی یہی بچتا ہے کہ وہ اپنی تیاری کریں! اپنے دشمن کو اور اس کے مددگاروں کو پہچانیں، تاکہ وہ ان سے محفوظ رہ سکیں۔

پہلا محاذ کشمیر ہے، وہاں کے مسلمانوں کی نصرت کریں۔ یہ نصرت تیاری کا ذریعہ بھی ہے اور جہادِ ہند کا آغاز بھی۔ وہاں جو فوجی جائے تو وہ جان بچا کر نہ آئے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو بس اس کا سر تن سے جدا ہو۔ میرا اور آپ کا ہندو، جین، سکھ، عیسائی پڑوسی بھلا اور ہمارا رویہ اس کے ساتھ بھلا، لیکن جس نے ہمارے ایمان، عزت، جان یا مال پر ہاتھ ڈالا تو اس کا نہیں بھلا!

☆☆☆☆☆

ایمان تو خود ایک فیصلہ کن قوت کا نام ہے!

”جب ایمان اور اس کی آخری رمق بھی موجود نہ رہے، تو پھر پرویز مشرف، حامد کرزئی اور یہ جتنے بادشاہ اور یہ جتنے جبر کے حکمران بیٹھے ہیں (پیدا ہوتے ہیں)۔ یہ مسلمانوں کو ہی (جہاد سے) روک رہے ہیں۔ نام اس کو extremism کا دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ جہاد سے باز آجاؤ۔ یہ نہیں کہتے کہ ایمان سے توبہ کر لو جیسے ہم نے کر لی ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ ہم تو خود حدود اللہ کے اندر ترامیم کر رہے ہیں ہم تو اس پورے قرآن کو ترمیم کرنا چاہتے۔ اس (قرآن) کے اندر کوئی نئی چیز لانا چاہتے ہیں جو مغرب کے لیے قابلِ قبول ہو۔ جو دشمنوں کے گھر اور آنگن کے اندر اپنا سہارا تلاش کر سکے۔ لیکن کر وہ سب کچھ رہے ہیں جو دشمن ان سے کرانا چاہتا ہے۔ (یہ حکومتیں) ہمیں ایمان کے دائرے سے نکال کر، کفر و شرک کے دائرے میں دھکیلنا چاہتی ہیں۔ یہاں پر بعض لوگ یہ ہوّا کھڑا کر دیتے ہیں کہ حکومت کے اعلان کے بغیر تو جہاد بھی نہیں ہوتا ہے؟! جن کے خلاف جہاد فرض ہو چکا ہے، بھلا وہ جہاد کا اعلان کریں گے؟ جو خود اللہ اور اس کے رسولؐ کے منکر ہو گئے ہیں، ان سے آپ یہ توقع رکھتے ہیں؟ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا! یہ (حکمران) یہاں (دل پر) دستک دے رہے ہیں کہ یہاں سے کھرچ کر نکال دیں، اس کلمے کو اگر یہ دل و دماغ کی دنیا میں سرایت کر گیا ہے تو یہاں سے کھرچ کر نکال دیں۔ جسم و جان کے اندر، ہر ریشے کے اندر اگر یہ سرایت کر گیا ہے تو اس سے مقابلے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ یہ انتہا پسندی ہے: جو کشمیری کر رہے ہیں وہ انتہا پسندی ہے، جو فلسطینی کر رہے ہیں وہ انتہا پسندی ہے، جو افغانی کر رہے ہیں وہ انتہا پسندی ہے، جو عراقی کر رہے وہ انتہا پسندی ہے، جو شیشانی کر رہے ہیں وہ انتہا پسندی ہے اور یہ تم لاؤڈ سپیکر سے، منبر و محراب سے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر جو بات کر رہے ہو یہ انتہا پسندی ہے۔ تو کوئی ایمان ایسا ہے جو اس کو للکارے اور پکارے؟ (تو اس للکارنے) کے ہر روز مظاہر موجود ہیں۔ چاروں طرف اس کی شہادتیں اور گواہیاں موجود ہیں، اور ایمان نہ کسی کے ضعف کو دیکھتا ہے، نہ کسی کی پیرانہ سالی کو دیکھتا ہے، ایمان کسی چھوٹے اور بڑے اور کسی وسائل سے لیس اور بے وسیلہ کو نہیں دیکھتا، کہ ایمان تو خود ایک فیصلہ کن قوت کا نام ہے...... بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق...... عشق ایمان ہی کا نام ہے ناں......اور عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی...... کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے......“

(سیّد منور حسن عِلیہ الرحمہ)

اے کاشمیر تیری جنت میں آئیں گے اک دن

میاں سعد خالد

بچپن جہادِ کشمیر کے ترانے سنتے، گنگناتے، پڑھتے، گاتے گزرا۔ ماں کو دیکھا تو پایا کہ 'مہر' میں ملنے والا سونا، انہوں نے جہادِ کشمیر کے لیے وقف کر دیا، ان کے ہر ہفتے کے کتنے ہی روز دروسِ قرآن و حدیث اور ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو مجاہدوں کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں بنانے کے وعظ میں صرف ہوتے۔ والدِ ماجد کبھی معسکرات کے دورے کرتے، کبھی مجاہدین کے لیے اعانتیں جمع کرتے، کسی 'لاؤڈ سپیکروں سے "سجی" "سوزوکی"' پر چڑھ کر شہر شہر، قریہ قریہ چکر کاٹتے اور اعلانات کرتے (جنہیں سن کر ایک بار میرے دادا نے امی سے کہا کہ 'بیٹی اس مانگنے والے کو میرا کپڑوں کا ایک جوڑا دے دو'، دادا ابا کو معلوم نہ تھا کہ 'مانگنے والا' ان کا اپنا ہی فرزند ہے)، کبھی کسی 'چوکِ شہیداں' پر تقریریں کرتے، جہادِ کشمیر کے لیے تحریضی و دعوتی مضمون لکھتے، اپنے موٹر سائیکل کی ٹنکی پر بٹھا کر مجھے دعوتی و جہادی جلسوں میں لے جاتے، ابھی شاید رینگنے (کرالنگ) کے قابل بھی نہ تھا کہ ایک کھلونا بندوق لا کر اپنے 'مجاہد' بیٹے کو دی۔

جہادِ کشمیر ہماری زندگی تھا، یہ ہمارا عشق بھی تھا، جنون بھی، یہی رومانس تھا، یہ بچپن کا کھیل تھا، یہ لڑکپن کا مشغلہ اور یہ جوانی کا عزم ہے، الحمدللہ!

ضلع باغ آزاد کشمیر کی پہاڑیوں میں ہم بچے آدھے 'ہندو فوجی' بن جاتے اور آدھے 'مجاہد'۔ جنگل سے اٹھائی لکڑی سے بندوقیں بناتے، پھر 'ہندو فوجیوں' پر دھاوا بولتے اور اللہ کی نصرت سے غالب آ جاتے۔ ہماری نفرت کی اوج کا نام 'ہندو فوجی' تھا۔ ہم کسی 'حقیقی مجاہد' کو دیکھتے تو یوں دیکھتے گویا کسی 'صحابی' کو دیکھ رہے ہوں۔ کسی مجاہد سے ملتے تو پوچھتے کہ آپ نے کتنے ہندو مارے ہیں؟ وادی کی کہانیاں پوچھتے؟ وہاں کے چناروں کا، جھیل ڈل کا، پیر پنجال کا، زعفران کے کھیتوں کا، سیب و بادام کے باغوں کا حال پوچھا کرتے۔ 'جموں و کشمیر کے ٹارچر سیلوں' کی کہانیاں پڑھتے۔ کبھی 'لہو رنگ پکنک' نامی بچوں کے لیے لکھی کہانیوں سے اپنے آپ کو جوڑ کر 'ڈاؤن ٹاؤن سری نگر' کے چکر لگاتے تو کبھی اپنے آپ کو 'لال چوک' میں کھڑا پاتے۔

فکر یہ ہوتی کہ ہم کب بڑے ہوں گے اور کب پار جائیں گے؟ کب شہادت کی تمنا کشمیر جا کر پوری ہو گی؟!

ہمارے بچپن کے اوائل میں جہادِ افغانستان (ضدِ روس) ختم ہو گیا تھا۔ لیکن وہاں کی کہانیاں ہم سنتے تھے۔ دو ماموں مجاہد تھے، ان سے روسی فوجیوں کی تباہی کی کہانیاں سنتے تھے۔ 'اللہ اکبر' نامی 'بم' کے استعمال کے قصے سنتے تھے۔ ہم منتظر تھے اور یہ مصرع گنگناتے تھے کہ 'غزنی کے مجاہد جب کشمیر میں آئیں گے……'۔

'کشمیری' ہمارے لیے کسی قوم سے نسبت نہ تھی۔ ہم 'کشمیری' کو 'مجاہد'، 'مسلمان'، 'غیرت مند' اور 'بہادر' کے مساوی سمجھتے۔ اس لیے ابتدائے بچپن سے ہی نام کے ساتھ لاحقہ 'کشمیری' لگا لیا۔ جہادِ کشمیر کے سٹیکر سکول کی کاپیوں پر چسپاں کرتے، بیج سینے پر سجاتے۔

محمد بن قاسم، ٹیپو سلطان، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر…… یہ سب ہمارے لیے جہادِ کشمیر کے کردار تھے۔ ہم مجاہدوں کی کلاشن کوفوں کو 'مقدس' جان کر چھونا اعزاز جانتے۔

اسامہ بن لادن کا نام بھی تبھی سن لیا تھا اور وہ بھی جہادِ کشمیر کے ایک کردار تھے۔ مسجدِ اقصیٰ روتی ہے، امتِ مسلم سوتی ہے کا نعرہ بھی لگاتے اور دل میں یہی خیال آتا کہ مسجدِ اقصیٰ بھی سری نگر میں ہی واقع ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کا سنا، آزاد کشمیر کے ایک گاؤں (غالباً بنڈالہ) میں ہندو فوجی گھس آئے، اہلِ قریہ کو قتل کیا اور دیواروں پر لکھ گئے 'خون کا بدلہ خون'، یہ بھارتیوں کا لکھا نعرہ ہم نے یاد کر لیا اور زندگی کے شعاروں میں سے ایک شعار بنا لیا اور لڑکپن میں قسم کھائی کہ ہندوؤں سے بدلہ لینا ہے۔ فلسطین سے بھی ہمیں ویسی ہی محبت تھی جیسی کشمیر سے۔ بچپن اور لڑکپن میں ہم کسی القاعدہ کو نہ جانتے تھے، 'عالمی جہاد' کا نام نہ سنا تھا لیکن فطرتِ مسلمانی اور ماں باپ کی سادہ و فطری دینی تربیت اور محبتِ جہاد نے ہمیں 'عالمی جہاد' سے جوڑ دیا تھا۔

پھر ہم بڑے ہو گئے۔ یہ سب بڑے ہونے کے زمانے کو 'فاسٹ فارورڈ (Fast Forward)' کر دیجیے۔ پرسوں اپنی چند سالہ بیٹی کو 'میری امّی اجازت دیں، مجھے کشمیر جانا ہے' گاتے دیکھا۔ دل پر تیر آ لگا۔ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور لب پر یہ مصرع آ گیا:

؏ اے کاشمیر تیری جنت میں آئیں گے اک دن!

وہ جہادِ کشمیر، جس میں عملاً، باقاعدہ وادی میں اتر کر شامل ہونے سے ہمیں امریکی غلاموں نے اور کارگل کے بھگوڑوں نے روک رکھا ہے، اس 'آزاد جہاد' کو کرنے کے لیے ہماری اگلی نسلیں اور نسلوں میں بیٹے ہی نہیں بیٹیاں بھی تیار ہو گئی ہیں۔ یہ اسلام کی عظمت کا زمانہ ہے!

یہ ملتِ احمدِ مرسل ہے، اک شوقِ شہادت کی وارث
اس گھر نے ہمیشہ بیٹوں کو مقتل کے لیے تیار کیا!

یہ میری کہانی نہیں، امتِ مسلمہ کے ہر گھر کی کہانی ہے۔ جہادِ کشمیر…… غزوۂ ہند کا ایک دروازہ…… دادا، بیٹے اور پوتے…… تین نسلیں اس جہاد میں ہم دیکھ رہے ہیں اور یہ تینوں نسلیں زیادہ دور نہیں جب آنکھوں سے غزوۂ ہند کے نتیجے میں یہاں کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں جکڑا، وقت کے محمودؒ و بن قاسمؒ کے پیروں میں گرتا، 'بھلی کرو مہاراج' کہتا دیکھیں گی، ان شاءاللہ!

☆☆☆☆☆

تیغوں کے سائے میں 'یہ' پل کر جواں ہوئے ہیں!

محترمہ امِ مصعب صاحبہ

رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً ورسولاً

"میں اللہ تعالیٰ کو رب ماننے، اسلام کو دین ماننے اور محمد ﷺ کو نبی اور رسول ماننے پر راضی ہوں۔" (ابو داود)

"اے رب! صرف راضی ہی نہیں ہوں دل و جان و روح کی تمام تر گہرائیوں سے راضی ہوں۔ اس قدر جس قدر کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اپنی تعریف کے ساتھ ہے اپنی مخلوق کی تعداد کے برابر اور اپنے نفس کی رضا کے برابر اور اپنے کلمات کی تعداد کے برابر۔" (صحیح مسلم)

سوچنے، سمجھنے اور اقرار کرنے کی توفیق پر یہی کلمات کہتی ہوں۔ مگر ان کلمات کی سچائی کی گواہی تو قولی، فعلی اور عملی مطلوب ہے۔ ہمہ وقت بالخصوص راہ جہاد میں خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو رہا ہو۔ جہاں ہمہ وقت اللہ کے دین کے دشمن آگ کے شعلے اگلتے ہیں۔ ان کی چنگھاڑ بچے تو کیا بڑے بھی برداشت مشکل سے کرتے ہیں۔ ان کی پروازیں ہوش اڑا دینے اور دلوں کو بے قابو کر دینے کے لیے، مدتوں گہرا اثر و خوف چھوڑنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ جس کی قدر رب تعالیٰ نے یوں کی "مگر یہ تلواروں کی جھنکار ہی اسے عذاب قبر اور حشر کی سختیوں سے بچانے کے لیے کافی ہے کیونکہ دونوں خوف اکٹھے نہیں ہوتے" (مفہوم حدیث)۔

یہ بات بڑے تو سمجھ سکتے ہیں مگر چار سال سے لے کر آٹھ سال کے بچے کیسے سمجھیں؟ جبکہ ان کا ہر کھیل، سوچ کا ہمہ وقت محور اللہ کے دشمنوں اور کافروں کو نشانہ ہی بنانا ہے۔ شاید یہ کبھی کہہ سکیں کہ

ع تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں

کیونکہ انہوں نے آنکھ کھولتے ہی اور ہوش سنبھالتے ہی یہی کچھ تو دیکھا ہے۔ زمانے نے صحابۂ کرامؓ کو بھی دریاؤں کے رخ موڑتے دیکھا اور یہی ہمیشہ مطلوب ہے اور رہے گا۔

یہ ننھے آج میدانِ جہاد کے معصوم جن کی عمریں چار یا چھے سال کی ہیں جب ڈرون کو اپنے اوپر سے گزرتے دیکھتے ہیں تو یک زبان کہتے ہیں اللھم اھزمھم اللھم وزلزلھم، اے اللہ انہیں شکست دے اور انہیں ہلا کر رکھ دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ مظلوم، مسافر اور ماں کی دعا رد نہیں فرماتے۔

ان سارے مظلوم، معصوم بچوں میں سے آنکھوں دیکھے مناظر ماں کے دل کو کیسے ہلا دیتے ہیں جب یہ بچے بے تابانہ اور سراپا بے بسی میں چھپ چھپ کر اور بلکتے سسکتے اپنے شہید والد کو ابا ابا کہہ کر آوازیں دینے لگتے ہیں۔ ۶ سالہ محمد بھی ان میں سے ہی ایک معصوم بچہ ہے۔ والدین کا اکلوتا، آنکھوں کا تارا، دل کی ٹھنڈک۔ جس کی زندگی میں اس کا ہر کھیل، سوچ و فکر و عمل انہی کے گرد رہتا تھا۔ دشمنوں کے لیے مل کر نت نئے منصوبے بنتے، غرض یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ابا کو اپنی کوئی بات نہ بتائی جائے وہی اس کے استاد تھے اور دل کے سب سے قریب شاید اماں سے بھی زیادہ۔ ابا کی لمحہ بھر کی بھی سرزنش یا خاموشی اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ کہیں اگر کبھی کبھار باہر جاتے تو اسے بہت زیادہ گراں گزرتا۔ اللہ ہی اسے سمجھا دیں تو بات سمجھ آجاتی مگر کان ہر گزرنے والی سواری پر اور آنکھیں گیٹ پر ٹکی ہوتیں کہ شاید ابا آگئے ہوں اور واقعی آجائیں تو ننگے پاؤں دیوانہ وار بھاگ کر ان کی گود میں چڑھ جاتا اور پھر تو اس کی بھوک پیاس سب اڑ جاتی۔ آپ بیتی دونوں سناتے نہ تھکتے، نماز باجماعت ضروری تھی ورنہ خفا ہو جاتا یا کبھی رو پڑتا۔ اذان دینے کا شوق بھی ابا سے پڑا۔ کھانا، ناشتہ کوئی پھل ان کے ساتھ کھانا ساتھ لگ کر بیٹھنا، بازوؤں پر سر رکھ کر سونا تک ضروری تھا۔ اپنا ہر کام ان سے ہی کرانا اور ایسے میں میرا دل اب زیادہ ہی ڈرنے لگا کہ اگر اس کے ابا نہ رہے تو اس کا کیا بنے گا؟ یہ بھلا کیسے برداشت کرے گا؟

ایک رات وہ ابا کے بازو پر ہی سو رہا تھا، رات کے ایک بج گئے تھے۔ اماں حسب عادت پہرہ دے رہی تھیں کہ اچانک عجیب عجیب آوازیں آنے لگیں جیسے قریب ہی کوئی طیارہ اترا ہو اس لیے فوراً سلمان (رمزی نام ہشام) کو جگایا اور وہ فوراً اٹھے اور کہنے لگے 'سنیں سنیں غور سے سنیں'۔ آوازیں ذرا دور تھیں، پھر سلمان بولے وہ ادھر ہی آئے ہیں۔ اعلانات کی آوازیں قریب ہو رہی تھیں۔ 'اٹھو اٹھو محمد کافر آگئے ہیں'، اماں نے کہا۔ ابا پوری تیاری سمیت آرام سے کرسی پر بیٹھ گئے اور کلمے کا ورد شروع کر دیا۔ وہ اٹھا ابا نے اسے ماتھے پر پیار کیا اور کہا 'بھاگ کر نانو کے کمرے میں چلے جاؤ'۔

بچے اور خواتین سب گھر کے باہر حجرے میں چلے گئے اور اس کی اماں موقع پا کر اسے سمجھانے لگیں کہ 'بہت ممکن ہے ابا شہید ہو جائیں'۔ وہ سکتے کے عالم میں اندھیرے میں باہوش و حواس ساری حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔ جنگ شروع تھی۔ آدھے گھنٹے بعد کوئی فوجی کہنے لگا 'میں نے اسے سنائپر سے مار دیا ہے کیونکہ اب اُدھر سے فائر نہیں آرہا'۔ یہ بات سنتے ہی اس کی اماں نے مجھے بتایا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں۔ میں نے اسے مبارکباد دی اور وہ پھر محمد کو سمجھانے لگی کہ ابا شہید ہو گئے ہیں۔ وہ جیسے بالکل ساکت تھا۔ صبح کی پو ابھی پھوٹی بھی نہیں تھی، جونہی طیارے واپس گئے تو محمد پھرتی سے اکیلا اپنے کمرے کی طرف بھاگا کہ ابا کو دیکھوں اور وہ سب سے پہلے پہنچا۔ ابھی اندھیرا ہی تھا مگر وہ پہچان گیا کہ یہ بے حس و حرکت لیٹے ہوئے ابا ہی تو ہیں۔ وہ کہتا ہے میں نے دیکھا کہ بالکل سفید کپڑوں میں لوگ دائرہ بنائے ان کے گرد ہیں۔ پھر جب میں اندر کمرے میں گیا تو کہنے لگا 'وہاں بھی اندھیرا تھا، میں کچھ ڈرنے لگا تو کسی سفید کپڑے والے

نے کہا تم ڈرو نہیں کچھ نہیں ہو گا'۔ جبکہ وہاں کوئی فرد ویسا تھا ہی نہیں۔ شاید یہ کوئی کرامت کا معاملہ ہو۔

حیرت انگیز طور پر وہ نہیں رویا۔ مگر جب لوگ میت دکھانے کے لیے لائے دفنانے سے پہلے اور اسے جب پتہ چلا تو وہ روتا ہوا جلدی جلدی ہم سب سے پہلے گیٹ کی طرف بھاگا دیکھا کہ جان و دل سے پیارے ابا کچھ کہتے ہی نہیں اور وہ بہتی آنکھوں کے ساتھ ابا کے ساتھ لگا کھڑا تھا میں نے سلمان کا ماتھا چوما، مبارکباد دی اور محمد سے کہا آؤ ابا کو پیار کر لو۔ وہ لپکا اور بہتے رواں آنسوؤں سے ابا پیارے کے ماتھے پر چوم رہا تھا اور آنسو تو رک ہی نہیں رہے تھے مگر ابا ابا کہتا جا رہا تھا۔ رو تو سب ہی رہے تھے مگر اماں جو خود بھی رو رہی تھیں، اسے انتہائی محبت اور لاڈ سے کہہ رہی تھیں 'پیارے بیٹے اب چلو ابا کو اللہ پاک کے پاس جانے دو'۔ مگر اس کا دل پھٹ رہا تھا اور وہ جانے کو تیار نہ تھا۔ جانے کیسے روتا بلکتا ابا کا لاڈلا زبردستی انہیں چھوڑ کر الگ ہوا۔ میں یہ منظر برداشت نہ کر پا رہی تھی اور جلدی سے پلٹ آئی۔ تب سے میرا وہ محمد کھو گیا۔ اس کی ہنسی چھن گئی۔ بھوک اڑ گئی۔ کہیں اور ہی گم ہو گیا۔ ہنسنا بھول گیا، ناٹک بھول گیا، جیسے بے حس ہو گیا ہو۔ کسی کے قریب نہ ہوتا۔ کسی سے دل کی بات تو کرتا ہی نہیں۔ دل کی دنیا کا سورج ڈوب جو گیا تھا۔ اس کی تو دنیا ہی تاریک ہو گئی تھی۔ ساری خوشیاں تو پیارے ابا کے ساتھ ہی چھن گئیں وہ بے حد حساس ہو گیا۔ اپنے غموں کو جیسے چھپانا سیکھ گیا ہو۔ اماں سے بھی چھپاتا۔ کھویا کھویا رہتا یا کسی کھلونے والے ہتھیار سے اکیلا کھیلتا۔ اماں مسلسل اسے مزید قریب کرتیں مگر اب تو وہ محمد ٹوٹ چکا تھا۔ بڑی خاموشی سے ان کی باتیں سنتا۔ مان بھی لیتا۔ اچانک ہلچل مچی کہ لوگ قبر پر جا رہے ہیں (گھر والے)۔ سنتے ہی وہ فوراً تیار ہو گیا کہ میں تو ضرور جاؤں گا اور واپسی پر اس پر سکینت طاری تھی۔ خوش تھا کے ابا کہہ رہے تھے کہ 'ابا کے سر کی طرف خوشبو آ رہی تھی، میں مٹی بھی تھوڑی سی اٹھا کر لایا ہوں'۔ اور واقعی اس مٹی سے شہید کی خوشبو آ رہی تھی۔ اور اب تو وہ خوشبو اس کی بیماری میں اور اس کی اداسی میں اس کے ساتھ اس کے پاس آتی ہے اور وہ بے حد خوش ہو جاتا ہے۔ اسے اکثر وہ خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ بلکہ ابا کی گھڑی، ٹوٹے چشمے سے بھی وہی خوشبو آتی ہے اور وہ محسوس کرتے ہی بہت خوش ہو جاتا ہے۔ اس کی اماں اور اسے تو وہ خوشبو اکثر آتی ہے، مجھے بھی آتی ہے۔ جب وہ قرآن پاک کھول کر اماں سے پڑھنے بیٹھتا ہے تو اکثر بالکل گم ہو جاتا ہے جیسے اس کا دل و دماغ یہاں نہیں ہے وہ اکثر پڑھ نہیں پاتا اور کبھی اماں اصرار سے پوچھتیں کہ کیا بات ہے؟ کیا ابا یاد آ رہے ہیں؟ تو وہ ہاں کہتے ہی اماں کی گود میں بلک بلک کر دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتا رہتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید تو وہ ہی پڑھاتے تھے۔ ایسے میں ہمارے دل بھی کرچی کرچی ہو جاتے ہیں اور آنکھیں بہہ پڑتی ہیں۔ ظالموں کے لیے بد دعائیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں وہ بھی چھوٹی لگتی ہیں۔ ہاں بے شک کیا دنیا میں اس کا کوئی بدلہ لینا ممکن ہے؟ دنیا بھر کے محمد اور سارے بچوں بچیوں کا بدلہ لینا ممکن ہے کیا؟ ہر بد دعا اور ہر سزا ظالموں، دشمنوں اور ان کے ساتھیوں کے لیے کم اور بہت چھوٹی ہیں۔ میرا محمد کہتا ہے قیامت والے دن میں اللہ پاک سے کہوں گا لائیں اس کافر فوجی کو جس نے میرے ابا کو شہید کیا میں اسے اپنے ہاتھوں سے خود ذبح کروں گا۔ پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر رب سے مظلوم محمد دعا کرتا ہے یا اللہ کب میرا وقت پورا ہو گا مجھے جلدی بلا لیجیے۔ اور میرا یہ چھ سالہ محمد اپنی شہادت کی فریادیں اپنے رب سے کرتے نہیں تھکتا۔

دنیا کا ہر یتیم بچہ مجھے اپنا محمد لگتا ہے۔ میں ان کا بدلہ اپنے دین کے دشمنوں سے کیسے لوں کوئی تو مجھے اس کا جواب دے۔ ان بچوں کا غم مجھے مارے ڈال رہا ہے اور میرا دل ماہئ بے آب کی طرح دشمنانِ دین سے ایک ایک کا بدلہ لینے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ کاش کوئی کیمرہ ایسا ہوتا جس سے میں ان یتیموں کا دل پڑھ پاتی، دیکھ پاتی۔ آپ بتائیں؟ میں کیسے بدلہ لوں؟ آؤ میری بہنو، میرا ہاتھ تھام کر دین کی مضبوط زنجیر بن جاؤ، اپنا کچھ بھی بچا کر نہ رکھو۔ تم بھی تو کسی محمد کی نانی ہو۔ ہم پینسٹھ سال کی عمر میں نہ بے بس ہیں، نہ کمزور نہ بے سہارا۔ ہم تو رب کے ہیں اور وہ ہمارا۔ جو سب کچھ کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ کیا اس نے ابابیلوں سے ہاتھی والوں کو بھس نہیں کر دیا؟ کیا طوفانِ نوح یاد نہیں؟ کیا فرعون جیسے ہر فرعون کو وہ آج بھی غرق نہیں کر سکتا؟ بس اس درد کو محسوس کرو۔

[اس مضمون کے آخری نثر پارے والا صفحہ پھٹ گیا تھا وہ ٹائپ نہیں ہو سکا اور ہمیں موصول نہیں ہوا، قارئین اپنے دل سے پوچھ کر اس کہانی کو خود ہی اختتامی جملے عطا کر دیں۔ (ادارہ)]

باطل کے بتوں کو توڑ ڈالو اور عدل و ایمان کو نافذ کر دو!

"اے فرزندانِ امت! تم اس وقت بہت ہی اہم موڑ پر کھڑے ہو۔ ظالم حکمرانوں کی خواہشات اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی بندگی سے نجات حاصل کرنے، مغربی تسلط سے رہائی پانے اور امت کو بیدار کرنے کا بہت ہی نادر موقع تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ پس بہت ہی بڑا گناہ اور جہالت ہو گی اگر تم اس موقع کو ضائع کر دو جس کا انتظار یہ امت دہائیوں سے کر رہی تھی۔ اسے غنیمت جانو اور باطل کے بتوں کو توڑ ڈالو اور اس کی جگہ عدل و ایمان کا نظام نافذ کر دو!"

محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمۃ اللہ علیہ

پیارے ابو کی خدمت میں!

(دل و ذہن میں آنے والے چند بے ساختہ جذبات و احساسات)

ام عمار

مائیں بہت عظیم ہوتی ہیں اور ان کے لیے جذبات و احساسات بیان بھی اکثر کیے جاتے ہیں، ماں کا وجود ہی جذبات سے مرقع ہے اور یقیناً ماں ہی وہ ہستی ہے کہ خدمت کے معاملے میں جس کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے، البتہ علما فرماتے ہیں کہ ادب کے معاملے میں باپ کا حق زیادہ ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹے کا باپ کے خلاف پیش کردہ مقدمہ سن کر اور جبرئیل امینؑ کے خبر دینے پر اس باپ کے منہ سے وہ دل گداز اشعار سن کر جو اس نے دل ہی دل میں کہے تھے، بیٹے سے یہ کہنا کہ 'تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے'، یقیناً باپ کے حق کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ آج میرا قلم بھی اپنے بوڑھے والد، جن کے بارے میں مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ حیات ہیں بھی یا نہیں اور بڑھاپے کی سرحدوں کو چھوتے اور بڑھاپے کے دور سے گزرتے ان تمام باپوں کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے اٹھا ہے جنھوں نے اپنی اولاد کی جائز دنیوی ضروریات پوری کرنے کی بھرپور کوشش کے ساتھ ساتھ ان کی روح کی نشوونما کا بھی بھرپور خیال رکھا اور پھر اپنے دل پر صبر کا بھاری پتھر رکھتے ہوئے، گویا ابراہیم خلیل اللہؑ کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے جگر گوشوں کو اپنے ہاتھوں سے سوئے مقتل روانہ کیا، انھیں راہ حق میں جہاد کرنے کی خاطر ہجرت کی اجازت دی اور پھر اپنی اولاد، بالخصوص اپنی بیٹیوں کی جدائی پر ایسا صبر کیا کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔

یہ وہ باپ ہے جس نے دن رات محنت کی، حتیٰ کہ نائٹ شفٹوں میں بھی کام کیا تاکہ اس کی اولاد پڑھ لکھ سکے اور اس کی زندگی کی بنیادی ضروریات احسن طریقے سے پوری ہو سکیں۔ اس نے اپنی خوشی سے اپنی اولاد میں سے ہر ایک کو اس کی مرضی کی تعلیم دلوائی اور اس سلسلے میں اخراجات کی کبھی پروا نہ کی۔ جب کبھی اس کی اولاد میں سے کوئی بیمار پڑا تو ذرا سی بیماری کے لیے بھی اس نے شہر کے بہترین ڈاکٹر سے رجوع کرنے کی کوشش کی۔

یہ وہ باپ ہے کہ جس نے اپنی بیٹیوں کی شادیوں کے مواقع پر باوجود محدود استطاعت کے یہ کوشش کی کہ بیٹی کی نگاہ جس بہترین چیز پر بھی پڑے، اور جسے وہ صرف اس لیے چھوڑ دے کہ یہ مہنگی ہے، وہی چیز اسے دلائی جائے۔ اس نے اپنی بیٹی کے دل کی پروا تو کی مگر اپنی جیب پر پڑنے والے اضافی بوجھ کی مطلق پروا نہ کی۔

یہ وہ باپ ہے کہ جس نے بہنوں و بیٹیوں کی میکے آمد پر ہمیشہ دیدہ و دل فرش راہ کیے، ان کا ماتھا چوما اور انھیں ہر مرتبہ یہ احساس دلایا کہ یہ ٹھنڈی چھاؤں اب بھی تمہارے لیے سراپا انتظار ہے......تم جب آؤ گی اسے باہیں پھیلائے اپنا منتظر پاؤ گی۔

یہی وہ باپ ہے جس نے بیٹی کا رشتہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کو دیتے ہوئے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کئی مرتبہ اپنا فیصلہ بدلنا چاہا، مگر بیٹی کی تڑپ، بیوی کا صبر و ثبات اور اللہ کے وعدوں پر یقین اسے حوصلہ دینے کا سبب بنا۔ اس نے اپنے دل کے ٹکڑے سے فقط رب کی رضا کی خاطر جدائی گوارا کی اور جدائی بھی ایسی جس میں اس دنیا میں دوبارہ ملنے کا یقین تک نہ تھا۔

اور پھر جب اس باپ نے اپنی مہاجرہ بیٹی کا چہرہ کئی سال بعد دیکھا تو شفقتِ پدری سے مغلوب ہو کر اسے گلے لگایا، اس کا ماتھا چوما، بھیگی آنکھوں اور بھیگے لہجے کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور بیٹی ابھی گھر کے سب افراد سے فرداً فرداً ملنے کے بعد پھر سے ماں باپ کی طرف متوجہ ہی ہوئی تھی کہ بوڑھے باپ نے دل کی تڑپ سے مجبور ہو کر کہا، 'بیٹا! ایک بار پھر ملیں اور میرے سینے میں ٹھنڈک ڈالیں'؛ پھر سے بیٹی کا ماتھا چوما اور اپنے آنسوؤں کو بمشکل تمام اپنے دل کے اندر اتار لیا۔

جب اس باپ کی بیٹی نے ایک مرتبہ کہا کہ 'ابو! آپ کم از کم میرے لیے اتنے مہنگے کپڑے اور قیمتی سامان نہ خریدا کریں' تو باپ نے مسکرا کر شفقت سے بیٹی کو دیکھا اور کہا، 'بیٹی! آپ کی بات اپنی جگہ درست ہے، مگر آپ ہمیں خود سے محبت کرنے اور اس محبت کے اظہار سے نہیں روک سکتیں'۔

لیکن اپنی اولاد، بالخصوص اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے لیے والہانہ محبت کے جذبات رکھنے والا یہی باپ جب اپنی بیٹی کی زبان سے یہ سنتا ہے کہ میری ساس کو فلاں چیز فلاں طریقے سے پکی ہوئی پسند ہے مگر مجھے اس طریقے سے پکانی نہیں آتی لہٰذا انھیں خود ہی پکانا پڑتی ہے، تو اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے، فوراً بیٹی کو ٹوکتا ہے اور کہتا ہے کہ "یہ کیا بات ہوئی کہ مجھے نہیں آتی؟ آپ پر لازم ہے کہ آپ ان سے وہ چیز اسی طرح پکانا سیکھیں جس طرح انھیں پسند ہے اور پھر ان کے لیے پکائیں"۔ اسی طرح اپنی ایک بہن کے شوہر سے روٹھ کر میکے آجانے پر، یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ غلطی سراسر بہن کی ہے، مسلسل اسے سمجھاتا رہا، یہاں تک کہ وہ بخوشی اپنے گھر جانے پر راضی ہو گئی اور پھر وقت نے ثابت کر دکھایا کہ بھائی کا بہن کو اس کے گھر واپس بسانے کا فیصلہ ہی درست تھا۔

میں اپنے باپ کا حق کہاں ادا کر سکتی ہوں، میرا تو رواں رواں ان کی شفقتوں کا بار اٹھائے ہوئے ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم بہنیں چھوٹی تھیں اور ابو ہمارے لیے سائیکل خرید کر لائے اور پھر روزانہ باری باری ہمیں سائیکل پر بٹھا کر خود پیچھے سے سائیکل کا کیریر پکڑ لیتے، ہم سائیکل چلاتیں اور وہ سائیکل پکڑے پکڑے ساتھ ساتھ بھاگتے کہ بچیاں کہیں سڑک پر گر کر چوٹ نہ لگوا بیٹھیں، حتیٰ کہ ہمیں اچھی طرح سائیکل چلانی آگئی۔

یہی وہ باپ ہے کہ جس نے دنیوی معاملات میں اپنی اولاد کو کبھی روکا ٹوکا اور نہ ہی کبھی ڈانٹا ڈپٹا مگر نماز کے معاملے میں جسے کوئی کوتاہی قطعاً گوارا نہیں تھی۔ جب کبھی انھیں علم ہوتا کہ

بڑھتی ہوئی عمر کے بچوں میں سے کسی نے نماز کے معاملے میں سستی دکھائی ہے تو ہم سب کو حکم ہوتا کہ میرے سامنے اونچی آواز سے نماز پڑھیں اور یوں بچوں کی ساری سستی و کوتاہی رفوچکر ہو جاتی۔

یہ وہ باپ ہے کہ ہم بچے جن کے قد سے اپنا قد ناپا کرتے تھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے باپ کے گھٹنوں کو پکڑ کر سہارا لے کر کھڑے ہونے والے بچوں کے قد باپ کے قد سے بھی نکلتے گئے۔ حتیٰ کہ میں نے وہ دن بھی دیکھا کہ مجھے اپنے والد کے جھکے کندھوں اور خمیدہ کمر کے باعث ان کا قد پہلے سے گھٹا ہوا دکھائی دیا اور یہ دیکھ اور محسوس کر کے میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ خیال آیا کہ جب اولاد جوان ہو جاتی ہے، تن کر کھڑے ہونے کے قابل ہو جاتی ہے تو وہ شجر سایہ دار جس کی شاخوں سے جھول کر، جس کے سائے میں پل کر، جس کی رگوں سے توانائی حاصل کر کے وہ اولاد کڑیل جوان ہوئی تھی، وہ شجر سایہ دار مضمحل ہو جاتا ہے، جھک جاتا ہے، اس کی آواز کا رعب و دبدبہ اپنے سے اونچے اپنے بیٹوں کے سامنے عاجزی و انکساری میں تبدیل ہو جاتا ہے، خواہ وہ بیٹے کیسے ہی فرماں بردار، سعادت مند اور باادب و خدمت گزار ہی کیوں نہ ہوں؛ اور وہی باپ کہ جس نے ساری زندگی اولاد کے لیے بھاگ دوڑ کرنے اور روزی کمانے میں مصروف ہو کر گزاری تھی، جب ریٹائرڈ زندگی گزارنے پر مجبور ہوتا ہے تو اپنے آپ کو ایک عضو معطل ہی سمجھنے لگتا ہے اور اسے لگتا ہے گویا وہ اپنے انھی گھر والوں کے اوپر ایک بوجھ ہے جنھیں اس نے پالا پوسا اور جن کی پرورش کی اور ساری زندگی جن کی کفالت کی۔

میں نہیں جانتی کہ میرے والد اس دنیا میں ہیں بھی یا نہیں مگر میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ کوئی بھی نیک عمل جو میں اللہ رب العزت کی توفیق سے کر پاؤں، اس کے اجر میں میرے والدین کا بہت بڑا حصہ ہے ان شاء اللہ۔ میں ان کا کچھ حق خدمت ادا نہیں کر سکی، حتیٰ کہ ان کے دل کی تسلی کے لیے اپنی خیریت کی اطلاع تک ان تک پہنچانے کا، ان کی آواز سننے اور اپنی سنانے کا کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں، مگر میں اپنے رب سے ان کے حق میں ویسی ہی شفقت اور رحمت کی طلب گار ہوں جیسی رحمت اور شفقت سے انھوں نے ہمیں سر آنکھوں پر بٹھا کر اور دل کا ٹکڑا، ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا۔ آج جب ان کو میری ضرورت ہے تو میرے پاس ان کو دینے کے لیے دعاؤں اور ان کی جانب سے کیے گئے صدقات و خیرات کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ ہی سے مانگتی ہوں کہ مجھ نالائق و ناکارہ کو میرے والدین کے لیے صدقہ جاریہ بنا دے۔

اپنے ابو سے بس میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ پیارے ابو! آپ نے ہمارے لیے نیک، دین دار ماں کا انتخاب کیا، ہمیں حلال کھلایا، حلال پہنایا اور ہماری جسمانی صحت کے ساتھ ہماری روحانی ضروریات کا بھی مداوا کیا...... تو پیارے ابو! مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ ان شاء اللہ آپ کی محنت، آپ کی تپسیا رائیگاں نہیں گئی...... تہجد کے وقت دعا کے لیے اٹھے آپ کے ہاتھوں کی لرزش، آنسوؤں کی نمی اور اپنے رب کے حضور التجائیں رنگ لائیں گی ان شاء اللہ۔

پیارے ابو! آج میں آپ سے دور ہوں مگر میرا رواں رواں آپ کے لیے دعا گو ہے۔ میرے ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھنا آپ ہی نے سکھایا ہے، آج اپنے رب کے حضور اٹھے ہوئے یہی ہاتھ آپ کے لیے رحمت، مغفرت، آسانی اور عافیت کی دعا لیے ہوتے ہیں۔ میں اپنے تصور میں اپنے شفیق باپ کی پیشانی چومتی ہوں اور اپنے ابو کو، اپنے پیاروں کو اس رب کے سپرد کرتی ہوں جس کے سپرد کرنے کے بعد نقصان کا خوف نہیں رہتا۔ استودعهم الله الذی لا تضیع ودائعه۔ اور اپنی اس تحریر کا اختتام اس دعا پر کرتی ہوں، رب ارحمهما کما ربّینی صغیرا، آمین۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: چند یادیں

اور ان بزرگ نے مجھے ترتیب بتائی تھی اور آج میں الحمد للہ ارض جہاد میں ہوں۔ میں اٹھا اور مسجد سے نکلنے لگا تو آخری صف والے مجاہدین سے گپ شپ شروع ہوئی۔ میں نے ان کو بتایا کہ یہ جو ابھی بزرگ گزرے ہیں انہوں نے میری ترتیب بنائی تھی، اس وقت میں بہت پریشان تھا، انہوں نے میری بہت مدد کی تھی۔ وہ تینوں میری بات سن کر بہت حیران ہوئے اور مجھ سے کہا کون سے بزرگ؟ یہاں تو ہم بیٹھے ہیں، ادھر تو کوئی بھی نہیں آیا، نہ ہی ادھر سے گزرا؟! میں نے تعجب سے کہا 'کیا مطلب؟ آپ لوگوں نے نہیں دیکھا میں ان سے ابھی گپ شپ کر رہا تھا اور وہ آپ لوگوں کے قریب ہی سے تو گزرے تھے!'۔ مگر انہوں نے کہا 'بھائی! یہاں کوئی بھی نہیں آیا اور نہ یہاں سے گیا'۔ یہ سن کر میں بہت حیرت زدہ ہوا کہ آخر وہ بزرگ کون تھے جو ان کو نظر نہیں آئے اور میرے ساتھ گپ شپ کر کے گئے۔ کافی عرصے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرتِ خاص تھی۔

سچ ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(سورۃ العنکبوت: ۶۹)

''اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جدوجہد کی ہم سجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

☆☆☆☆☆

اس تحریر میں چند ایسے واقعات ہیں جو مجھے کبھی نہیں بھولتے ان میں سے چند تو میرے ساتھ پیش آئے یعنی میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور چند دوسروں سے سنے۔ یہ واقعات کسی خاص موضوع سے تعلق نہیں رکھتے: ان میں مجاہدین کے ایثار، بہادری، تقویٰ وغیرہ کے واقعات ہیں، چند انصار کے مہاجر مجاہدین کے ساتھ محبت کے قصے ہیں اور چند کافروں کے مظالم کی داستانیں بھی۔ بس ملے جلے واقعات ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس تحریر کو اپنے حضور قبول فرمالے، آمین۔ (ابرار احمد)

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

علی تیونسی کی ارضِ جہاد کی طرف ہجرت

ایک تیونسی بھائی جن کا جہادی نام علی تھا، ان کے ساتھ مجھے کچھ دن گزارنے کا موقع ملا۔ انہوں نے مجھے اپنی ہجرت کا واقعہ سنایا، جو کچھ اس طرح تھا:

جب افغانستان پر روس نے حملہ کیا تو کچھ عرصہ بعد مجھے جہاد کی دعوت ملی اور میں نے ہجرت کی نیت کے ساتھ تیونس سے سفر کا ارادہ کیا۔ تیونس میں مجھے راستے کی اور رہبر کی ترتیب سمجھا دی گئی تھی۔ میں تیونس سے لیبیا اور وہاں سے مصر پہنچا۔ اب مجھے رہبر سے فون پر رابطہ کر کے اس سے ملنا تھا۔ مصر تک تو سب خیریت تھی مگر شاید اب آزمائش شروع ہونی تھی۔ مقررہ طے شدہ وقت پر میں نے رہبر کو فون کیا مگر فون نہیں مل رہا تھا۔ بہت کوشش کی مگر فون نہ ملتا تھا۔ اگلے دن پھر اس جگہ پہنچ کر فون کیا، مگر پہلے دن کی طرح معاملہ ہوا۔ آج میرا مصر میں تیسرا دن تھا اور میرا رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ اللہ کو شاید یہی منظور تھا۔ میں بہت پریشان تھا کیونکہ میرے پاس پیسے بھی ختم ہو رہے تھے کیونکہ ہوٹل کا کرایہ بہت زیادہ تھا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آگے جاؤں یا واپس؟ چوتھے دن میں نے پھر کوشش کی مگر فون پھر نہ ملا۔ میں سوچ رہا تھا کے تیونس واپس چلا جاؤں یا ادھر کہیں مزدوری شروع کر دوں؟ آج مجھے وہاں ایک اور فرد دکھائی دیا جو کسی کو فون کر رہا تھا مگر شاید اس کا مطلوبہ نمبر بھی بند تھا وہ ادھر اُدھر گھومتا رہا، بار بار فون بھی کر رہا تھا لیکن اس کو بھی کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ وہ میرے قریب آکے بیٹھا میری اس سے گپ شپ ہوئی، وہ اچھا مسلمان لگ رہا تھا۔ وہ بھی مسافر تھا اور میں بھی۔ اس نے بھی کل فون کرنا تھا اور میں نے بھی۔ یہ اتفاق تھا ہم نے مشورہ کیا کہ ہوٹل میں اکٹھے رکتے ہیں، آدھا آدھا کرایہ دے دیں گے۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد کھل کر گپ شپ ہوئی۔ مجھے تھوڑا سا اس پر شک تھا مگر گپ شپ کے بعد میرا شک یقین میں بدلتا جا رہا تھا۔ آخر میں نے اسے کہہ ہی دیا کہ ایک بات سچ سچ بتاؤ، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم بھی اسی سے رابطہ کر رہے ہو جسے میں ڈھونڈ رہا ہوں؟ پھر میں نے کہا کہ تم اپنے نمبر کا پہلا حصہ بتاؤ آگے کا نمبر میں بتاتا ہوں۔ کمال تو اس وقت ہوا جب اس نے آدھا نمبر بتایا تو میں نے اسے پورا کر دیا۔ اب تو ہماری خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اگلے دن ہم پھر گئے مگر نمبر پھر بھی بند تھا۔ ساتھی تو ایک مل گیا تھا مگر رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے میں بہت پریشان تھا کیونکہ میرے پاس پیسے تقریباً ختم ہو چکے تھے۔

میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سفید ریش بزرگ میرے پاس آکے رک گئے۔ سلام دعا کے بعد مجھ سے کہنے لگے کہ کل تم فلاں مسجد چلے جاؤ، وہاں تیسری صف میں ایک آدمی بیٹھا ہو گا اور اس نے اس طرح کے کپڑے پہنے ہوں گے، اس سے جا کے ملو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جاتے ہوئے انہوں نے کچھ پیسے بھی دیے۔ میں نے ان سے ان کے بارے میں بہت پوچھا مگر انہوں نے کچھ نہ بتایا اور چلے گئے۔ رابطہ تو ویسے بھی نہیں ہو رہا تھا، میں نے سوچا کہ جا کے مسجد میں دیکھ لیتا ہوں۔ میں جب مسجد پہنچا تو بالکل اس طرح کے آدمی کو دیکھا جس کا ان بزرگ نے بتایا تھا۔ میں اس بھائی سے ملا اور اسے اپنے متعلق بتایا، تو وہی رہبر تھا۔ میں نے اس سے تفصیلی گپ شپ کی اور اس نے ہمارے افغانستان جانے کی اچھی ترتیب بنا دی۔ میں افغانستان پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے ملا اور وقت گزرتا رہا۔

یہ ۱۹۹۸ء کی بات ہے جب امارت اسلامیہ قائم تھی۔ میں ایک دن معسکر الفاروق[1] کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ لوگ نماز پڑھ کے جا چکے تھے، چند لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہال کی آخری صف میں تین مجاہد بیٹھے کوئی بات کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ میرے پاس وہی بزرگ آئے جو مجھے مصر میں ملے تھے، انہوں نے مجھے سلام کیا اور میرے ساتھ بیٹھ گئے۔ میں ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور حیران بھی کہ یہ ادھر...... یہاں کیسے؟! ان بزرگ سے تقریباً پانچ منٹ گپ شپ ہوتی رہی پھر وہ چلے گئے۔ میں ان کے بارے میں سوچتا رہا کہ وہ کیسے دن تھے جب میں مصر میں پھنسا ہوا تھا......

(باقی صفحہ نمبر 78 پر)

[1] شیخ اسامہ بن لادنؒ کے زیرِ انتظام معسکر جو قندھار میں قائم تھا اور اس سے سیکڑوں مجاہدین تیار ہو کر نکلے جنہوں نے عرب و عجم کے جہاد کی قیادت سنبھالی۔

علم و جہاد کا شہسوار

مفتی محمد متین مغل

جب چھاپہ آیا تو ساتھی مرکز سے نکل کر کھیتوں میں چلے گئے۔ میزائل بردار ڈرون طیارے سر پر گھوم رہے تھے، امریکی فوج اور ان کی غلام ملی اردو (افغان فوج) زمین پر مجاہدین کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ بعض ساتھی بحمد اللہ ان کے حصار سے بحفاظت نکلنے میں کامیاب ہوگئے لیکن چند ساتھی ان کے محاصرے میں آگئے۔ دشمن کو بھی شاید مجاہدین کی موجودگی کا شک ہوا اور انہوں نے فائر کھول دیا، جس سے سراقہ بھائی زخمی ہوگئے۔ آپ کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا، لیکن آپ چیخ و پکار کے بجائے ساتھیوں سے کہہ رہے تھے کہ "دعا کریں، اللہ جل جلالہ مجھے شہادت سے نوازیں"۔ قبولیت کا لمحہ تھا، دشمنانِ دین و شریعت نے روایتی بزدلی کا اظہار کرتے ہوئے ڈرون سے میزائل داغے، ایک میزائل سیدھا آپ کو آکر لگا اور راہِ ہجرت و جہاد کا ایک اور راہی، عرش تلے ذہب کی قندیلوں میں جا پہنچا، اس شان سے شہادت پائی کہ دفنانے کے لیے بھی کچھ نہیں ملا، گویا ان اشعار کا مصداق بن گئے:

میں کٹوں کچھ اس ادا سے کہ ہر جز میرا بکھر جائے
نہ کفن مجھے کوئی دے نہ جنازہ کوئی پڑھائے
نہ ہو دفن کرنے والا نہ قبر کوئی بنائے
کوئی نشاں میرا جو پوچھے تو نشاں بتا سکے نا
کوئی تلاش کرنا چاہے تو تلاش کرسکے نا
چُن چُن کے میرے ٹکڑے پوری لاش کرسکے نا

مولانا سراقہ کا حقیقی نام محمد سعد تھا، آپ کا تعلق مملکتِ خداداد پاکستان کے مردم خیز شہر کراچی سے تھا۔ آباواجداد موجودہ بھارت کے صوبۂ بہار سے ہجرت کرکے یہاں آئے تھے، لیکن جب نصف صدی گزر جانے کے باوجود اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک میں اسلام نافذ کرنا تو درکنار، مطالبۂ شریعت کرنے والی معصوم بہنوں کو فاسفورس بموں سے جلا دیا گیا، قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کے ذریعے اور شہری علاقوں میں گرفتاریوں، گمشدگیوں اور ماورائے عدالت قتل کے ذریعے عامۃ المسلمین پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تو غیرتِ دین سے سرشار نوجوانانِ امت سر سے کفن باندھ کر اس امریکی فرنٹ لائن اتحادی خائن فوج کے خلاف میدان میں کود پڑے جو یہاں نفاذِ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، انہی دنوں آپ بھی اس مبارک قافلے میں شامل ہوگئے۔

آپؒ نے کم عمری میں حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد علوم دینیہ کے حصول کے لیے مدرسہ کا رخ کیا۔ پہلے تین سال مختلف مدارس میں پڑھتے رہے، یہیں میری آپ سے ابتداءً چہرہ شناسی ہوئی جو بعد ازاں تنظیمی تعلق اور جگری دوستی میں ڈھل گئی۔ بعد میں آپ معروف دینی درس گاہ دارالعلوم کراچی چلے گئے اور وہیں سے سندِ فراغت حاصل کی۔

ہم دونوں ہی ایک معروف دینی تنظیم کی طلبہ شاخ سے وابستہ تھے، جلسے جلوسوں اور ہڑتالوں میں بھی شریک ہوتے تھے، آپؒ ان معاملات میں بھی شریعت کے واضح احکام کی کسی طور پر پامالی برداشت نہیں کرتے تھے، مثلاً: ایک دفعہ سڑک بلاک کی، ایک گاڑی آئی اور اس میں سوار آدمی نے اپنی مجبوری بیان کی، بقیہ لوگ اس کو نہیں گزرنے دینا چاہتے تھے، لیکن آپ نے ان سے کہا کہ اسے روکنا شرعاً ہمارے لیے جائز نہیں اور اسے جانے دیا۔

اسی طرح ایک اور بار پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کر رہے تھے، بس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، دو مرد، خواتین کے حصے (لیڈیز کمپارٹمنٹ) میں جاکر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر بعد کچھ خواتین بھی بس میں آکر سوار ہوگئیں، آپؒ سے مرد وزن کا اختلاط دیکھا نہ گیا، ابھی آپ کی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں لیکن آپ کھڑے ہوگئے اور ان مردوں سے کہا کہ آپ ادھر مردوں والے حصے میں آجائیں اور اگر بیٹھنے کے لیے سیٹ چاہیے تو میری نشست پر آکر بیٹھ جائیں۔ آپ کے اس برملا کلمۂ حق پر چاروناچار انہیں وہاں سے اٹھنا پڑا۔

درسِ نظامی کے چوتھے سال آپ کو جہاد کی دعوت ملی، جسے آپ کی سلیم فطرت نے فوراً قبول کیا اور دوسروں تک بھی اس دعوت کی تبلیغ میں لگ گئے۔ درجۂ خامسہ کی سالانہ چھٹیوں میں آپ اپنے دو ساتھیوں (ثمامہ اور طیب) کے ہمراہ جہادی تدریب کی غرض سے عالمی جہاد کے گہوارے وزیرستان روانہ ہوئے۔

گئے تو تھے صرف تدریب کے لیے اور ارادہ واپس آکر تعلیم مکمل کرنے کا تھا، لیکن جب وزیرستان پہنچ کر فرضیتِ جہاد کا دوٹوک حکم معلوم ہوا کہ فرضِ کفایہ علم کے حصول کی خاطر فرضِ عین جہاد کا ترک جائز نہیں، تو اللہ کا یہ فرماں بردار بندہ ساری تاویلات بھول کر یہیں کا ہو رہا، صبر و استقامت کے ساتھ آپؒ نے ایک سال یہاں گزارا۔ مرکز میں خدمت کرتے رہے اور ساتھیوں کو علمِ دین سے بہرہ ور بھی کرتے رہے۔ آپ کے نمایاں شاگردوں میں معوذ (جواد عارف) شہید رحمہ اللہ اور ایک بھائی عبد الودود زاہد (عبد الرافع) تھے، بھائی عبد الودود آپ کے ساتھ ہی قندھار کے مشہور شوراوک چھاپے میں شہید ہوئے۔

ایک سال گزارنے کے بعد شہید عالمِ ربانی استاد احمد فاروقؒ کے شرعی دورے میں شریک ہوئے، راقم بھی ہمراہ تھا۔ آپ کے علمی شغف کو دیکھتے ہوئے استادِ محترم نے تکمیلِ علمِ دین کے لیے آپ کی تشکیل پاکستان کے شہری علاقوں کی طرف کر دی، بقیہ تین سال (درجۂ سادسہ تا دورۂ حدیث) بھی آپ نے جامعہ دارالعلوم کراچی میں پڑھا۔ رجب ۱۴۳۶ھ میں آپ کی دستار بندی ہوئی اور اسی سال ماہِ ذوالحجہ میں خلعتِ شہادت سے نوازے گئے۔

عشق کی اک جست نے طے کردیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

آپؒ نے تحریرات بھی لکھیں اور ساتھیوں کو فرضیتِ جہاد کے دورہ جات بھی کروائے۔ آپ کی ایک قابلِ ذکر تحریر اپنے شہید ساتھی معوذ رحمہ اللہ کے بارے میں تاثرات پر مشتمل ہے اور دوسری تحریر دراصل ترجمہ ہے ،بعنوان : 'تبدیلی کے عمل، جہادی تحریکات کی ناکامی: اسباب اور حل'، جس پر آپ نے گراں قدر حواشی تحریر کیے تھے۔
مولانا سراقہ شہید کے تیار کردہ ساتھی آج بھی دعوت و جہاد کے میدان میں مصروفِ کار ہیں اور آپ کے لیے بہترین صدقۂ جاریہ ہیں۔
جن دنوں آپ شہید ہوئے، راقم گرفتار تھا، گرفتاری کے دوسرے سال شیاطین انس و جن کے گٹھ جوڑ سے راقم سحر (جادو) کا شکار ہو کر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔ زندان کی جو آخری بات یاد ہے وہ یہ کہ زندان کی چھت شق ہوئی اور مولانا سراقہ شہید نے ہاتھ بڑھا کر کہا کہ 'میں آپ کو لینے آیا ہوں'۔ اسی دن اللہ نے رہائی کی سبیل بنائی اور طاغوتی کارندے راقم کو قریب المرگ سمجھ کر گھر چھوڑ آئے، کچھ عرصے بعد جب سحر ٹوٹا تو آپ کی شہادت کی خبر سنی، ابھی تک راقم کو آپ کی شہادت کا علم نہیں تھا۔
آپؒ اکثر کہتے تھے کہ 'اللہ تعالیٰ دین کی خوب خدمت لے پھر شہادت دے، جلد شہید ہو گئے، کم خدمت کی تو درجہ بھی کم ہو گا'۔ اللہ بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ فرماتے ہیں۔
"انا عند ظن عبدی بی." حدیث قرطبی
اس لیے راقم کو ان کی جلد شہادت پر تعجب بھی ہوا۔ لیکن بعد میں ایک ساتھی نے بتایا کہ افغانستان کے صوبۂ ہلمند کے قصبے 'برامچہ' آنے کے بعد مولوی سراقہ برامچہ کے معروف شہدا قبرستان میں گئے اور واپسی پر اپنے تاثرات بتاتے ہوئے کہا کہ 'اب اللہ تعالیٰ سے شہادت مانگتا ہوں'۔
سراقہ بھائی علم کے بہت ہی حریص تھے، فراغت کے بعد آپ کا حدیث اور علومِ حدیث میں تخصص کا ارادہ تھا، جس کی تیاری بھی آپ شروع کر چکے تھے۔ لیکن امرائے جہاد نے جب قحط الرجال کی وجہ سے آپ کو میدانوں میں طلب کیا تو آپ نے اپنے شوق کی قربانی دی، اپنے بندے کی یہ ادائے تسلیم و رضا اللہ کو اتنی پسند آئی کہ شہادت دے کر اپنا قربِ خاص عطا فرمادیا۔

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ○ (سورۃ القمر:۵۵)
"ایک سچی عزت والی نشست میں۔ اس بادشاہ کے پاس جس کے قبضے میں سارا اقتدار ہے۔"

ادا کر کے فرض اپنی خدمات کا
سحر دم وہ جاگا ہوا رات کا
ابد کے نگر کو روانہ ہوا
مکمل سفر کا فسانہ ہوا

نحسبه كذالك ولانزكى على الله احدا.

☆☆☆☆☆

بقیہ: شبیر احمد مالک شہید

ایک روز میں چاشت کے وقت وضو کرنے گیا، جب وضو کر کے واپس آیا تو معاویہ بھائی نے بتایا کہ ابو عبیدہ بھائی محاصرے میں آ گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر میں نے دو رکعت نماز ادا کی اور دعا کرنے لگا کہ اے میرے رب! تیرا بندہ تیرے دین کے لیے نکلا ہے، اس کی مدد فرما۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ پیارے رب نے اپنے بندے ابو عبیدہ کے لیے یہی دن اپنی ملاقات کے لیے مقرر کیا تھا۔ وہ دشمنوں کے ساتھ طویل معرکے کے بعد جام شہادت نوش فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت قبول فرمائے۔
شہادت کی خبر سن کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے اور بندے کو اللہ رب العزت کے ہر فیصلے کے سامنے سر جھکانا ہی زیبا ہے۔ یہ وہ ساتھی ہیں جنھوں نے اپنے خون سے منہجِ شریعت یا شہادت کو زندہ رکھا، جنھوں نے مصائب کے بڑھتے ہوئے سیل کے آگے اپنے آپ کو چٹانوں اور پہاڑوں کی طرح کھڑا کیا، جنھوں نے اپنا سب کچھ اس آزاد جہاد کے کاروان کو آگے بڑھانے کے لیے پیش کیا چاہے وہ جان ہو، یا مال۔ یہ آزاد جہاد کی تحریک انھی عظیم مجاہدین کے خون کی بنیاد پر کھڑی ہے۔ اللہ ایسے عظیم لوگوں کے خون کو کبھی ضائع نہیں کرتے، نہ آج تک روئے زمین نے کبھی ایسا دیکھا ہے کہ کسی اللہ والے کا خون رنگ نہ لایا ہو۔ اللہ ہم سب سے اپنے دین کی بھرپور خدمت لے لے اور ہم سب کو بھی مقبول شہادت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

شبیر احمد مالک شہید رحمۃ اللہ علیہ

محمد یعقوب ترالی

شریعت یا شہادت کے منہج پر اپنی زندگی فدا کرنے والے مجاہد، شبیر احمد مالک المعروف ابو عبیدہ کے ساتھ بِتائے شب و روز، ابو عبیدہ شہید کا تعلق جنوبی کشمیر کے علاقہ ترال سے تھا اور آپ کے آبائی گاؤں کا نام 'ناگ بل' ہے۔ آپ جون ۲۰۱۹ء میں ایک طویل معرکہ کے بعد شہید ہو گئے۔

رات ہو چکی تھی۔ اندھیرے میں کچھ ہی سفر طے کرنے کے بعد ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ آج رات جنگل میں ہی گزارتے ہیں، صبح ان شاءاللہ باقی سفر طے کریں گے۔ چونکہ جنگل میں سردی زیادہ ہوتی ہے اس لیے کوئی بھی ساتھی آرام سے نہ سو سکا۔ صبح ہوتے ہی ہم نے آگ جلائی، جسم کچھ گرم ہوئے تو اٹھے اور باقی ماندہ سفر طے کرنا شروع کیا۔ راستہ پر خطر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور ہم سب ساتھی حفاظت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ گئے جہاں ہمارے استقبال کے لیے ابو عبیدہ بھائی کھڑے تھے۔

جوں ہی ابو عبیدہ بھائی نے ہمیں دیکھا وہ خوشی سے آگے بڑھے اور بڑی محبت سے ہم سب کو ایک ایک کر کے گلے لگایا۔ آپس میں تعارف ہوا۔ ہم بہت تھک گئے تھے اور ہمارے چہروں سے پسینہ ٹپک رہا تھا، پیاس بھی بہت لگی تھی۔ ابو عبیدہ بھائی نے جب ہماری یہ حالت دیکھی تو وہ فوراً دوڑے اور پانی لے کر آئے۔ سب ساتھی پانی پی کر سیراب ہو گئے تو ابو عبیدہ بھائی نے کہا کہ کچھ دیر آپ لوگ آرام کر لیں اس کے بعد پھر بیٹھتے ہیں۔

تھوڑی دیر آرام کے بعد ہم اس جگہ سے نکل گئے کیونکہ وہاں لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے ہم زیادہ دیر نہ رک سکتے تھے۔ دوسری جگہ پہنچے اور وہاں دن گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس جگہ دھوپ بہت تھی اور سائے کے لیے کوئی پیڑ بھی نہیں تھا۔ ابو عبیدہ بھائی نے کہا تھا کہ ہمیں رات کو سفر کرنا ہے اور بہت دور بھی جانا ہے اس لیے ہم مغرب کی نماز ادا کرتے ہی نکل گئے۔

سفر کے دوران ہمیں ایک سڑک بھی پار کرنی تھی۔ ابو عبیدہ بھائی نے بتایا کہ یہاں ایمبش پوائنٹ (دشمن کی کمین گاہ) ہے اس لیے پہلے میں پار کرتا ہوں، پھر تیزی سے آپ لوگ بھی آ جائیے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور ہم سب نے سڑک پار کی اور پھر آہستہ آہستہ چلنے لگے تاکہ کوئی ہمارے چلنے کی آواز نہ سن سکے۔ اس مرحلے سے پار ہونے کے بعد آگے تھکا دینے والا پہاڑی سفر تھا۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہم رات میں ہی اپنی جگہ پر صحیح سلامت پہنچ گئے۔ جب میں ہائیڈ (کمین گاہ) کے اندر داخل ہوا تو مجھے بڑا عجیب لگا کہ یہ کیا چیز ہے، کبھی ایسی جگہ دیکھی جو نہیں تھی، مگر الحمدللہ اس میں جو سکون تھا وہ گھر میں بستر پر بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔ عشاء کا وقت تھا۔ ہم نے نماز کی تیاری کی اور ابو عبیدہ بھائی نے نماز پڑھائی۔ چونکہ میں نووارد تھا لہٰذا نماز کے بعد ابو عبیدہ بھائی نے مجھے سمجھایا کہ کیسے چلنا ہوتا ہے، امیر کی اطاعت، معمولات کیا کیا ہوتے ہیں، کب کیا کرنا ہے، کون کون سی دعائیں یاد کرنی ہیں اور دیگر نصیحتیں وغیرہ کیں۔

ابو عبیدہ بھائی اکثر دعوت کے کام میں مشغول رہا کرتے تھے اور ساتھیوں کی فکری تربیت میں ان کا زیادہ تر وقت صرف ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ جب کوئی ساتھی کاروانِ شریعت یا شہادت میں شمولیت اختیار کرنا چاہتا تو وہ اسے سمجھاتے کہ ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہم کیوں لڑتے ہیں؟ وغیرہ۔ وہ اکثر سب مجاہد ساتھیوں سے کہتے کہ زیادہ سے زیادہ ہائیڈوں کا استعمال کرو مگر جنگلوں میں، کیونکہ جہاد کی اصل زندگی انہی جنگلوں میں ہے۔ وہ بڑے مخلص ساتھی تھے، ان کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا ساتھی کام کرے، یہ کبھی نہیں ہو پاتا تھا، چاہے کھانا پکانا ہو یا پانی لانا یا باقی امور۔ ابو عبیدہ بھائی ساتھیوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے اور ساتھیوں سے کہتے کہ جو بھی ضرورت ہو بلا جھجک بتا دیا کریں۔ ایک مرتبہ ابو عبیدہ بھائی نے مجھے اور برہان بھائی کو پانی لانے کے لیے بھیجا۔ ایک تو جنگل، دوسرا دھند بھی بہت تھی، ہمیں گئے کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ ابو عبیدہ بھائی پریشان ہو گئے کہ شاید ساتھی راستہ بھٹک گئے ہیں۔ فوراً دیگر ساتھیوں کو لے کر ہمیں ڈھونڈنے نکلے۔ ہم جب پانی لے کر واپس اپنی جگہ آ رہے تھے تو ابو عبیدہ بھائی کوڈ میں ہمیں آوازیں دے رہے تھے۔ ہم گھبرا گئے کہ شاید کچھ مسئلہ ہو گیا ہے۔ مگر جب ان کے پاس پہنچے تو پتا چلا کہ وہ ہمیں ہی ڈھونڈ رہے تھے۔

چونکہ میں جہاد میں نیا نیا آیا تھا لہٰذا ابو عبیدہ بھائی لمحہ لمحہ میری رہنمائی کرتے۔ ایک مرتبہ ہم ایک انصار (مددگار) کے گھر گئے، رمضان کا مہینہ تھا تو کھانے اور نماز سے فراغت کے بعد ابو عبیدہ بھائی مجھے سمجھانے لگے کہ گھر والوں کے ساتھ کیسے بات کرنی ہے، قضائے حاجت کے لیے کیسے جانا ہے اور کن کن چیزوں سے اجتناب کرنا ہے، تاکہ نہ مجھے تکلیف اٹھانی پڑے اور نہ ہی گھر والوں کو۔

جب میں ابو عبیدہ بھائی سے جدا ہو رہا تھا تو ہم دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر دونوں ہی ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اس آخری وقت میں نصیحت کی کہ سفر میں ہوشیار رہنا، اپنا خیال رکھنا، منزل پر پہنچ کر مجھے خبر پہنچانا اور اپنی عبادت کو کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑنا اور میرے لیے سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت مانگنا اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرنا کہ وہ ہم سے زیادہ سے زیادہ دین کا کام لے اور پھر کچھ پیسے ہدیہ کے طور پر پیش کیے اور کہا کہ یہ سفر میں آپ کے کام آئیں گے، اور پھر میں ان سے معانقہ کر کے روانہ ہو گیا۔ یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد میں فیلڈ (عملی میدان) میں معاویہ بھائی کے ساتھ شامل ہو گیا۔

(باقی صفحہ نمبر 81 پر)

سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

تایاجان کے گھر آج پھر گہما گہمی تھی۔ لاؤنج میں بڑی سکرین والا اوایل ای ڈی ٹی وی لگا ہوا تھا، جس پر کوئی فلم چل رہی تھی۔ چھوٹی پارٹی مکمل طور پر اس میں منہمک تھی جبکہ گھر کے بڑے مصعب اور ماریہ کی ڈیٹ فکس کر رہے تھے۔ عزیر ماموں بھی سکائپ کے ذریعے شامل تھے۔ سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے کہ اچانک کسی سے غلطی سے چینل بدل گیا اور گھر میں شب کا خبر نامہ اونچی آواز میں گونجنے لگا۔

"پاکستان میں دہشت گردوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو کم کرنے کے لیے امریکہ اور بھارت کا مشترکہ آپریشن کرنے کا فیصلہ!"

"دہشت گردوں سے خطے کے امن کو خطرہ!"

"لاہور اور سیالکوٹ میں بھارتی فوج کی پیش قدمی!"

سب ٹکٹکی باندھے سانس روکے ٹی وی سکرین پر ابھرنے مناظر دیکھ رہے تھے۔ ہر کوئی اپنا کام چھوڑ کر آ گیا تھا۔

اچانک ان کے عین اوپر گھن گرج کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور جیٹ طیارے کان پھاڑ دینے والی آواز کے ساتھ ان کے سروں پر سے گزر گئے۔

گھر میں کہرام مچ گیا۔ سب خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

"سب اپنے اپنے گھر جائیں اور تیار رہیں، ہم کسی بھی وقت گھر چھوڑ کر جاسکتے ہیں!" تایاجان کی بات سن کر سب اپنے اپنے گھر کی طرف دوڑ پڑے۔

اماں گھر پہنچتے ہی وہ ضروری چیزیں پیک کرنے لگیں جو انھوں نے پہلے ہی حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ممکنہ منتقلی کے خدشے کے تحت سوچ رکھی تھیں۔ نور اور ہاجر بھی اپنی اپنی چیزیں رکھنے لگیں۔ مصعب اور سعد اماں کی مدد کروانے لگے۔

رات کے دو بجے فضا پھر سے جیٹ طیاروں کی کان پھاڑ دینے والی آوازوں سے گونج اٹھی۔

نور کو لگا کہ اس کا دل خوف کی بنا پر سینہ پھاڑ کر باہر نکل آئے گا۔ اس کا جسم بری طرح کانپنے لگا تھا۔ باقی سب کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔

کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ بس بے اختیار ہی گھر سے سب باہر نکل گئے اور لان کے درختوں کی آڑ میں بیٹھ گئے۔

اچانک جیٹ نے غوطہ لگایا اور ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ ان سب نے اپنے کان بند کر لیے۔ اطراف میں بمباری ہونے لگی۔ نور کانوں میں انگلیاں ڈالے خوف سے لرزتے ہوئے ادھر ادھر گرتے گولے اور پھر رات کے اندھیرے میں آگ کے شعلے اٹھتے دیکھ رہی تھی۔

اچانک ایک دھماکہ ان کے بہت قریب ہوا جس کی دھمک سے زمین لرز گئی، شاید کہیں قریب ہی گولہ گرا تھا۔

"اماں جی!" وہ بے ساختہ ہی اماں کے قریب ہو گئی۔ اماں پہلے ہی ہاجر اور سعد کو خود سے لپٹائے بیٹھی تھیں۔ خوف سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

'یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟'

مصعب بھی باباجانی کے قریب ہی جھکا ہوا تھا اور زور زور سے کوئی ذکر کر رہا تھا۔

"بیٹا! دعا کرو دعا!" باباجانی گھبراہٹ کے عالم میں بولے تو مصعب اپنا ذکر اونچی آواز میں کرنے لگا اور باقی سب اس کے ساتھ ساتھ دہرانے لگے۔

"حسبنا الله ونعم الوكيل...... حسبنا الله ونعم الوكيل"

موت کے منہ میں تو سب کو اللہ ہی یاد آتا ہے۔

☆☆☆☆☆

"فاطمہ! کیا حال ہے؟ تم خیریت سے تو ہو ناں؟" نور کافی دیر سے اپنے تمام جاننے والوں اور دوستوں کو فون کر کر کے ان کی خیریت دریافت کر رہی تھی۔ دوسری طرف اماں پنڈی میں مقیم نمرہ پھپھو کی خیریت پوچھ رہی تھیں۔

"اوہ!...... انا للہ......!" نور کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ فاطمہ کی بات سننے لگی، "وہ بھی جی سیون میں رہتی تھیں؟ کب ہے جنازہ؟ تم جاؤ گی؟"

ہاجر اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ نور نے فون بند کیا اور ہاجر کی طرف دیکھنے لگی۔

"میم سمیہ کے میاں کل کی بمباری میں فوت ہو گئے ہیں۔ دوپہر دو بجے جنازہ ہے! فاطمہ بھی جا رہی ہے......"

اچانک فضا میں جیٹ کی آواز پھر گونجی۔ ان سب کے چہروں کے رنگ اڑ گئے اور وہ سب باہر کی طرف بھاگے۔ آج میزائل ان کے بہت قریب گر رہے تھے۔ مصعب اور سعد گھر پر نہیں تھے، وہ قریبی بازار تک گئے ہوئے تھے۔ نور کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

"یا اللہ! مصعب اور سعد کو خیر سے لے آ!" اس کے لب ہلنے لگے۔ گھنٹہ بھر کی بمباری کے بعد کہیں جا کر دھماکے بند ہوئے مگر جیٹ طیارے ابھی تک فضا میں چکر لگا رہے تھے۔

گھر کے باہر گاڑی آ کر رکی۔ ان سب نے چونک کر دیکھا تو ان کی اپنی ہی گاڑی تھی۔ سعد گیٹ کھول کر بدحواسی سے اندر داخل ہوا۔

"یا اللہ خیر!" ان سب کے دل بری طرح دھڑکے۔

"اماں! باباجانی!" وہ حواس باختہ سا ان کی طرف آیا "پچھلی سٹریٹ میں بمباری ہوئی ہے۔ حسین انکل کے گھر۔ ان کا بیٹا بہت زخمی ہے اور...... اور آنٹی فوت ہو گئی ہیں!"

”اناللہ وانا الیہ راجعون!“ ان سب کے منہ سے نکلا۔ بابا جانی فوراً اٹھ گئے۔

”چلو چلتے ہیں ان کے پاس!“ وہ یہ کہتے ہوئے جس حلیے میں تھے اسی میں سعد کے پیچھے باہر نکل گئے اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

موت ان سے کس قدر قریب تھی......ان سب کو زندگی میں پہلی بار محسوس ہو رہا تھا!

☆☆☆☆☆

ابو بکر تیزی سے لیکچر ہال سے باہر نکلا، وہ سوچوں میں اس قدر گم تھا کہ اس کو احساس ہی نہ ہوا اور وہ کسی شخص سے بری طرح ٹکرا گیا۔

”اوہ! سوری! آئی ڈیڈنٹ سی یو! (میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا)“، اس نے خفت سے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے سامنے اس کا کلاس فیلو میکس کھڑا تھا۔

”کن سوچوں میں گم تھے؟“ وہ ہنس کر بولا۔ ابو بکر کو اس کے لہجے میں طنز محسوس ہوا، ”کیا اپنے ملک کے حالات کی وجہ سے پریشان ہو؟“

ابو بکر نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ جواباً اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

”پوری دنیا میں تم مسلمانوں نے خوف وہراس پھیلا رکھا ہے......اب اپنی باری آئی ہے تو پریشان کیوں ہو“، وہ چڑانے والے انداز میں گویا ہوا۔

”شٹ اپ! پوری دنیا میں تو تم لوگوں نے ظلم کے طوفان اٹھا رکھے ہیں“، ابو بکر کا خون کھول اٹھا۔ اتنے میں علی بھی ہال سے نکل کر ان کی طرف آ گیا۔

”اچھا! کہاں کہاں؟“ میکس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

”تمام مسلم دنیا میں! افغانستان، عراق، فلسطین، یمن، شام...... ہر جگہ کس نے ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے؟ کیا تم نان مسلمز نے نہیں؟“

میکس آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔

”یو ڈونٹ ڈزرو ٹو لو نارملی!...... یو آر ٹیررسٹس! (تم لوگ نارمل زندگی گزارنے کے لائق ہی نہیں ہو! تم دہشت گرد ہو!“ بالآخر وہ غصے سے بول کر واپس مڑ گیا، ”تم لوگوں کو دبا کر نہ رکھو تو امریکہ پر بھی قبضہ جما کر بیٹھ جاؤ گے!“ نفرت آمیز لہجے میں کہہ کر وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا چلا گیا۔

ابو بکر اور علی منہ پھاڑے اس کو ہال میں موجود سٹوڈنٹس کی بھیڑ میں گم ہوتے دیکھتے رہے۔ آج پہلی بار ان کو ان کافروں کے دلوں میں چھپی مسلمانوں کے لیے حقیقی نفرت کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پاکستان کے حالات کی وجہ سے وہ دونوں ہی بہت پریشان تھے۔

اچانک ابو بکر کے اٹھتے قدم رک گئے۔ علی بے دھیانی میں پانچ چھ قدم آگے بڑھ گیا پھر چونک کر مڑا۔

”کیا ہوا؟“ اس نے حیرت سے پوچھتے ہوئے اس کی نظروں کے تعاقب میں نگاہیں دوڑائیں۔

وہ اس وقت نیویارک کے ڈاؤن ٹاؤن میں کھڑے ارد گرد گزرتے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ علی ابو بکر کے رکنے کی وجہ جان گیا تھا۔ ڈاؤن ٹاؤن کی رونق دیکھ کر ان کو احساس ہو رہا تھا کہ یہ دنیا کتنی خود غرض ہے اور اس کو اتنی فرصت ہی نہیں کہ دنیا میں رونما ہونے والے واقعات سے کوئی اثر لے سکے۔

ایک ہوٹل کے باہر پڑی کرسیوں پر کچھ مسلمان نوجوان بیٹھے موبائل پر کچھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ قریب ہی ایک بک سٹور سے سکارف والی چند لڑکیاں ہنستی مسکراتی باہر آ رہی تھیں، ان کے ہاتھوں میں کسی مشہور ناول کی اگلی قسط کی کاپیاں تھیں، جس کا عرصے سے انتظار ہو رہا تھا۔ سی ڈیز کی دکان میں کچھ مسلمان نوجوان کسی نئی فلم کی تلاش میں سی ڈی ریکس کھنگال رہے تھے۔ اچانک ان کے قریب سے مسلمان نوجوانوں کا ایک گروپ گزرا۔

”ایکس کیوز می!“ نجانے ابو بکر کو کیا سوجھی کہ ان کو پکار بیٹھا۔

”یس؟ اوہ! السلام علیکم!“ اس کا حلیہ دیکھ کر شاید وہ بھی پہچان گئے تھے کہ وہ مسلمان ہے۔

”آپ لوگوں کو تو پتہ ہی ہو گا کہ ابھی ریسنٹلی (حال ہی میں) ہی پاکستان پر امریکہ نے حملہ کیا ہے، مگر یہاں بسنے والے مسلمانوں کو تو لگتا ہے کہ کوئی احساس ہی نہیں!“

”اوہ یا!......“ وہ ذرا غمگین نظر آئے، ”وی آر ویری سیڈ! (ہم بہت دکھی ہیں) امریکہ ہر جگہ مسلمانوں پر ظلم کرتا ہے! مے اللہ ہیلپ دیم! (اللہ ان کی مدد کرے!)“، وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

ابو بکر کا دل گویا کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

’کیا اتنا سوچ لینا کافی ہے کہ مجھے دکھ ہے؟ کیا ہماری زندگیاں پھر بھی ویسے ہی گزرتی رہیں گی جیسے پہلے تھیں حالانکہ ایک مسلمان ملک پر حملہ ہو چکا ہے اور وہاں مسلمان بہت بڑی تعداد میں روز مر رہے ہیں؟ کیا اس کا غم صرف پاکستانیوں کو ہی ہونا چاہیے؟ کیا باقی دنیا پر کوئی ذمہ داری نہیں؟‘

وہ یہ بات چیخ چیخ کر ہر مسلمان سے کہنا چاہتا تھا مگر بے بس تھا۔ وہ دونوں پھر خاموشی سے قدم اٹھانے لگے۔

☆☆☆☆☆

پاکستان پر حملہ ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ بمباریاں مسلسل جاری تھیں۔ احمد صاحب اور ان کے بھائی موقع کے انتظار میں تھے کہ کب وہ یہاں سے نکلیں۔ بھارتی فوج لاہور میں پیش قدمی کر رہی تھی۔ فوج اس کو آگے بڑھنے سے روکنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ کچھ دینی جماعتیں، عام لوگ، فوج کے شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے تھے جس کی وجہ سے بھارت وقتی طور پر رک گیا۔ مگر دو ہفتے گزرنے نہ پائے اور فوج نے ہتھیار ڈال دیے بلکہ دہشت گردوں کو پکڑنے میں پہلے سے بڑھ کر امریکہ کی مدد کرنے لگی جس کی وجہ سے امریکہ اور بھارت کی بمباریوں میں یک دم اضافہ ہو گیا اور روزانہ کی بنیاد پر شرح اموات میں بھی اور ملک میں ہر طرف شدید افراتفری پھیل گئی۔ فوج تو پہلے ہی امریکی انٹیلی جنس کے ساتھ شراکت کا ثبوت دیتی رہتی تھی مگر عوام کا

خیال تھا کہ شاید اب تو وہ ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہو گی۔ مگر فوج کے بڑے بڑے جرنیل تو دو ہفتے گزرنے سے پہلے ہی اپنی فیملیوں سمیت ملک سے باہر بھاگ چکے تھے۔ جو ہلکی پھلکی مزاحمت تھی وہ یا تو دینی تنظیموں اور یا پھر علما اور مدارس کے طلبا کی جانب سے تھی۔ مگر فوج کی بے وفائی نے سب کو ہی ہلا کر رکھ دیا تھا اور حالات کی سختی کی وجہ سے یہ معمولی عوامی مزاحمت بھی دم توڑ گئی تھی۔ حکومت تو حالانکہ امریکہ کی من پسند تھی مگر اس کو بھی ختم کر دیا گیا اور مکمل طور پر امریکہ کی وفادار ایک نئی حکومت تشکیل دی گئی۔

☆☆☆☆☆

باباجانی موت کو اتنا قریب دیکھ کر بہت بدل گئے تھے۔ وہ نماز پڑھنے لگے تھے اور نور کے پردے کے معاملے میں بھی کافی نرم پڑ گئے تھے۔

اماں امینہ خالہ کے لیے بہت پریشان تھیں۔ نور اور اس کے بہن بھائی یہ بات جانتے تھے مگر باباجانی کے سامنے اس بات کا اظہار کرنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ پریشانی یوں بھی زیادہ تھی کہ ان کی خیر خیریت کہیں سے بھی معلوم نہ ہوئی تھی۔

ابو بکر اور علی واپس آنے کے لیے شدید بے چین تھے مگر امریکہ سے پاکستان کی فلائٹس بند ہو جانے کی وجہ سے وہ کچھ نہ کر پا رہے تھے۔

ظلم اور موت کا رقص ہر سو جاری تھا۔ روزانہ ہی خوفناک خبریں آتیں۔ جیلیں مسلمانوں سے بھری جا رہی تھیں، عورتیں اٹھائی جا رہی تھیں۔

ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

☆☆☆☆☆

"نور! جلدی بتاؤ اور کیا لینا ہے؟" مصعب بے چینی سے نور کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دونوں گیس سلنڈر بھروانے کے لیے آئے تھے کیونکہ پائپ لائنز پھٹ جانے کی وجہ سے گھروں کو گیس کی سپلائی بند ہو چکی تھی۔ بازاروں میں سمگل شدہ گیس دستیاب تھی، اسی سے گزارا چل رہا تھا۔

"اماں نے کہا تھا کہ ایمرجنسی لائٹ لینی ہے جو سیل سے چلتی ہو!"

"ٹھیک ہے، جو لینا ہے جلدی کرو! یہ جیٹ بہت زیادہ چکر لگا رہے ہیں۔ ان کے ارادے نیک نہیں لگتے!" اس نے فضا میں اڑتے انڈین جہاز کی طرف دیکھا۔

دونوں نے دکان میں قدم رکھا ہی تھا کہ اچانک کان پھاڑ دینے والا ایک دھماکہ سنائی دیا اور دکان میں داخل ہوتے نور اور مصعب دھماکے کی شدت سے اچھل کر پیچھے کو گرے۔

کچھ دیر تو دونوں کو سمجھ ہی نہ آئی کہ کیا ہوا، مگر جیسے ہی ان کے حواس کو حقیقت کا ادراک ہوا تو بہت بھیانک منظر ان کا منتظر تھا۔

وہ تین منزلہ عمارت جس کے گراسری سٹور میں وہ داخل ہو رہے تھے، ملبے کا ڈھیر بن چکی تھی اور ہر طرف گرد اڑ رہی تھی۔ خوش قسمتی سے ان دونوں کو دھماکے کی شدت نے باہر کی جانب دھکیل دیا تھا اور یوں وہ اس بار موت کے منہ میں جانے سے بچ گئے تھے۔ وہ دونوں بے یقینی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

ملبے میں سے اٹھنے والی چیخوں نے ان کو مزید دہشت زدہ کر دیا اور مصعب اٹھ کر اندھا دھند ملبے کی طرف بھاگا۔ بمباری ابھی تک جاری تھی۔ اچانک ایک اور میزائل بازار کے وسط میں پھٹا اور ہر طرف انسانی جسموں کے چیتھڑے بکھر گئے۔ نور گھسٹ گھسٹ کر ایک کونے میں دبک گئی اور آنسوؤں بھری نگاہوں سے اس جانب دیکھنے لگی جہاں مصعب گیا تھا اور جہاں ابھی ابھی میزائل آکر گرا تھا۔ وہاں صرف دھول ہی دھول اور انسانی چیخیں تھیں۔ اس کو کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا، بس آنکھوں سے آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔

اتنے میں فضا ایمبولینس اور ریسکیو والی گاڑیوں کے سائرنوں سے گونج اٹھی۔ اس کی جان میں جان آئی۔ مدد آ گئی تھی!

بہت سے لوگ بمباری کی جگہ کی طرف دوڑے چلے جا رہے تھے۔ بازار میں موجود لوگ بھی بے بسی سے ہاتھوں ہی سے ملبہ ہٹانے لگے۔ کچھ لوگ قریب سے مزدوروں سے کدالیں لے آئے۔ اچانک نور کی نظر مصعب پر پڑی جو ملبے میں سے ایک زخمی بچے کو نکال کر ایمبولینس کی طرف بھاگ رہا تھا۔ نور کے منہ سے بے اختیار ایک سسکی نکل گئی۔ اس کی اپنی ٹانگ سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ کچھ لوگ دیگر زخمیوں کو لے کر دوڑ رہے تھے۔ ایک شخص ملبے کے ڈھیر کے پاس کھڑا چیخ رہا تھا۔ وہ ملبہ اس دکان کا تھا جس میں اس شخص کے بیوی بچے کھڑے تھے۔

"نور! تم سعد کو فون کرو کہ آکر تمہیں لے جائے!...... میں یہاں مدد کروا رہا ہوں...... اس سے کہو کہ اپنی گاڑی لے آئے!" مصعب لنگڑاتا ہوا نور کی طرف آتے ہوئے بولا۔ نور نے فوراً آگے بڑھ کر اس کی ٹانگ کو دیکھنا چاہا۔

"پہلے اپنی ٹانگ دیکھو!"

وہ وہیں زمین پر جھکا اپنی پینٹ کے پائنچے چڑھانے لگا۔ زخم معمولی سا ہی تھا، ذرا سا گوشت ہی اڑا تھا مگر پھر بھی کافی تکلیف دہ تھا۔

"مصعب تم ہسپتال جاؤ، میں سعد کو بلاتی ہوں"، نور فون ہاتھ میں لے کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆

مصعب کے زخم معمولی سے تھے اس لیے بنیادی مرہم پٹی کے بعد وہ نور اور سعد کے ہمراہ گھر واپس آ گیا۔

گھر میں قدم رکھتے ہی باباجانی کی پریشان آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"صفیہ! تم فکر نہ کرو، بس میں کل ہی کوئی اور روٹ (راستہ) تلاش کرتا ہوں اور لاہور آ جاتا ہوں...... تم بس بلا ضرورت گھر سے مت نکلنا! اچھا خدا حافظ"، باباجانی نے فون کان سے ہٹایا اور ان کی طرف دیکھا، پھر ان تینوں کی سوالیہ نگاہیں دیکھ کر خود ہی وضاحت کرنے لگے، "وہ...... صفیہ تھی...... آج اس کے کالج پر بھارتی فوجیوں نے ہلّا بول دیا تھا اور بہت سی طالبات کو اٹھا کر

لے گئے...... شکر ہے اللہ نے صفیہ کو بچالیا...... کل صبح صبح میں اور بھائی جان اس کو لینے جا رہے ہیں!'' ان تینوں کو جھر جھری سی آگئی۔

☆☆☆☆☆

'ٹرن ٹرن!' فون کی گھنٹی کوئی تیسری دفعہ بجی تھی۔ تمام گھر والے کھانے کی میز پر خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔

''سعد! دیکھو کس کا فون ہے!'' باباجانی نے پانی کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا، ''دیکھ کیوں نہیں رہے؟''

سعد جلدی سے اٹھا اور ریسیور کان سے لگایا۔ سب کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

''باباجانی! آپ کا فون ہے!'' وہ ریسیور چھوڑ کر بولا۔

''ہیلو!......'' باباجانی ریسیور کان سے لگائے دوسری طرف کی بات سننے لگے۔ اچانک ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور ان کے ہاتھ لرزنے لگے۔ ان کے چہرے کے بدلتے زاویے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ کوئی سنگین معاملہ پیش آگیا ہے۔ آخر دو منٹ بعد انھوں نے فون رکھا اور سب کی طرف متوجہ ہوئے۔

''کل رات لاہور میں بمباری ہوئی ہے......'' باباجانی یہ کہہ کر گہرے گہرے سانس لینے لگے ''صفیہ شہید ہو گئی ہے......!''

''کیا؟؟؟'' سب دنگ رہ گئے۔ باباجانی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

نور نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ ہاجر اماں سے لپٹ کر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔

''میں اور بھائی جان لاہور جا رہے ہیں!''

''نہیں احمد ایسا نہ کریں، ان حالات میں آپ کہیں نہ جائیں!'' اماں نے تڑپ کر التجا کی مگر باباجانی کچھ سننے پر تیار نہ تھے۔ انھوں نے جلدی سے کوٹ پہنا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ اماں ان کو پیچھے سے آوازیں ہی دیتی رہ گئیں۔

☆☆☆☆☆

گھر نسوانی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ اماں اور تائی جان ایک دوسرے کے گلے لگ کر دھاڑیں مار کر رو رہی تھیں۔ مصعب اور احمر اپنی اپنی ماؤں کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ عائشہ چچی اور ان کی دونوں بچیاں نور، ہاجر اور ماہم کو سنبھالے ہوئے تھیں۔

''ہائے میرا سہاگ لٹ گیا!'' تائی جان کی لرزہ خیز چیخ سنائی دی اور وہ غش کھا کر احمر کے بازوؤں میں جھول گئیں۔ سب ان کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔

''ہائے احمد! آپ کیوں مجھے چھوڑ گئے؟ مصعب! تمہارے بابا ہمیں کیوں چھوڑ گئے؟'' اماں مصعب کو اپنے سینے سے لگا کر رونے لگیں۔ مصعب جو کافی دیر سے ضبط کیے ہوئے تھا، اماں کے سینے سے لگتے ہی اس کے ضبط کے بندھن بھی ٹوٹ گئے اور وہ بھی سسکنے لگا۔

سعد اور سیف بمشکل اپنے آپ کو سنبھالے موحد چچا اور بسام بھائی کے ساتھ تجہیز و تدفین کے کاموں میں لگے تھے۔

جنازہ اٹھا اور گھر میں دوبارہ آہ وفغاں شروع ہو گئی۔

''مومنہ! کیوں؟ آخر کیوں ہوا یہ؟'' نور اپنا چہرہ چھپائے مچل رہی تھی۔

''نور! نور! پیاری بہنا! ایسے نہ کہو!'' مومنہ نے آنسو بہاتے ہوئے اسے کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

مرد حضرات جنازے سے فارغ ہو کر واپس آگئے۔ سعد اور مصعب بھی آگئے۔ نور کو صبح سے اپنے بھائیوں سے ملنے کا موقع نہ ملا تھا۔

''سعد! تم کہاں تھے؟ نظر ہی نہیں آئے؟'' سعد پر نظر پڑتے ہی نور کا دل پھر بھر آیا۔ وہ بھی ہمدردی پا کر اس کے نزدیک آگیا اور اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے۔

''سعد! فکر نہ کرو، باباجانی اب بہت......'' اس نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے مگر باوجود کوشش کے مزید نہ بول سکی۔ آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں اٹک گیا۔

''آپا!'' سعد کے لب ہلے مگر آواز نہ نکل سکی، پھر وہ بھی اپنی مردانگی بھلا کر نور کے گلے لگ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ ''آپا!''، وہ بس روئے جا رہا تھا۔

''نور! سعد! اماں بلا رہی ہیں...... ان کا دل بے چین ہو رہا ہے!'' ہاجر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ نور اور سعد نے اپنے اپنے آنسو پونچھے اور اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''ہاجر! کاش باباجانی کی جگہ میں ہی چلی جاتی!'' نور اس کی طرف بڑھ گئی۔ ہاجر نے بے ساختہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کو خاموش کروا دیا۔

''ایسے مت کہو!'' وہ دھیرے سے بولی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھی، ''نور! شاید ہمارا مکافاتِ عمل شروع ہو گیا ہے!'' وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ نور اور سعد بھی اپنی اپنی سوچوں میں گم اس کے پیچھے ہو لیے۔

☆☆☆☆☆

چیخ و پکار کی آوازوں سے نور کی آنکھ اچانک کھلی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اچانک پھر سے چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اب اس کو آواز کی سمت کا اندازہ ہوا۔ آوازیں اس کی کھڑکی سے آ رہی تھیں جو باہر کی طرف کھلتی تھی۔ سورج ابھی ابھی طلوع ہوا تھا۔ نجانے باہر کیا افتاد آن پڑی تھی۔ کسی بمباری کی آواز بھی تو نہ آئی تھی۔

نور بستر سے اتر کر کھڑکی کی طرف بڑھی اور سر باہر نکال کر دیکھا، مگر پچھتائی۔ نیچے کا منظر روح فرسا تھا۔ نور بے ساختہ ڈر کر کھڑکی کے پیچھے ہو گئی مبادا امریکی و بھارتی فوجی اسے دیکھ نہ لیں۔ دھیرے دھیرے سانس بحال کر کے وہ اندھا دھند نیچے کی طرف بھاگی۔ سارے گھر والے پہلے ہی بدحواس تھے۔ اماں پورے گھر کی کنڈیاں لگا رہی تھیں۔ نور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ منظر بالکل واضح تھا۔

گلی میں ایک امریکی ہموی (بکتر بند گاڑی) کھڑی تھی اور امریکی فوجی اس کے محلے کے چند افراد کے سر پر کن ٹوپ چڑھائے انھیں گاڑی کی طرف لے جا رہے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ

قریب ہی پاکستانی فوج کی گاڑی بھی کھڑی تھی۔ اچانک باہر سے ایک بھیانک چیخ گونجی۔ سب گھر والے کھڑکی کی طرف لپکے اور بے ساختہ ہی سب کی چیخ نکل گئی۔

''اماں! صالحہ! اماں جی! صالحہ کو لے گئے.....وہ امریکی لے گئے! صالحہ کو لے گئے!'' نور اپنی چیخیں روکنے کے لیے انگلیاں دانتوں تلے دبائے رو رہی تھی۔ اتنے میں باہر سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ امریکی فوجی چند مزید لڑکیوں کو بالوں سے پکڑے گاڑی کی جانب گھسیٹ رہے تھے اور جو کوئی مزاحمت کرتا اسے گولی مار دیتے۔

اچانک امریکی ان کے گھر کی جانب بڑھنے لگے مگر نجانے کیا سوچ کر رک گئے اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

''یا اللہ!'' اماں جو کافی دیر سے خوف زدہ تھیں، نے آخر ایک گہری سانس لی اور رونے لگیں۔ گھر میں دو جوان بیٹیوں کے ہوتے ہوئے وہ کیونکر پریشان نہ ہوتیں!

☆☆☆☆☆

رات کافی گزر چکی تھی مگر نور کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ اس نے اپنے قریب ہی بستر میں دبکی ہاجر کو دیکھا۔ اسے اپنی سوئی ہوئی بہن پر بہت پیار آیا۔ بابا جانی کی وفات کے بعد سے وہ دونوں بہنیں اماں کے کمرے میں انھی کے ساتھ سوتی تھیں۔ بلکہ اماں کی تسلی کی خاطر مصعب اور سعد بھی رات گئے تک اماں کے پاس ہی بیٹھے رہتے تھے۔ اس نے اماں کی جانب دیکھا، وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھیں، ان کی طبیعت مستقل خراب رہنے لگی تھی۔

اس کی نگاہوں میں پھر سے صالحہ کا چہرہ گھوم گیا۔ وہ ان کے پڑوس میں رہتی تھی اور ہاجر کی ہم عمر تھی۔ اسے اس کے چہرے پر چھائی دہشت اور اس کی خوف زدہ چیخیں بھلائے نہ بھولتی تھیں۔ جیسے ہی وہ آنکھیں بند کرتی صالحہ کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتی اور اس کے ساتھ ہونے والے متوقع سلوک کا سوچ کر ہی اس کا دل حلق میں آجاتا۔ یہی سب سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں عافیہ صدیقی کا خیال آیا۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔ عافیہ کے بارے میں پڑھی اور سنی ہوئی تمام باتیں اس کے ذہن میں تازہ ہو گئیں۔ اسے یاد تھا کہ مومنہ نے کس قدر روتے ہوئے اسے عافیہ صدیقی کی داستان سنائی تھی اور اسے بتایا تھا کہ امریکہ نے انھیں چھیاسی سال قید کی سزا سنائی ہے مگر اس وقت اس کے دل پر اس بات کا کچھ اتنا اثر نہ ہوا تھا۔ آج اگر امریکی فوجی اس کے گھر میں بھی گھس آتے تو کیا وہ بھی.....عافیہ! صالحہ! نور! ہاجر!........اور پھر اس سے آگے اس سے کچھ نہ سوچا گیا اور وہ اپنی سسکیوں کو دبانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھے رونے لگی۔

☆☆☆☆☆

ابو بکر بے چینی سے کمرے میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ آنسو بار بار اس کی آنکھوں میں بھر آتے تھے۔ ملک کے حالات نے اس کو اندر تک جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ وہ پچھلے دو تین ہفتوں سے پاکستان جانے کی کوشش کر رہا تھا مگر امریکہ سے پاکستان جانے والے تمام فضائی راستے بند تھے۔

وہ اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو مسلتے بالکونی میں آگیا۔ اس کا اپارٹمنٹ ایسی جگہ پر تھا جہاں سے اسے نیویارک کا سنٹرل پارک اور اس کے عقب میں مین ہیٹن کی آسمان کو چھوتی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ عام طور پر اس کو یہ منظر بہت خوب صورت لگتا تھا مگر آج نیویارک کا جگمگاتا شہر اس کو تاریک لگ رہا تھا اور یہاں کی خوب صورت شفاف سڑکیں اسے غلیظ اور ان پر چلتے گوری چمڑی والے باشندے اسے بے حد کالے اور منحوس نظر آرہے تھے۔ اسے ان کے چہروں سے اپنی امت کا خون ٹپکتا دکھائی دے رہا تھا۔

'اف! علی ابھی تک نہیں آیا!' وہ دل ہی دل میں سوچتا پھر بالکونی میں ٹہلنے لگا۔ آخر اس سے مزید صبر نہ ہو سکا اور اس نے علی کو فون کر دیا۔

''علی! کہاں ہو؟''

''میں تو ابھی شاپ میں ہی ہوں!''

''فوراً واپس آجاؤ میرا دل گھبرا رہا ہے!'' اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور دل کو پر سکون کرنے کے لیے قرآن کھول کر تلاوت کرنے لگا۔

علی تین منٹ میں ہی ہانپتا کانپتا پہنچ گیا۔ ابو بکر اس کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

''بڑی سپیڈ ماری!'' وہ ہنس کر بولا مگر اس کے لہجے میں بشاشت نہ تھی۔

''سیدھی طرح بتاؤ کیا بات ہے!'' علی اس کی ہنسی سے متاثر ہوئے بغیر بالکل سپاٹ لہجے میں بولا۔ ابو بکر کا چہرہ دیکھنے کے بعد اس کی چھٹی حس اسے کسی انہونی کی خبر دے رہی تھی۔

''بتاتا ہوں، بتاتا ہوں، تم بیٹھو تو سہی!'' ابو بکر اس کی ٹینشن محسوس کرتے ہوئے ماحول ہلکا کرنے کی خاطر بولا۔

''نہیں! پہلے تم بتاؤ مسئلہ کیا ہے!''، وہ بے چینی سے بولا۔

ابو بکر نے جان لیا کہ وہ اب پوری بات سنے بغیر سکون سے نہیں بیٹھے گا لہٰذا اس نے تمہید باندھی۔

''علی! اگر کوئی ہمیں امانتاً کوئی چیز دے اور پھر اپنی امانت واپس لے لے تو ہمیں کیا رویہ اپنانا چاہیے؟'' ابو بکر دھیرے دھیرے اس سے نظریں ملائے بغیر بولا۔

علی کو لگا کہ اس کی سانسیں رکنے لگی ہیں، مگر بظاہر سکون سے وہ بولا ''ظاہر ہے کہ امانت واپس کر دینی چاہیے!''

''اور اگر وہ چیز ہمیں بہت عزیز ہو جائے؟'' اچانک اس نے نظریں اٹھائیں اور علی کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کا چہرہ کسی انجانے خدشے کے ماتحت دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

''ابو بکر پلیز! سیدھی طرح بتاؤ!''، وہ ملتجی ہوا۔

''علی! تمہاری پوری فیملی......تمہاری پوری فیملی شہید ہو گئی ہے!'' ابو بکر کی آواز رندھ گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ علی دہشت اور بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے اس کو دیکھے گیا۔

''کیا کوئی بھی نہیں بچا؟'' اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔ ''کیا اسماء بھی؟''

”نہیں! حالات کی وجہ سے اسماء بھی میکے ہی آئی ہوئی تھی اور...... اور معاویہ بھی اسی روز اسے لینے کے لیے آیا تھا!“

”یعنی معاویہ بھی......؟“ علی جملہ مکمل نہ کر سکا۔ ابو بکر نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

”ابو بکر پلیز! کچھ کرو! جلدی پاکستان چلو! جلدی مجھے یہاں سے نکالو ورنہ میں...... ورنہ میں کچھ کر دوں گا!“ چند ثانیے کی خاموشی کی بعد علی بری طرح مچل کر بولا۔

”میں امریکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا! ابو بکر! کچھ کرو میں اب مزید یہاں نہیں رہ سکتا! مجھے یہاں سے لے چلو پلیز!“

وہ ابو بکر کو دونوں کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑنے لگا۔

”علی! صبر سے کام لو! اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں!“

مگر علی بالکل بے قابو ہو چکا تھا۔ آخر وہ اپنا چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رونے لگا۔

”اچھا دیکھو کچھ کوشش کرتے ہیں، شاید بحری راستہ کھلا ہو یا ایران کی طرف سے کوشش کرتے ہیں ان شاء اللہ!“ ابو بکر نے اسے حوصلہ دلاتے ہوئے اس پر ایک نظر ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ علی اب بھی اپنا چہرہ چھپائے بے آواز رو رہا تھا، اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ وہ دکھ سے اس کی حالت دیکھ کر کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

”مصعب! ماما کو تو اب سانس لینے میں بھی دقّت ہو رہی ہے...... کچھ کرو! ہسپتال لے چلو!“، نور کچن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ مصعب جو الماری سے کچھ نکال رہا تھا گھبرا کر اس کی طرف مڑا۔

”کیا ہوا؟“

”جلدی آؤ! اماں کی سانس اکھڑ رہی ہے!“ نور گھبراہٹ کے عالم میں بولی۔ مصعب اندھا دھند اماں کے کمرے کی طرف بھاگا۔ ہاجر اور سعد اماں کو انہیلر دینے کی کوشش کر رہے تھے مگر اماں مسلسل کھانسے چلی جا رہی تھیں۔ بخار کی شدت سے پہلے ہی ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

مصعب ان کے کمرے کی طرف بھاگا۔ اماں بمشکل سانس لے پا رہی تھیں۔ اس نے انھیں سہارا دے کر اٹھایا، دوسری جانب سے سعد نے سہارا دیا اور دونوں انھیں لے کر باہر کی جانب بڑھ گئے۔

”نور! سعد! ہاجر! میں موحد چچا کے ساتھ ہسپتال جاتا ہوں، تم لوگ گھر پر ہی رہو، اگر ضرورت پڑی تو بلا لوں گا!“، مصعب گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”اور ہاں نور! کچھ کھانا بنا دینا اور سعد کے ہاتھ بھیج دینا...... شاید اماں کو ایڈمٹ کرنا پڑے!“

اس نے تیزی سے گاڑی نکالی اور اس کے پیچھے سعد نے گیٹ بند کر دیا۔ وہ تینوں پریشانی میں گھرے اندر کی جانب بڑھے۔

آدھے گھنٹے بعد ہی مصعب کا فون آ گیا تھا کہ اماں کو نمونیہ کا زبردست اٹیک ہو گیا ہے۔ اماں کی رپورٹس تو کچھ حوصلہ افزانہ تھیں مگر پھر بھی ڈاکٹروں نے امید ظاہر کی تھی کہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

انٹرنیٹ سیکورٹی کا ہوّا اور داعیانِ جہاد کی ذمہ داری

”دشمنانِ دین کی خواہش ہے کہ نوجوانانِ امت نیٹ پر ہر گندی چیز تو دیکھیں، تباہی و بربادی کے ہر سوراخ سے تو وہ ڈسے جائیں، مگر اللہ کی رضا اور حقیقی حیات کی طرف رہنمائی کرنے والی دعوتِ دین و جہاد سے وہ دور رہیں۔ ان کی یہ کوشش بھی ہے کہ نیٹ پر خوف کی ایک ایسی غیر واقعی فضا قائم رکھی جائے کہ وہ دعوتِ جہاد سے متعلق کسی چیز پر نظر پڑتے ہی دل کی دھڑکن تیز کر دے اور یہ خوف لاحق کر دے کہ اس چیز کو ہاتھ لگاتے ہی جہاد دشمن عناصر اسے اٹھا کر غائب کر دیں گے۔ اپنی اس خواہش و کوشش کو انہوں نے چھپایا نہیں ہے، بلکہ ان کے تھنک ٹینک نے اپنی رپورٹوں میں لکھا بھی ہے کہ 'انٹرنیٹ سیکورٹی کا ایک ہوّا کھڑا کرنا ضروری ہے'۔ ان کے مطابق زیادہ تر لوگ محض اسی ہّوے کی بدولت جہادی سائٹیں اور صفحات دیکھنا چھوڑ دیں گے اور یوں لوگوں کی ایک بڑی تعداد دعوتِ جہاد سے دور ہو جائے گی۔ نیٹ استعمال کرنے والے داعی بھائیوں پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے اس خوف کا علاج کریں۔ انہیں سمجھائیں کہ محض مواد دیکھنے اور پڑھنے سے نقصان نہیں ہوتا اور ساتھ ساتھ انہیں ایسی ٹیکنکل تدابیر بھی سکھائیں کہ جن کے استعمال سے وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے آسانی و اطمینان کے ساتھ دعوتی مواد حاصل کر سکتے ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ محض جہادی مواد پڑھنے، دیکھنے سے نقصان نہیں ہوتا، نقصان تب ہوتا ہے جب داعیٔ جہاد کے روپ میں دشمنِ خدا بہروپیے کو مجاہد سمجھا جائے، اسے اپنی اصل معلومات دی جائیں، اس کے ساتھ براہِ راست زمینی تعلق قائم کیا جائے...... یا دوسری صورت میں مہلکِ جہاد منہج کو صحیح سمجھ کر قبول کیا جائے۔ لہٰذا بس ان دو لحاظ سے انٹرنیٹ سازشوں کو سمجھنا اور ان سے بچنا ضروری ہے۔“

(اُستاد اسامہ محمود حفظہ اللہ)

سُلطانئ جمہور

علی بن منصور

پورے کمرے میں باتوں اور سرگوشیوں کی ایسی بھنبھناہٹ پھیلی ہوئی تھی جیسے بہت سی مکھیاں جمع ہو کر کسی میٹھی چیز پر منڈلا رہی ہوں۔ ''ارے دھاندلی ہے سراسر......''، آخر کسی کونے سے نوجوان پارٹی سے تعلق رکھنے والی کوئی نوجوان آواز تڑپ کر بلند ہوئی، اور پھر یکے بعد دیگرے وہ تمام سرگوشیاں جواب تک ہلکے سروں میں، نظروں کے تبادلوں اور چہروں کے زاویوں تک محدود تھیں، آہستہ آہستہ بلند ہوتے احتجاج میں ڈھلنا شروع ہو گئیں۔

'خاتون پارٹی کا تو ووٹ بینک ہی اتنا کمزور ہے...... بھلا دو دن کی الیکشن مہم چلا کر وہ یہ الیکشن جیت سکتی ہیں کیا......؟'

'......صاف نظر آرہا ہے کہ الیکشن میں دھاندلی ہوئی ہے......'

'یہ الیکشن نہیں...... فراڈ ہوا ہے، ڈرامہ ہے......'

'ارے کس کو بے وقوف بنا رہے ہیں......؟ نبیلہ آپی کا جیتنا تو ناممکن ہے...... ناممکن......!'...... کمرہ کی فضا بھانت بھانت کی آوازوں سے گرم ہو رہی تھی۔ نقار خانے میں ایک طرف حیرت و صدمے میں ڈوبی آوازیں تھیں، تو دوسری طرف خواتین کی جانب ہادیہ، جویریہ، فاطمہ اور بینش کے کھِلے کھِلے چہروں پر حیرت زدہ مسکراہٹیں اور مبارکبادی پیغامات تھے۔ فاطمہ دھڑا دھڑ اپنے ہاتھ میں پکڑے موبائل سے کبھی ہادیہ اور کبھی جویریہ کے ساتھ، وکٹری کا نشان بنائے اپنی سیلفیاں لے رہی تھی۔ اسے پہلی فرصت میں یہ ساری تصویریں فیس بک پر اپ لوڈ کرنا تھیں۔ ''تھری چیئرز فار دا وِننگ پارٹی......!''(Three cheers for the winning party!)

ہادیہ کی خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی، وہ نبیلہ کے کندھے سے لٹکی مارے خوشی کے رو دینے کو تھی، 'اسے کہتے ہیں ہمتِ عورتاں، مددِ خدا......'۔

''ناممکن......!''، آخر کار عمیر کا سکتہ ٹوٹا اور وہ حیرت و صدمے کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، اس کے کھڑے ہوتے ہی نوجوان پارٹی کی احتجاجی صدائیں مزید بلند ہو گئیں۔ ''ایسا نہیں ہو سکتا......! یہ کیسے ممکن ہے......؟!''، اسے اب تک اپنی ناکامی اور نبیلہ کی جیت پر یقین ہی نہ آرہا تھا۔

''یہ بالکل ناممکن ہے...... یقیناً یہاں کوئی فراڈ ہوا ہے......''، زوار بھی عمیر کی تقلید میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں یوں حیران پریشان نظر آرہے تھے گویا ہارنا اور وہ بھی نبیلہ کے ہاتھوں، ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ تقدیر کے اس عجیب مذاق پر وہ دونوں ہی حیران و ششدر تھے۔ ابھی عمیر مزید کچھ کہنے، کوئی احتجاج ریکارڈ کروانے، نتائج کے نا انصافی پر مبنی ہونے اور ناممکنات میں شامل ہونے کے حوالے سے کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھول ہی رہا تھا، کہ کمرے میں ایک نئی آواز بلند ہوئی جس نے بقیہ سب آوازوں کا گلا گھونٹ دیا۔

''نامنظور......!!''، عثمان صاحب اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے کسی شیر کی طرح گرجے۔ مٹھیاں بھینچے، سرخ چہرہ لیے وہ تمام حاضرین سے مخاطب تھے۔ آنکھوں سے لپکتے غیض و غضب کے شرارے ایک کھلا چیلنج تھے کہ کسی میں جرأت ہے تو ان کی بات رڈ کر کے دکھائے، مگر سبھی کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ''قطعی نامنظور! میں نہیں مانتا!...... میں ان نتائج کو تسلیم نہیں کرتا...... ابھی ہم پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ ہم کل کی بچی کو اپنا سربراہ بنا کر سر پر بٹھا لیں''۔

'...... آپ کسی کو دباتے رہیں... دباتے رہیں اور وہ دبتا رہے...... مگر آخر کہاں تک دبائیں گے؟ ایک وقت آتا ہے کہ دبنے والا مجبور ہو جاتا ہے کہ پلٹ کر جواب دے...... اپنا دفاع کرے...... دبانے والے کو دھکّا دے کر پرے کر دے!...... کوئی مکّا دکھائے تو جواباً وہ بھی گھونسا رسید کرے......! حد ہوتی ہے میل شاونزم[1] کی بھی......! پہلے میں سمجھتی تھی کہ آپ نبیلہ کی مخالفت کسی اصول قاعدے، کسی دینی بنیاد پر کرتے ہیں...... مگر اب معلوم ہوا کہ یہ تو محض ہٹ دھرمی ہے، عورتوں اور لڑکیوں سے آپ کی نفرت ہے اور آپ کے اندر چھپا یہ خوف ہے کہ کہیں عورتیں اپنے حقوق مانگ کر آپ کے برابر نہ آ جائیں...... جس کی وجہ سے آپ مسلسل نبیلہ کی مخالفت کرتے چلے آرہے ہیں......'۔

یاللعجب! آج حیرت در حیرت کا دن تھا۔ عثمان صاحب کے طیش کا یہ جذباتی مگر منہ توڑ جواب دینے والی نبیلہ نہیں تھی......، نہ ہی فاطمہ، جویریہ یا ہادیہ.........۔ بلکہ اس گرجتے، دھاڑتے، غضب ناک شیر کو خاموش کرانے والی بینش تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنی چادر سنبھالے دیگر خواتین کے بیچوں بیچ کھڑی تھی، ہر قسم کے ڈر اور جھجک کو ایک طرف رکھ کے عثمان صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی تھی۔ اگر عثمان صاحب کے غضب ناک اور شدت آمیز انداز میں نتائج کو رڈ کرنے نے سب کو حیران کیا تھا، تو بینش کی جذباتی تقریر پر سب ساکت و صامت بیٹھے تھے۔ بینش بھی جیسے ہر قسم کے اندیشے اور مصلحت سے بے نیاز ہو کر بے خوفی سے بول رہی تھی۔ اس کا کانپتا لہجہ گو کہ آنسوؤں سے رندھا ہوا تھا، مگر اس کے الفاظ زہر میں بجھے ہوئے تھے۔ جیٹھوں کی ناراضگی، جاوید صاحب کی خفگی، ابّا جی کا رعب و دبدبہ، جیٹھانیوں کے مزاج...... اس وقت وہ ہر خوف سے آزاد تھی۔ کسی کو برا لگتا ہے...... تو لگے!

---

[1] Male chauvinism: مردانہ برتری کا جنونی حد تک متعصبانہ رویہ

لیکن یہ تو وہ آئینہ تھا، جس میں ہاشمی ہاؤس کے مردوں کی کریہہ صورت جلد یا بدیر کسی نہ کسی نے تو دکھانی ہی تھی۔ تو آج کیوں نہیں...... ؟ ابھی کیوں نہیں...... ؟ اور وہ ہی کیوں نہ ہو جائے یہ آئینہ دکھانے والی...... ؟ اس کے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، وہ تنگ آچکی تھی عورت کی حیثیت سے پِستے ہوئے...... اب اور نہیں......!

عثمان صاحب چھوٹی بھاوج کو جواب دینے کے بجائے اس سے ہلکا سا رخ موڑے کھڑے تھے اور شکایتی نظروں سے جاوید صاحب کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں چھپا مطالبہ جاوید صاحب صاف پڑھ سکتے تھے۔ سنبھالو اپنی بیوی کو! مگر ان کے آنکھیں دکھانے یا اشارے کرنے...... کسی بھی چیز کا تو اثر نہیں ہو رہا تھا بینش پر۔ الٹا وہ تو جیسے آستینیں چڑھائے لڑاکا عورتوں کی طرح میدان میں اتری ہوئی تھی اور مرنے مارنے پر تلی ہوئی تھی۔ سارے گھر کے سامنے جاوید صاحب اپنا تماشا بنا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ یہ تماشا ختم کرنے کی خاطر آخر وہ بینش کو خاموش کرانے اٹھ کھڑے ہوئے مگر بینش نے تو جیسے تہیہ کر لیا تھا کہ آج اپنے اندر چھپا سارا غصّہ اور کدورت نکال کر ہی دم لے گی۔

'نہیں...... جاوید! نہیں......! آج آپ کچھ نہیں کہیں گے......! آج آپ مجھے نہیں سمجھائیں گے......!'، انہیں اٹھتا دیکھ کر بینش ان کا ارادہ بھانپتے ہوئے فوراً بولی۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں کچھ بھی کہنے سے منع کر رہی تھی، وہ ان کی مداخلت چاہتی ہی نہ تھی۔ شدتِ جذبات سے اس کی آواز رندھی ہوئی تھی، آنسو آنکھوں سے چھلکنے کو بیتاب تھے۔ '...... آج کس برتے پر آپ اپنے بھائیوں کو درست ثابت کریں گے؟...... کہیے! آج کیسے آپ عورتوں کی غلطی ثابت کریں گے؟ کہہ دیجیے ناں!...... آج کون سا قصور گنوائیں گے؟ آپ سب نے اکٹھے مل بیٹھ کر ہی یہ آئین بنایا تھا ناں؟...... یہ آئین جو عورتوں کو ووٹ ڈالنے اور سیاست میں حصّہ لینے کا حق دیتا ہے، اپنی مرضی سے، کسی جبر کے بغیر، کسی زبردستی کے بغیر آپ سب اس پر متفق ہوئے تھے...... تو اب...... کیا ۲۵ میں سے ۱۴ ووٹ حاصل کرنا ہماری غلطی ہے؟ کیا سیاست میں وہ جائز حصّہ لینا جس کی آئین نے ہمیں اجازت دی ہے...... یہ ہمارا گناہ ہے؟ اگر یہی کرنا تھا...... اتنے واضح نتائج کے بعد بھی عورت کی سربراہی اور اس کے حقوق کو رد ہی کرنا تھا...... تو پہلے کیوں نہ بتا دیا کہ ہم الیکشن الیکشن صرف کھیل رہے ہیں...... اور اس کھیل کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں......!'...... آنسو اس کے گالوں پر بہہ نکلے، بہتے آنسوؤں اور کانپتے جسم کے ساتھ اس کے لیے بات کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ کسی کا نرم ہاتھ اپنے کندھے پر محسوس ہوا تو بینش نے چونک کر دیکھا، نبیلہ اس کے ساتھ کھڑی تھی، اسے سہارا دیے ہوئے۔ اس کی ہمدردی آمیز مسکراہٹ سے تقویت پا کر بینش نے گالوں پر بہتے آنسو رگڑ کر مٹا دیے، وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر نبیلہ کے اشارے پر خاموش ہو گئی، یہ میدان اب نبیلہ نے سنبھال لیا تھا۔

'عورت ہونا ہمارا گناہ ہے...... کمزور مخلوق ہونا ہماری غلطی ہے! جائز اور فطری خواہشات کا دل میں پیدا ہونا...... یہی جرم ہے ناں ہمارا......؟...... بتائیے! آج کس کے منہ پر تھپڑ ماریں گے آپ؟...... آج کیسے آپ ہماری آواز دبائیں گے؟ کیسے ہمیں ہمارے حق سے محروم کریں گے...... ؟ کر لیں جو کچھ آپ کر سکتے ہیں!! مارنا ہے...... مار لیں!! دبانا چاہتے ہیں...... تو دبا لیں!! مگر یہ مت سمجھیں کہ اب کسی بھی طرح، اپنی طاقت کے زور پہ آپ ہمیں خاموش کرا سکیں گے...... آپ ہمیں ہمارے حقوق سے محروم کر سکتے ہیں...... آپ ڈانٹ سکتے ہیں، ...... مار سکتے ہیں...... ہمیں کچل سکتے ہیں...... مگر یاد رکھیے!...... اب ہماری آواز کا گلا نہیں گھونٹ سکتے......!'،

نبیلہ دھیمے مگر سرد لہجے میں بولی، اس کا اشارہ جس جانب تھا، وہ کم از کم کمرے میں موجود تمام مردوں کو بخوبی سمجھ آ گیا تھا۔ وہ کسی کے جواب کا انتظار کیے بغیر بینش کا ہاتھ تھامے کمرے سے نکل گئی۔ یہ گویا ایک اشارہ تھا، یکے بعد دیگرے فاطمہ، جویریہ، ہادیہ...... اور پھر ان کی دیکھا دیکھی دیگر خواتین کمرے سے نکل گئیں۔ خواتین والا حصّہ تقریباً سارا ہی خالی ہو گیا تھا۔

مردوں کی جانب بھی کچھ دیر تو لڑکوں نے انتظار کیا کہ شاید ابھی تماشا باقی ہے...... مزید بھی کچھ دیکھنے کو ملے گا۔ مگر پھر ابو بکر، عثمان، جاوید اور عمیر...... چاروں کو خاموش و سنجیدہ اور گم صم بیٹھا دیکھ کر آہستہ آہستہ یہاں بھی مجمع چھٹنے لگا۔ عمیر کا اشارہ پا کر زوار بھی کمرے سے نکل گیا تھا۔ نصف گھنٹے بعد ان چار کے سوا کمرا بالکل خالی ہو چکا تھا۔

''بند کرو یہ سی سی ٹی وی کیمرے...... اور مائیکروفون!''، کافی دیر بعد یہ عثمان صاحب تھے جن کے وجود نے زندگی کا ثبوت دیا۔

'یہ انٹرنیٹ آپریٹڈ ہیں...... اوپر آفس میں جا کر کمپیوٹر سے بند کروں گا تو ہوں گے......'، عمیر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

'انٹرنیٹ آپریٹڈ ہیں...... گویا کہ تمام ریکارڈنگ براہِ راست آگے بھی پہنچ جائے گی......؟'، آگے سے ان کی مراد شاید میڈیا اور دیگر دلچسپی لینے والے حضرات تھے۔

'نہیں...... یہ ریکارڈنگ انٹرنیٹ پر موجود کلاؤڈ میں سَیو ہو گی، اور ویسے تو پاسورڈ پروٹیکٹڈ ہو گی...... مگر...... ٹیکنالوجی ہر کسی کے پاس ہے، اور لوگ اس کے استعمال میں ہم سے کہیں زیادہ ماہر ہیں...... اس کلاؤڈ میں سے اسے حاصل کرنا کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے، اور انٹرنیٹ سے اسے کُلّی طور پہ ڈیلیٹ کرنا...... تقریباً ناممکن ہے......!'۔

'اب......؟'، یہ وہ سوال تھا جو شاید کمرے میں موجود تمام نفوس کے ذہنوں میں سرفہرست تھا۔ مگر اسے آواز عطا کرنے والے عثمان صاحب تھے۔ وہ عثمان صاحب جو گھرانے کی عزت و توقیر کے حوالے سے بے حد حسّاس تھے، جو مزید اپنے گھرانے کا تماشا بنتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ عثمان صاحب جو انجانے میں...... نہ چاہتے ہوئے...... ایک بار پھر پورے گھرانے کی رسوائی کا سبب بن چکے تھے۔

جواب میں ابو بکر صاحب ایک گہرا سانس لے کر شانے اچکا کر رہ گئے۔ جاوید صاحب اپنی جگہ شرمندہ اور خاموش بیٹھے تھے۔ دونوں کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

'اب میرے خیال میں...... مجھے تو اٹھنا چاہیے......! بہت سارے کام باقی ہیں۔ لیکن اگر آپ لوگ تھوڑا سا اپنا غصّہ اور جذبات ضبط کرنے کی جانب توجہ دیں تو شاید یہ پورے گھر کے حق میں بہتر ہو گا......'، یہ کہتا ہوا عمیر اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں اب بس وہ تینوں باقی رہ گئے تھے۔ جاوید

صاحب اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے فرش پر بچھے قالین کو گھور رہے تھے تو ابو بکر صاحب اپنی جگہ بے بسی و بے چارگی کی حالت میں بیٹھے تھے۔ عثمان صاحب کے چہرے پر پھیلی غم و غصّے کی سرخی کا کوئی علاج ان کے پاس نہیں تھا۔

'دیکھو..... حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں.....'۔

اس رات ہاشمی ہاؤس میں گنتی کے چند افراد ہی تھے جو چین کی نیند سو پائے تھے۔ ابو بکر صاحب رات کو اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو صولت بیگم کو اپنے معمولات کی انجام دہی میں مشغول پایا۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں رکھے صوفے پر ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھی ہوئی تھیں اور اپنا قریب کا چشمہ لگائے سونے سے پہلے کے اذکار مکمل کرنے میں مشغول تھیں۔ ابو بکر صاحب ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی گھڑی اور چشمہ اتار کر سنگھار میز پر رکھا اور پیروں کو جوتوں اور جرابوں سے آزاد کر کے بیڈ پر نیم دراز ہو گئے۔ وہ بے چینی سے صولت بیگم کے فارغ ہونے کے منتظر تھے۔ آخر ضبط نہ ہو سکا تو انہیں پکار بیٹھے۔

''صولت!.....''۔

صولت بیگم نے جواب میں کچھ کہے بغیر سوالیہ نظریں اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

''..... بعد میں پڑھ لیجیے گا پلیز..... ابھی میری بات سنیں!''، ان کی درخواست پر صولت بیگم نے فوراً مصحف کو نشانی لگا کر بند کر دیا اور ہمہ تن ابو بکر صاحب کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

''..... آپ سمجھاتی کیوں نہیں ہیں نبیلہ کو.....!؟؟''، کچھ کہنے کے لیے الفاظ تلاش کرتے ابو بکر صاحب کے منہ سے یہ جملہ بالآخر پھسل گیا تھا۔ صولت بیگم ایک گہری سانس بھر کر رہ گئیں، یہ وہ شکوہ تھا جو پچھلے چند ماہ سے وہ متواتر سننے کی عادی ہو گئی تھیں۔ اور بارہا تفصیلی وضاحتوں کے باوجود وہ اپنے آپ کو ابو بکر صاحب کی نظر میں بری الذمہ نہ کرا پائی تھیں۔ نبیلہ کب ان کے کہنے سننے میں تھی۔ اور کیا وہ پھر بھی اسے سمجھانے کی مقدور بھر کوشش نہ کرتی تھیں۔ مگر سچ ہے، اولاد کے گناہ ماں کے کھاتے میں ہی لکھے جاتے ہیں، وہ ملال سے سوچ کر رہ گئیں۔

''..... ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کچھ سمجھتی ہی نہیں ہے ہمیں..... میں باپ ہوں اس کا، عثمان چچا ہے..... مگر سب کو دشمنوں کی صف میں کھڑا کر رکھا ہے اس نے!..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی نفرت..... اتنا غصّہ..... کیسے بھر گیا ہے اس کے اندر ہمارے خلاف..... ایسا کوئی برا یا امتیازی سلوک تو کبھی نہیں کیا میں نے اس کے ساتھ..... آپ بتائیں..... کیا میں بیٹیوں کی پیدائش پر بھی اتنا ہی خوش نہیں ہوتا تھا جتنا بیٹوں کی.....؟..... کیا بیٹوں اور بیٹیوں کو ایک سا پیار نہیں دیا میں نے.....؟''، وہ فکر اور پریشانی کے عالم میں ان سے پوچھ رہے تھے۔

''کچھ نہیں ہے ابو بکر صاحب..... محض اس کے دماغ کا فتور ہے۔..... اور باقی یہ ٹی وی ڈرامے اور جو کچھ الا بلا یہ انٹرنیٹ پر پڑھتی اور دیکھتی ہیں..... اس نے دماغ خراب کر دیے ہیں ان لڑکیوں کے۔ میں تو آپ سے پچھلے چھ ماہ سے کہہ رہی ہوں جناب..... کہ یہ جو بے جا آزادی کا رواج آگیا ہے ہمارے گھر میں، یہ بالکل اچھا نہیں ہے۔ صرف لڑکیاں ہی نہیں، لڑکے بھی بگڑ رہے ہیں..... وہ چونکہ تمام حرکتیں گھر سے باہر کر آتے ہیں اس لیے ہمیں ان کے بگاڑ کی خبر نہیں ہوتی.....''، صولت بیگم صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے تھکن آمیز لہجے میں بولیں، ان کا تو دل و ذہن اب مستقل ہی ان فکروں میں الجھا رہتا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا بینش!..... کہ تم اس طرح پورے گھر کے سامنے مجھے شرمندہ کرواؤ گی!''، بتول کو گود میں لیے، جاوید صاحب دھیمی مگر سخت آواز میں بولے۔ بتول ان کے کندھے پر سر رکھے رکھے سو گئی تھی۔ ابھی وہ کچی نیند میں تھی، جب بینش کمرے سے ملحقہ باتھ روم سے برآمد ہوئی، بتول کی آنکھیں کھلتی دیکھ کر جاوید صاحب نے فوراً اسے تھپکنا شروع کر دیا، اس کی نیند سے بھری آنکھیں ایک بار پھر بند ہو گئیں۔ بینش کچھ بھی کہے بغیر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔ اس نے کونے میں رکھا ٹونر اٹھایا اور چند قطرے ہتھیلی پر نکال کر نرمی سے اپنے چہرے کا مساج کرنے لگی۔

''..... ایسا کیا ہو گیا تھا، کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے تم خواتین پر کہ اتنا تماشا کھڑا کرنا ضروری ہو گیا تھا.....؟''، اب ان کے لہجے میں طنز در آیا تھا۔ اپنے چہرے کا مساج کرتے بینش کے ہاتھ یک بیک ٹھٹکے، اس نے آئینے میں نظر آتے جاوید صاحب کے عکس کو بغور دیکھا، پھر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے محض اتنے سے جواب پر ہی اکتفا کر لیا کہ ''آپ نہیں سمجھیں گے، جاوید.....''۔

''میں نہیں سمجھوں گا.....؟ میں نہیں سمجھوں گا یا تم نہیں سمجھتیں.....؟؟!..... آخر تم چاہتی کیا ہو بینش؟ میری عزت، میرے وقار کا کوئی پاس ہی نہیں ہے تمہیں! ہر روز ایک نیا جھگڑا، ایک نئی شکایت لیے تیار ہوتی ہو تم کہ یہ شخص گھر آئے تو میں اسے بتاؤں کہ تم کیسے ظالم انسان ہو جسے بیوی کا کوئی خیال نہیں!!..... تم ہی بتاؤ ایسا کون سا ظلم ڈھایا ہے میں نے تمہارے اوپر کہ تم مجھے اور میرے بھائیوں میں اور جیل سے چھٹے ہوئے بدمعاشوں میں کوئی فرق محسوس ہی نہیں کرتیں.....!''، جاوید مشتعل ہو کر اٹھ بیٹھا تھا۔ سوئے ہوئے بچوں کی وجہ سے اس نے بدقت تمام اپنی آواز آہستہ رکھی تھی، ورنہ اس وقت وہ شدید غصّے میں تھا۔

اس کی بات پر بینش بے ساختہ ہنس پڑی، ''کیوں نہیں.....! اتنا بڑا فرق ہے، وہ جو کچھ ہوتے ہیں، ڈنکے کی چوٹ پر ہوتے ہیں..... مجرم ہیں تو ڈنکے کی چوٹ پر ہیں، ساری دنیا جانتی ہے کہ مجرم ہیں..... منافق نہیں ہوتے وہ.....''، وہ کہہ رہی تھی، اور جو کچھ وہ نہیں کہہ رہی تھی وہ بھی سورج کی طرح واضح تھا۔

''..... بکواس بند کرو بینش!!..... ابھی تک تمہارا دل نہیں بھرا..... ابھی تک زہر ختم نہیں ہوا تمہارا..... کیا آج شام تم نے اچھی طرح بے عزتی نہیں کروالی میری؟ بتاؤ.....! آج کھل کر بتا ہی دو کہ کیا بگاڑا ہے عثمان بھائی نے تمہارا..... اور ابو بکر بھائی نے کون سے ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں

تم پر......؟ میں تو ظاہر ہے کہ اس دنیا کا گھٹیا ترین شخص ہوں اور تمہارے نزدیک تو میرا اسد ھار ممکن بھی نہیں......''جاوید کھردرے اور خشک لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''......ارے جاوید صاحب! آپ اپنے بھائیوں کے قصور چھوڑیئے......کیوں روایت خراب کرتے ہیں۔ آپ میرا قصور بتائیے......!......والدین سے ملنے کی خواہش کرنا؟......گھر سے باہر آزاد فضا میں سانس لینے کی خواہش کرنا......؟ یہ خواہش کرنا کہ میرا شوہر مجھے گھمانے پھرانے یا شاپنگ کرانے لے جائے......؟......مجھے کھلا جیب خرچ دیا کرے......؟ یا یہ خواہش کرنا کہ گھر کے کاموں میں میرا کچھ ہاتھ بٹا دیا کرے؟......ارے نہیں! بلکہ ابھی تازہ ترین جرم تو یہ ہو گا ناں کہ آپ کے بھائی کو جواب کیوں دے دیا؟......ان سے انہی کے لہجے میں بات کیوں کر ڈالی؟......''، بینش جاوید کے غصّے سے ذرّہ برابر بھی متاثر ہوئے بغیر مزے سے بولی۔ اب وہ موئسچرائزنگ کریم بڑے اہتمام سے اپنے چہرے پر مل رہی تھی۔

''......شرم!!......شرم آنی چاہیے بینش تمہیں!!!......یہ سب کہتے ہوئے......''، جاوید صاحب اس کی بات سن کر بھڑک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دو تھپڑ لگا کر سامنے بیٹھی اس منہ پھٹ عورت کو خاموش کرا دیں۔ مگر یہ عورت ان کی بیوی بھی تھی، اور وہ جانتے تھے کہ سختی کرنے سے وہ بات سمجھنے کے بجائے، مزید بگڑ جاتی تھی۔ پھر انہوں نے کب اپنے گھر والوں میں سے کسی بچے پر بھی کبھی ہاتھ اٹھایا تھا، بینش تو پھر ان کی بیوی تھی۔

''......شرم مجھے نہیں آپ کو آنی چاہیے جاوید!......مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا......جس وقت میں نے عثمان بھائی کو جواب دیا کہ اب کمرے میں جاتے ہی آپ کے ہاتھوں میری شامت ضرور آئے گی۔ ظاہر ہے بلّی کی دم پر پاؤں جو رکھ دیا میں نے......اس کا بدلہ تو آپ کے ذریعے عثمان بھائی نے لینا ہی تھا۔ مگر میں نے بھی تب ہی سوچ لیا تھا......کہ اگر آپ نے مجھ سے اس موضوع پر بات کی......یا مجھے کسی بھی طرح ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی......تو میں یہ گھر ہی چھوڑ کر چلی جاؤں گی......''، بینش اپنا مساج ترک کر کے جاوید صاحب کی جانب مڑی، غم و غصّے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، وہ ایک بار پھر جذباتیت کی انتہا پر کھڑی تھی۔

جاوید صاحب اس کی اس بات پر حیران و ششدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے۔ ''کہاں چلی جاؤ گی تم؟......ہاں بولو!......کہاں جاؤ گی؟''

''......کہیں بھی چلی جاؤں گی......اپنے ماں باپ کے گھر......یا اپنے بھائیوں کے پاس......مگر آپ کی چھت تلے نہیں رہوں گی،......آپ کا اور آپ کے بھائیوں کا مزید کوئی احسان نہیں لوں گی......''۔

''......اور یہ بچے......تمہاری اس پلاننگ میں یہ بچے کہاں فِٹ ہوتے ہیں......؟''، جاوید صاحب نے شرم دلانے والے انداز میں بیڈ پر سوئی ہوئی بتول اور شہیر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

بینش نے صرف چند لمحوں کا توقف کیا تھا، ''......یہ بچے صرف میرے نہیں......آپ کے بھی بچے ہیں۔ اتنے سال انہیں میں نے اکیلے سنبھالا ہے، چند سال آپ سنبھال لیں گے تو کوئی بڑی بات نہیں......!''۔

''......کیوں آئی ہو یہاں؟''، اس کے لہجے کی برہمی اور بے رخی محسوس کر کے نبیلہ کھَول کر رہ گئی۔

''......جو بار گین (سودا) ہم نے کیا تھا، میں نے حصّے کا کام کیا، اپنا وعدہ پورا کیا......اب وصولی کا وقت ہے، اسی کے لیے آئی ہوں''، اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے نبیلہ نے تحمّل سے اسے جتایا۔

''......بے فکر رہو......مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کرنا ہے......''،

''مگر کب......اور کیسے؟......عثمان چچا کے تیور دیکھے ہیں...؟ مجھے نہیں لگتا کہ......''، نبیلہ پریشانی کے عالم میں بول رہی تھی۔

''یہ سب تمہارا دردِ سر نہیں......! اب جاؤ!......اور دوبارہ ادھر آنے کی حماقت مت کرنا......''، اس نے رکھائی سے اس کی بات کاٹی اور اگلے ہی لمحے دروازہ نبیلہ کے منہ پر بند ہو چکا تھا۔ غصّے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی جانب چلی آئی۔ اسے اس رویّے کی توقع نہیں تھی، لیکن اب وہ سوچ رہی تھی کہ یہ رویہ قطعاً غیر متوقع نہیں تھا، جس شخص سے اس کا پالا پڑا تھا، اس سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ احمق تو وہ تھی، جو اس پر بھروسہ کر بیٹھی تھی اور اس سے ایفائے عہد کی امیدیں لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔

''......آپی!......آپی!! گیس واٹ؟ آئے ہَیو سم گریٹ نیوز فار یو!!''، (بوجھیں تو کیا بات ہے؟ میرے پاس آپ کے لیے بڑی زبردست خبر ہے!!) کمرے میں داخل ہوتے ہی فاطمہ کی خوشی و مسرت سے بھرپور آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

'کیا؟'، اس نے بے خیالی میں پوچھا۔

'ہنڈرڈ کے (100K) فالووَرز!!!......آج ہم نے صرف الیکشن ہی نہیں جیتا، یہ مائل سٹون (سنگِ میل) بھی اَچیو کر لیا......!'

'......ہوں...؟!......ہاں...!......اچھی بات ہے......'، یہ ایک علیحدہ مسئلہ تھا۔ فیس بک، ٹوئٹر اور دیگر سوشل میڈیا پر ان کی ریٹنگ اور فالووِنگ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ اپنے فینز اور فالووَرز کی امیدوں اور توقعات پر پورا اترنا اور ان کے لیے ہر کچھ عرصے بعد ایک نیا نعرہ اور ہدف ایجاد کرنا بھی ایک مستقل کام بن گیا تھا، یہ ناگزیر بھی تھا کہ اس جانب سے عدم توجہی انٹرنیٹ کی دنیا میں ان کی مقبولیت کا گراف فوراً نیچے کر دیتی، مگر اب یہ سب اسے اپنی استطاعت سے باہر ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

''......کیا ہوا آپی؟......آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟''، اس کی بے توجہی محسوس کر کے فاطمہ نے پوچھا، ''اچھا سنیں!!......یہاں ہر بندہ ایک ہی سوال کیے چلا جا رہا ہے کہ الیکشن کا کیا بنا؟......مجھے

تقریباً ہر دو منٹ بعد اس قسم کا کوئی پرسنل میسج ملتا ہے،...... اور جو لوگ ٹیگ کر رہے ہیں اور کمنٹس میں یہ سوال کر رہے ہیں ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے...... میں ان سب کو کیا جواب دوں؟......''۔

''......ابھی رک جاؤ فاطمہ......سب حالات تمہارے سامنے ہی ہیں، جب تک کچھ فائنل نہیں ہو جاتا، ہم اپنے جیتنے کی خبر آؤٹ نہیں کر سکتے۔ ایسا نہ ہو کہ الٹا یہ خبر بے عزتی کا باعث بن جائے اگر گھر کی اکثریت نے ہماری حکومت کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا تو......''، نبیلہ نے اپنے بستر پر بیٹھتے ہوئے پر سوچ انداز میں جواب دیا۔ اس وقت اس کا ذہن اپنا آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنے میں الجھا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اب کوئی انتہائی قدم اٹھانا ناگزیر ہو گیا ہے، مگر کرے تو کیا کرے...... کوئی سرا ہاتھ ہی نہ آرہا تھا کہ کیسے حالات کو اپنے موافق ڈھالا جائے۔

اگلے دن تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ ہاشمی ہاؤس کے حالیہ انتخابات میں خاتون پارٹی بھاری اور واضح اکثریت سے میدان جیت چکی ہے۔ فاطمہ تو گزشتہ شام سے ہی انٹرنیٹ سے متعلق اپنے فرائض کی انجام دہی میں تندہی سے جتی ہوئی تھی مگر اب حامیوں اور شیدائیوں کے پیغامات کے جواب دینے میں ہادیہ اور جویریہ بھی اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے والی کتنی ہی این جی اوز کی ڈائریکٹرز کے مبارکباد پر مبنی فون اور پیغامات صبح سے نبیلہ وصول کر چکی تھی۔ میڈیا کی دو گاڑیاں ان کے گیٹ کے باہر کھڑی تھیں اور بے چین رپورٹر گیٹ سے جھانک جھانک کر کسی کے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔

یہ خبر کیسے باہر نکلی، کسی کو خبر نہیں تھی۔ وہ تو جب صبح اٹھتے ہی فاطمہ نے پہلے سرہانے رکھے ٹیبلٹ کا فلیپ کھولا تو نوٹیفیکیشنز کی بھرمار اس کی منتظر تھی۔ آنے والے پیغامات پڑھ کر وہ فوراً سمجھ گئی کہ ان کی جیت کی خبر دنیا کو معلوم ہو چکی ہے۔ گو کہ یہ کیسے ہوا، یہ اسے سمجھ نہ آرہا تھا۔ ابھی رات کو ہی تو نبیلہ نے اسے اس قسم کی کوئی بھی بات لیک آؤٹ کرنے سے منع کیا تھا، پھر کیسے......۔ نبیلہ کو جب معلوم ہوا تو پہلے تو وہ پریشان ہوئی۔ گھر والوں کے ردِّ عمل کا اسے بالکل اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ مگر جب ایک کے بعد ایک مبارکبادی پیغامات اور فونز آنا شروع ہو گئے تو اس کے حوصلے کو مہمیز ملی۔ گھر والے تو نجانے الیکشن کے ان نتائج سے خوش تھے یا نہیں، مگر دنیا بہت خوش تھی۔ اور اس کی حمایت کرنے والوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ مگر اس سب کے باوجود وہ اپنی جیت کی خوشی کھل کر نہ منا پا رہی تھیں۔ اندر ہی اندر یہ خدشات نبیلہ کو کھائے جا رہے تھے کہ اگر گھر کی بھاری اکثریت نے نتائج کو رڈ کر دیا تو عین ممکن ہے کہ چند گھنٹوں میں وہ انہی لوگوں کی جانب سے تعزیتی پیغامات وصول کر رہی ہو۔ عثمان صاحب تو واشگاف انداز میں اپنی مخالفت کا اظہار کر بھی چکے تھے۔

'ہم ایک اسلامی جمہوریت ہیں۔ اس بنا پر میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام میں عورت کی حکمرانی کا کوئی جواز نہیں۔ یہ اصولی بات ہے اور اس پر کسی قسم کی مفاہمت نہیں ہو سکتی، اس گھر کی سربراہ ایک عورت نہیں بن سکتی'۔

'ٹھیک ہے چچا جان، آپ کی بات درست ہے۔ لیکن پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ اسلام میں عورت کی حکمرانی کا کوئی جواز نہیں......'۔

ابّا جی کا کمرہ آج کافی عرصے بعد گرما گرم بحث مباحثے کا میدان بنا ہوا تھا۔ کمرے میں جلتا ہیٹر گرمائش کا سامان پیدا کر رہا تھا اور حاضرین کے لیے گرم چائے اور خشک میوہ جات کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ ابّا جی ایک ہلکا لحاف اوڑھے، اپنے بستر پر تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ان کے بیڈ کے بالکل ساتھ ایک کرسی پر ہاتھ میں کاپی قلم لیے نسرین بیٹھی تھی، اور نسرین کے ساتھ والی کرسی پر صولت بیگم براجمان تھیں۔ کمرے میں موجود دیگر تمام افراد قالین پر رکھی گدیوں کے سہارے بیٹھے تھے۔ داہنی جانب ابو بکر، جاوید اور عثمان صاحب تھے جبکہ ان کے مقابل زوار، عمیر اور نبیلہ بیٹھے تھے۔ جب عمیر نے گھر میں یہ اعلان کیا کہ الیکشن کے نتائج کا فیصلہ الیکشن کمیشن ہی کے سپرد کیا جائے گا، اور ان کا فیصلہ حتمی اور سب کے لیے واجب قبول ہو گا، تو نبیلہ ایک بار پھر مخمصے میں پڑ گئی۔ اول تو اسے کسی کمیشن پر اعتماد ہی نہ تھا۔ مگر جب عمیر نے کہا کہ کمیشن کے افراد کے لیے تمام فریق افراد نامزد کر دیں تو اسے کچھ تسلّی ہوئی۔ یوں کافی ردو قدح کے بعد وہ سب ابّا جی، نسرین آپا اور صولت بیگم پر متفق ہوئے۔ گو کہ اسے صولت بیگم اور نسرین آپا سے اپنے حق کی موافقت کی امیدیں کم کم ہی تھیں، مگر کم از کم ججوں کے پینل میں خواتین کی موجودگی اس تسلّی کا باعث تو تھی کہ یہاں اس مردانہ تعصب سے کام نہیں لیا گیا جو ان کے گھر کی مستقل روایت رہی تھی۔ کم از کم یہ ایک تبدیلی کی شروعات تھیں۔

اگلا مرحلہ اپنے لیے وکیل چننے کا تھا۔ وہ کمیشن کا سامنا کرنے کے لیے اپنے ساتھ کس ساتھی کو چنے...... کسی پر نگاہِ انتخاب ٹھہر ہی نہ رہی تھی۔ آخر اپنا مقدمہ لڑنے کے لیے وہ اکیلی ہی میدان میں اتری۔

''......ویسے تو یہ ایک حدیث ہی کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنے امور کا سربراہ ایک عورت کو بنائے، لیکن خود قرآن مجید کی کتنی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عورت کو اس کام کے لیے نہیں بنایا گیا۔ مثلاً ترجمہ ہے: کہ ''مرد عورتوں کے نگراں ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ چناچہ نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں، مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ، اور (اگر اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو۔ پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کارروائی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کے اوپر، سب سے بڑا ہے۔''

پھر صرف یہی نہیں، بلکہ سورۃ بقرۃ کی ایک آیت کا ایک جزو ہے، جس میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ''اور ان عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) ان پر حاصل ہیں۔ ہاں مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے' '، عثمان صاحب ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔ کمرے میں موجود تمام افراد پوری توجہ سے ان کی بات سن رہے تھے۔ ''......یعنی، مرد اور عورتیں اپنے حقوق میں مساوی ہیں......لیکن اللہ تعالی نے اپنے علم اور حکمت کی بنیاد پر دونوں کو ان کے اپنے اپنے مخصوص دائرۂ عمل کے لیے پیدا کیا ہے، پھر اسی دائرۂ کار کی مناسبت سے دونوں کو صلاحیتیں بھی عطا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے تو اس سے کوئی عورتوں کی شان گھٹانا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ چونکہ عورتیں صنفِ نازک ہیں، اس لیے اللہ نے مردوں پر ان کی حفاظت، کفالت اور نگرانی......یعنی گارڈین شپ......یہ اللہ نے مردوں کے سپرد کی ہے۔ اسی وجہ سے وہ عورتوں پر ایک درجہ فوقیت رکھتے ہیں''۔

ایک عرصے کے بعد نبیلہ عثمان صاحب کو اپنے مخصوص دھیمے اور نرم انداز میں بولتے سن رہی تھی، ان کا لہجہ ان کے خلوص کا عکّاس تھا۔ یہ وہی شفیق چچا جان تھے کہ جن کے ذریعے وہ سب کزنز اپنی تمام فرمائشیں پوری کروانے کے عادی تھے، ایک لمحے کو نبیلہ کو لگا کہ عثمان چچا ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں، مگر اگلے ہی لمحے ایک بدصورت یاد پردۂ ذہن پر ابھری۔ وہ بھری محفل...... کیمروں کے فلیش......اور سراپا آتش و آہن بنے عثمان صاحب......سب کے سامنے چہرے پر پڑنے والا وہ ایک تھپڑ جسے وہ چاہ کر بھی کبھی بھلا نہ پائی تھی۔ نہیں......اسے عثمان صاحب کے لہجے سے مسمرائز نہیں ہونا تھا، اسے اپنا مقصد اور ہدف یاد رکھنا تھا......کسی کے نرم لہجے سے بہل کر......بہک کر......وہ اپنی مہینوں کی محنت برباد کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

''نبیلہ......! عثمان چچا اپنی بات پیش کر چکے ہیں......اب تم بتاؤ......تم کیا کہتی ہو؟''، نسرین آپا کی آواز نبیلہ کو اس کے خیالوں سے باہر کھینچ لائی تھی۔

''میں......''، نبیلہ نے بدقت اپنے حواس مجتمع کیے اور ذہن کو حاضر کیا، ''......سب سے پہلے تو......میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ چچا جان نے جو حدیث پیش کی 'کہ جو قوم عورت کو سربراہ بنائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی'، اس حدیث کے بارے میں علما کی ایک خاصی تعداد کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی عمومی قاعدہ یا اصول نہیں۔ بلکہ ہوا دراصل یہ تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ اہلِ فارس نے خسرو کی بیٹی کو اپنی ملکہ بنا لیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکۂ فارس کے حوالے سے یہ بات فرمائی تھی''، نبیلہ سانس لینے کو رکی، اس کے جواب پر نسرین نے سر ہلاتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی کاپی پر کچھ لکھنا شروع کر دیا۔ عثمان صاحب اور دیگر تمام حاضرین مکمل خاموشی سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

''......بلکہ اس کے برعکس......ہمیں سیرتِ رسول ﷺ میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن سے عورت کی قیادت اور اس کی سربراہی کا جواز ملتا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل قرآن مجید حفظ کرنے والی ام ورقۃ بنت عبد اللہ بن حارث کو امام مقرر کیا۔ اسی طرح کتنی ہی خواتین......یعنی صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں جاتی تھیں، غزوات میں شرکت کرتی تھیں......حضرت ام عمارہؓ نے کتنی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میدانِ جنگ میں دفاع کیا۔......خولہؓ بنت ازور، حضرت صفیہ بنت عبد المطلب، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہؓ، یہ سب غزوات میں مجاہدینِ اسلام کے ہمراہ جاتی تھیں، زخمیوں کو پانی پلاتیں، مرہم پٹی کرتیں......بعض اوقات خود باقاعدہ لڑائی میں بھی شریک ہوتیں......سو یہ کہنا کہ مرد کو عورت کی حفاظت کے لیے مقرر کیا گیا ہے، میرے خیال میں مکمل طور پہ درست نہیں ہے......''۔

'حضرت عائشہؓ نے جب ایک جنگ میں قیادت کی تو کتنے صحابہؓ آپؓ کے ہمراہ، یعنی آپ کی سربراہی میں جنگ لڑنے کے لیے نکلے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں ایک عورت کو بازار کا سربراہ بنایا......مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ جو آیات چچا جان نے نقل کی ہیں، ان کو انہوں نے درست سیاق و سباق میں پیش نہیں کیا۔ قرآن کریم کی تو بہت سی آیات مرد و عورت کے برابر ہونے، مساوی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور میں اپنے اس موقف کی حمایت میں بہت سے علما کے اقوال نقل کر سکتی ہوں۔ ابھی جو چند مثالیں میں نے بیان کیں، جو شاید پہلے سے آپ سب کے علم میں ہوں گی، صرف وہی چند مثالیں یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو عورتوں کے لیے بڑا ماڈرن اور مساوی حقوق والا زمانہ تھا۔ عورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مردوں کے بیچوں بیچ بات چیت کیا کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ جیسی بارعب شخصیت کے عورتوں کے مہر سے متعلق ایک فیصلے کو ایک بوڑھی عورت نے چیلنج کیا اور انہیں سہو پر ثابت کر دیا۔ یہ تو اب ہمارا زمانہ ہے کہ جس میں عورتوں اور مردوں کے علیحدہ علیحدہ خانے مقرر کر دیے گئے ہیں، عورتوں کے لیے گھر کا خانہ، بال بچے سنبھالنا اور مردوں کے لیے حکمرانی اور سربراہی......یہ اسلام نہیں بلکہ یہ تو ہمارے معاشرے پر ہندوؤں کے ساتھ رہنے کے اثرات ہیں، جن کے ہاں عورت کو دوسرے بلکہ تیسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ اللہ نے مرد و عورت کو مساوی پیدا کیا، دونوں کو عقل، ذہن اور شعور عطا فرمایا......اور خود ہمارا آئین یہ کہتا ہے کہ ''گھر کے تمام افراد کو (بلا تخصیص عمر، مذہب، رنگ و نسل اور صنف کے) بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ یعنی تمام افرادِ خانہ کی حیثیت مساوی ہو گی، سب کو ایک سے مواقع فراہم کیے جائیں گے، اور قانون کی نظر میں سب برابر حیثیت کے حامل ہوں گے۔ سب کے ساتھ منصفانہ و مساویانہ سلوک کیا جائے گا، سب کو سوچ، فکر، اظہار، عقیدہ اور عبادت کی آزادی ہو گی''۔ جب آئین ہمیں ووٹ ڈالنے کی، سیاست میں حصّہ لینے کی اجازت دیتا ہے، تو حکمرانی کے لیے بطور نمائندہ کھڑے ہونے کا حق بھی دیتا ہے۔ پھر آپ ہی بتایئے......کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جب ہم اپنے اس حق کو استعمال کرتے ہیں اور واضح اکثریت سے جیت جاتے ہیں تو بیک جنبشِ قلم ہمیں ردّ کر دیا جاتا ہے؟! اور یہ کہا جاتا ہے کہ عورت کی حکمرانی کا کوئی جواز نہیں؟!'، وہ بات کے اختتام تک جذباتی ہو گئی تھی۔

”یہ آئین.....یہ بھی تو ہمارے اپنے ہاتھوں کا ہی بنایا ہوا ہے، کوئی قرآن و حدیث تو نہیں ہے کہ اس پر کوئی تنقید ہی نہ کی جا سکے.....میں تو سمجھتا ہوں کہ اس وقت جب ہم نے یہ آئین بنایا تھا تو ہمیں مستند علما کی زیرِ نگرانی یہ کام کرنا چاہیے تھا.....“، عثمان صاحب جو اب تک صبر و تحمل سے ساری بات سن رہے تھے، اب کہے بنا نہ رہ سکے۔

”واہ!.....کیا بات کی ہے آپ نے بھائی!.....یعنی اب آپ کو آئین پر بھی اعتراض ہے.....!!“، عمیر چونک کر بولا، ”چلیے اس آئین پر تو اعتراض ہے، مگر یہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں، اس کے آئین کو تو مستند مانتے ہیں ناں؟ یہ تو مستند علما کی زیرِ نگرانی ہی تیار کیا گیا ہے، آپ دیکھیے کہ آئینِ پاکستان بھی عورت کو حکمرانی کا حق دیتا ہے“۔

”بالکل! ہمارے ملک.....’اسلامی جمہوریہ پاکستان‘ کا آئین.....اسلامی آئین ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آئین کے Preamble میں لکھا ہوا ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بن سکتا اور باقی آئین گویا اس مذکورہ قانون کا تابع ہے“، نبیلہ بڑے اعتماد سے عمیر کی بات ختم ہوتے ہی بولی۔ پچھلی رات اس نے انٹرنیٹ پر بہت سے مقالے اور بلاگز پڑھتے صرف کی تھی اور آج صبح ہی المورد کی خاتون ریپریزنٹیٹو (representative) مس ثانیہ انجم نے اسے اس موضوع پر بہت سی دلیلیں واٹس ایپ پر فارورڈ کی تھیں۔ نبیلہ نے اپنے سمارٹ فون کی سکرین بند کی اور اباجی کی طرف دیکھنے لگی، اباجی نے ساری زندگی اسی آئین و قانون کو پڑھتے اور برتتے گزاری تھی۔

کمرے میں پھر سکوت کا راج ہو گیا اور ابو بکر صاحب کو پھر کسی کی یاد آ گئی۔

”میں آپ سب کی توجہ اس جانب بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ پہلے ہی ہمارے گھرانے کا معاشرے میں کافی تماشا بن چکا ہے۔ اور دنیا اس حقیقت سے واقف ہے کہ اس بار الیکشن میں خاتون پارٹی واضح اکثریت سے جیت چکی ہے۔ ایسے میں خواتین کو ان کا حق نہ دینا اور ان کی جیت کو رد کر کے دوبارہ نئے سرے سے الیکشن کرانا یا کسی اور کو سربراہ نامزد کرنا، دونوں ہی کام محض ہماری بدنامی میں اضافہ کرنے کا باعث بنیں گے.....“، عمیر ان کے سامنے حقائق رکھ رہا تھا۔ عثمان صاحب اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے صبر کے گھونٹ پینے پر مجبور تھے۔

وہ سب اپنی اپنی بات پیش کر چکے تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ اباجی، ہلکی آواز میں صولت بیگم اور نسرین آپا سے مشاورت کر رہے تھے۔ نسرین آپا کا قلم تیزی سے کاپی پر چند سطور گھسیٹ رہا تھا۔ ’اب آپ کا کیا فیصلہ ہے اباجی؟‘، آخر کار ان تینوں کے جڑے سر علیحدہ ہوئے تو ابو بکر صاحب نے براہِ راست اباجی سے پوچھا۔ اباجی ہلکا سا کھنکھارے، پھر اپنی نحیف آواز میں آہستہ سے بولے۔

”تم سب کی باتیں میں نے سنی ہیں.....سارے حالات بھی میرے علم میں ہیں۔.....سب کے دلائل اور آج کے حالات کے پیشِ نظر جو مصلحتیں ہمیں درپیش ہیں، ان سب کو مدنظر رکھتے ہوئے.....میرا فیصلہ یہ ہے کہ الیکشن شفاف تھے،.....اور ان کا نتیجہ سب کو قبول ہونا چاہیے۔ جہاں ابو بکر اور عمیر کو اس گھر کی سربراہی کا موقع دیا گیا ہے، وہاں نبیلہ کو بھی یہ موقع ملنا چاہیے۔“

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

ایسا ہوتا ہے اسلام کا حکمراں!

”ہمارے سامنے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کھڑے تھے۔ دراز قد، وجیہ شکل وصورت، سر پر سیاہ عمامہ رکھے، سادہ سے کپڑوں میں ملبوس ملا صاحب نے سب مہمانوں سے معانقہ کیا اور پھر انہیں بیٹھنے کی دعوت دیتے ہوئے، خود بھی اس مسہری کا سہارا لے کر بیٹھ گئے جس پر گدّا تو بچھا ہوا تھا مگر چادر غائب تھی۔ ملا صاحب نے خود اسی مسہری سے ٹیک لگائی اور مہمانوں کو گاؤ تکیے پیش کیے۔ بیٹھنے کے بعد کچھ دیر تک تو سبھی مہمان اس عظیم شخص کی جانب دیکھتے ہی رہے جو اتنے بڑے ملک پر حکمرانی کرتے ہوئے بھی اس قدر سادہ طرز میں زندگی بسر کر رہا تھا۔

جی ہاں! امیر المومنین کے کمرۂ ملاقات میں نہ آرام دہ صوفے تھے، نہ خوبصورت کرسیاں، نہ کاغذاتِ صدارت سے سجی دھجی میز تھی اور نہ ہی کمرے کی چھت پر کوئی چمکتا دمکتا فانوس لٹکتا نظر آ رہا تھا۔ بس ایک افغانی قالین تھا جو پورے کمرے میں بچھا ہوا تھا اور اس کی چاروں جانب افغان طرز کے مطابق روئی کے گدّے رکھے ہوئے تھے۔“

(یہ تھا ساڑھے چھ لاکھ مربع کلومیٹر کا حکمران.....اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے)

مولانا محمد مقصود احمد شہید رحمہ اللہ

(بحوالہ: میں نے کابل بستے دیکھا)

ضرورت ہے!

ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' کو تحقیقی، تحریری اور تخلیقی شعبہ جات میں پاکستان، کشمیر، بنگلہ دیش، ہندوستان اور افغانستان سے نمائندوں کی ضرورت ہے۔

رابطہ کیجیے:

editor@nghmag.com

اپنی حفاظت کا خیال رکھیے:

بطورِ نمائندہ، ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' سے رابطہ کرنے کے لیے

1. Proxy یا VPN (مثلاً Tor Browser یا Open VPN) استعمال کرتے ہوئے،
2. کسی فرضی نام کا ای میل ایڈریس بنا کر ای میل بھیجیے۔

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ○ (سورۃ یوسف: ٦٤)

"خیر! اللہ ہی سب سے بڑھ کر محافظ ہے، اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔"

جزاکم اللہ خیراً کثیراً!

شیخ احسن عزیز شہیدؒ

صحبتِ با اہلِ دِل!

((...هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ))

(حديثِ قدسی، بخاري، كتاب الدعوات)

''یہ (اہلِ ذکر) وہ لوگ ہیں کہ ان کے ہم نشین بھی شقی نہیں رہتے۔''

کبھی کبھی
کہیں کہیں
کوئی کوئی ملے اگر تو یوں لگے
کہ جیسے آس پاس آفتاب سے چمک اٹھیں
بہارِ دل میں جیسے کچھ گلاب سے مہک پڑیں
یہی ہیں تو ____
زمین کا نمک ہیں جو!

زہے نصیب، دوستو!
اگر یہ تم سے بن پڑے
تم اِن کے ہم نشیں رہو
کہ اِن کے جو جلیس ہیں
کبھی شقی نہیں رہے!
یہ لوگ کم سہی مگر
تلاش پھر بھی شرط ہے
یہ مل ہی جائیں گے تمہیں
ہجومِ اہلِ ذکر میں
کسی نماز میں ____ یہاں!
کسی محاذ پر ____ وہاں!

لا اله الا الله محمد رسول الله

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا (خاکم بدہن) سرنگوں ہوا جارہا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص، خالد بن ولید اور ابوایوب انصاری رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روحیں اپنی خواب گاہوں میں بے چین ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ اس لیے کہ مسلمان میں غیرت وحمیت مفقود ہورہی ہے۔ جو دینی جرأت ان کی میراث تھی وہ انہوں نے غفلت اور تعیش کے نشے میں دوسروں کے حوالے کردی ہے۔ یہی نہیں کہ اِس مصیبت کے وقت ایک مسلمان نے مسلمان کی مدد نہیں کی۔ بلکہ قیامت تو یہ ہے کہ کفار کی موالات واعانت اور وفاداری کے شوق میں ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کی گردن کاٹی۔ بھائی نے بھائی کا خون پیا اور دشمنوں کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے اپنے ہاتھ اپنے ہی خون میں رنگے۔

اے فرزندانِ اسلام! اے محبانِ ملت!

آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے کہ جس برقِ مسلم سوز نے ان بلادِ اسلامیہ کے خرمنِ آزادی کو جلا دیا اور خلافتِ اسلامیہ کے قصر کو آگ لگائی۔ اس کا اصلی ہیولا عربوں اور ہندوستانیوں کے خونِ گرم سے تیار ہوا تھا اور جس دولت سے نصاریٰ ان ممالکِ مقدسہ میں کامیاب ہوئے اس کا بہت بڑا حصہ تمہارے دست وبازو سے کمایا ہوا تھا۔

پس کیا اب بھی کوئی ایسا پلید اور غبی مسلمان پایا جاتا ہے جس کو نصاریٰ کے موالات ومناصرت کے نتائجِ قطعیہ معلوم نہ ہوئے ہوں اور ایسی تشویش ناک حالت میں جبکہ ڈوبتا ہوا آدمی ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے وہ اس فکر میں ہو کہ موالات کے جواز کی کوئی صورت نکالے۔

اے میرے عزیزو!

یہ وقت استحباب اور فرضیت کی بحث کا نہیں بلکہ غیرتِ اسلامیہ اور حمیتِ دینی سے کام لینے کا ہے۔ کہیں علمائے زمانہ کا چھوٹا بڑا اختلاف تمہاری ہمتوں کو پست اور تمہارے ولولوں کو پژمردہ نہ کردے!‘‘

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ